ناشر : ڈاکٹر محمد معزالدین
ڈائرکٹر ، اقبال اکادمی ، پاکستان ، لاہور

طابع : علی محمد برق

مطبع : ڈائرکٹری پرنٹنگ پریس - برق چمبرز ، لاہور

طبع اول - - - - - - ۱۹۷۷ء

انتساب

ملت بیضاء کے ہر اُس فرد کے نام جو کلام اقبال کو حرزجان جانتا ہے۔ اور حکیم الامت کی بصیرت اور ژرف نگاہی سے مستفیض ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوئے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی شب تاریک کو اُن کے فکر بلند کی روشنی سے منور رکھنے کا خواہاں ہے:

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی

(بال جبریل صفحہ ۱۰۹)



علاّمہ محمّد اِقبالؒ

(۱۸۷۷—۱۹۳۸)

فہرست مضامین

:- پہلا باب :-

(اس باب میں تشبیہ کے متعلق بعض اہم اور ضروری امور کی توضیح کی گئی ہے اور وضاحت کے لیے کلام اقبال سے مثالیں پیش کی گئی ہے) ۔

-: باب دوم :-

-: باب سوم :-

-: باب چہارم :-

-: باب پنجم :-

۷۔ یہ باب ایک لحاظ سے تشبیہات اقبال کا ضمیمہ یا اشاریہ ہے ۔ جن تشبیہات ، تمثیلات یا استعارات کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے ۔ اس باب میں ان کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دے کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے اور حوالہ کی سہولت کے لئے ہر شعر کے ساتھ اصل ماخذ (بانگ درا ، بال جبریل ، ضرب کلیم یا ارمغان حجاز) کا عنوان یا صفحہ نمبر درج کیا گیا ہے ۔

پیش لفظ

علامہ اقبال کے فکر و فن اور کلام و پیام کے متعلق بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ کئی مقالے اور مضامین شائع کئے گئے ہیں ۔ ہر سال پاکستان ، ہندوستان اور بیرونی ممالک کے ادیب اور نقاد اپنی اپنی بزم میں شمع اقبال روشن کرتے ہیں ۔ علامہ مرحوم کے فکر بلند کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں اور اُن کے اظہار و ابلاغ کے مختلف پیرایوں کو موضوع سخن بنا کر اُن پر تنقید و تبصرہ کیا جاتا ہے ۔

علامہ اقبال ایک مقام (بانگ درا صفحہ ۱۲۹) پر فرماتے ہیں : کہ میرا دل کیا ہے !

ہیں ہزاروں اس کے پہلو ، رنگ ہر پہلو کا اور
سینے میں ہیرا کوئی ترشا ہوا رکھتا ہوں میں
دل نہیں شاعر کا ہے کیفیتوں کا رستخیز
کیا خبر تجھ کو ، درون سینہ کیا رکھتا ہوں میں

اگر اس شاعر عظیم کا دل ایک ایسے ترشے ہوئے ہیرے کی مانند تھا جس کے ہزاروں پہلو ہوں اور ہر پہلو کا رنگ جدا گانہ ہو ۔ تو اقبال کے قدردانوں کی اکثریت نے اس ہیرے کے ہر پہلو کی عکاسی میں بڑی دلسوزی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے تاکہ اس جگمگ جگمگ کرنے والے ہیرے کی نورانی کرنوں سے قلب انسانی کے تاریک گوشوں کو منور کیا جائے اور اگر اس عظیم شاعر کا دل کیفیتوں کی ایک رستخیز تھا ۔

تو اقبال شناسوں نے اپنے زور تحریر اور قوت بیان سے کام لے کر ویسی ہی کیفیات کی ایک قیامت صغریٰ ہر مسلم کے دل میں برپا کر دی ۔ اقبال کے کلام کے لئے اس والہانہ شیفتگی کا اثر یہ ہوا کہ اس وقت تک اقبال کے فکر و فن کی تشریح کے لئے اتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ اُن کا حصر و احاطہ کرنے کے لئے کافی وقت اور محنت درکار ہے اور اب یہ موضوع "اقبالیات" کے نام سے اُردو ادب کی ایک مستقل اور منفرد شاخ خیال کیا جاتا ہے اور اُردو ادب کے ذخائر میں ایک علیحدہ ذخیرہ سمجھا جاتا ہے ۔

اقبال کا کلام ایک بحر ناپیدا کنار کی مانند ہے ۔ اس بحر میں غواصی کرنے والوں کے لئے لاکھوں لولوئے لالا باقی ہیں اور غوطہ زن اکثر گوہر بدست باہر نکلتے ہیں اور نئے نئے مضامین کے موتیوں سے "اقبالیات" کے خزانے بھرتے رہتے ہیں ۔ اس ضمن میں اس خاکسار کی یہ کوشش بھی بنظر استحسان دیکھی جائے گی ۔ کیونکہ میں نے بھی اس بحر کی موج موج کو ٹٹولا اور صدف صدف کو موتیوں کی تلاش میں کھولا ہے ۔ اور تشبیہات کے در نایاب کو ایک لڑی میں پرو کر ارباب بصیرت کی خدمت میں پیش کیا ہے ۔

اُردو شاعری کے کلاسیکی دور کے تمام شعراء کا کلام لفظی اور معنوی صنائع بدائع سے مزین ہے اور موجودہ زمانے تک جب کہ زمانے کی طرح اُردو شاعری بھی کئی انقلاب دیکھ چکی ہے ۔ اُردو شاعر اکثر اپنے کلام کو صنائع بدائع سے سجاتے چلے آ رہے ہیں ۔ آٹھ دس سال پہلے کی بات ہے کہ مجھے کلام اقبال سے صنائع بدائع جمع کرنے کا شوق دامن گیر ہوا اور میں نے علامہ اقبال کے اُردو کلام میں سے صنائع بدائع

کے پھولوں کو چن چن کر جمع کرنا شروع کر دیا - اس گلچینی کے دوران میرے لئے یہ انکشاف باعث حیرت و استعجاب ہوا کہ جن صنائع بدائع معنوی اور لفظی کا ذکر بلاغت کی کتابوں میں کیا گیا ہے وہ تمام کی تمام اقبال کے کلام میں موجود ہیں اور ان میں "آمد" کا اتنا زور ہے اور اشعار میں ایسی روانی ہے کہ صنائع بدائع کلام کا ایک جزو لاینفک معلوم ہوتے ہیں اور "آورد" کا رنگ کہیں نظر نہیں آتا - مثلاً آپ جب کبھی یہ شعر پڑھتے ہیں

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

تو کبھی آپ کو خیال آیا ہے کہ اس شعر میں صنعت تجنیس قلب ہے - "رہا"، اور "ہرا"، "مقلوب بعض"، ہیں - یا

صبح غربت میں اور چمکا
ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

اس شعر میں پہلی صنعت "طباق ایجابی"، کی ہے اور دوسری ایہام کی۔

چنانچہ میں نے یہ تمام صنائع بدائع جمع کر کے مرتب کیں تو ان کو کتابی صورت میں طبع کر کے آئینہ ادب (چوک مینار انارکلی ، لاہور) نے ۱۹۶۶ء شائع کر دیا -

اس کتاب کی اشاعت اور ارباب علم و دانش کی حوصلہ افزا آراء نے میرے سمند شوق کو اک اور تازیانہ لگایا - میں نے مرزا غالب کے کے کلام بلاغت نظام سے صنائع بدائع کے پھول چننے شروع کر دئے۔ غالب کا ایک شعر ہے :

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

اور میں نے دیکھا کہ واقعی کلام غالب کا ہر لفظ گنجینۂ معنی ہے - یعنی اس کے کلام کے ہر تیسرے یا چوتھے شعر میں صنائع بدائع لفظی یا معنوی میں سے کوئی نہ کوئی صنعت موجود ہے - ایک ہی شعر میں دن کے ساتھ رات ، صبح کے ساتھ شام ، جینے کے ساتھ مرنے ، اٹھنے کے ساتھ بیٹھنے ، اور اسی قبیل کے تقابل و تضاد کے الفاظ لانا صنعت تقابل و تضاد یا صنعت طباق کہلاتا ہے - مرزا غالب کے مختصر سے اردو دیوان میں سے میں نے صرف اس ایک صنعت کی تقریباً ڈیڑھ سو مثالیں پیش کی ہیں - اسی ایک صنعت کی اتنی مثالوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مرزا غالب کے کلام میں لفظی اور معنوی صنائع بدائع کی کتنی کثرت ہوگی - یہ کتاب "محاسن الفاظ غالب" کے عنوان سے مرزا غالب کی صد سالہ برسی کی تقریب پر کتابیات لاہور نے طبع کرائی اور ادارۂ فروغ اردو نے اس کی اشاعت کی - اس کتاب کے متعلق بھی بعض بڑے ذی علم اور قابل احترام تنقید نگاروں نے بڑی ہی قابل قدر اور ہمت افزا رائیں لکھیں - جن کا یہاں نقل کرنا بعض وجوہات کی بنا پر خارج از آہنگ معلوم ہوتا ہے -

گذشتہ دو سال سے میں فن شعر کے ایک اور پہلو پر غور کر رہا ہوں - یعنی تشبیہات اقبال کی تدوین ، ترتیب ، تقسیم اور تنقید میں مصروف رہا ہوں - خدا کا شکر ہے کہ اپنا حاصل مطالعہ آج قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور اس سلسلہ میں دوچار امور کی طرف آن کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں -

اس کتاب میں ، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ، اقبال کی تشبیہات پر بحث کی گئی ہے ۔ تمثیلات (جو تشبیہ کی ہی ایک قسم ہوتی ہیں) کو بھی تشبیہات کے ساتھ شامل سمجھا جائے ۔ استعارہ کی بنیاد بھی تشبیہ پر ہوتی ہے ۔ اس لئے ایسے استعارات کو بھی جن میں وجہ جامع (وجہ تشبیہ) بہت نمایاں ہے لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں خلط مبحث نہ ہونے پائے ۔ مثلاً بانگ درا کی نظم "ہمالہ" کا یہ شعر بڑا مشہور ہے ۔

برف نے باندھی ہے دستار فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہ مہر عالمتاب پر

اس میں برف کی سفیدی اور اُس کا دستار کی طرح تہ در تہ ہونا ایسی روشن اور واضح وجہ جامع ہے کہ تشبیہ کی فوراً سمجھ آ جاتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر عالموں نے اسے استعارہ نہیں بلکہ تشبیہ سمجھ کر اس کی داد دی ہے ۔ کلاہ مہر عالمتاب میں اضافت تشبیہ ہے ۔ اس لئے کلاہ مہر عالمتاب کو تشبیہ سمجھنا درست ہے ۔ لیکن برف میں کسی کے سر پر دستار باندھنے اور کلاہ مہر عالمتاب پر خندہ زن ہونے کی صلاحیت مستعار ہے ۔ اس لئے یہ استعارہ ہے اور اس فرق کو مثالوں سے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے ۔ لیکن ایسے عمدہ ، واضح اور دلنشیں استعارات پر علیحدہ بحث نہیں کی گئی بلکہ تشبیہات کے ساتھ ساتھ ان کو بھی مورد بحث بنایا گیا ہے اور یہی طریقہ کلام اقبال کے اکثر مبصروں یا مفسروں نے ملحوظ رکھا ہے ۔

ہم نے اس کتاب میں ایک اور التزام قائم رکھنے کی بھی کوشش کی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تشبیہات کو پیش کیا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی

اسی وجہ تشبیہہ سے پیدا ہونے والے استعارات کو بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً پاسبان بطور تشبیہ بھی استعمال ہوا ہے اور بطور استعارہ بھی۔ اسے یوں ساتھ ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

تشبیہہ ۱ - اے شب کے پاسبانو! اے آسماں کے تارو
تابندہ قوم ساری، گردوں نشیں تمہاری

۲ - اپنے مکاں کہن کی خاک کا دلدادہ ہے
کوہ کے سر پر مثال پاسباں استادہ ہے

استعارہ ۳ - لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

لیکن ہر شعر کے ساتھ یہ لکھنا کہ یہ استعارہ ہے اور یہ تشبیہہ ہے کئی وجوہ سے ضروری نہیں سمجھا گیا۔

بعض اشعار میں دو یا دو سے زیادہ تشبیہات ہیں۔ تشبیہات کی تقسیم میں ایسے اشعار کو دو یا تین بار پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً بانگ درا میں ایک نظم کا عنوان "موٹر" ہے۔ اس میں یہ شعر آتا ہے۔

ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرام ناز
مانند برق تیز، مثال ہوا خموش

اس شعر میں تیزی کی وجہ سے موٹر کو برق سے اور خموشی کی وجہ سے ہوا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یا جگنو کی نظم میں یہ شعر آتا ہے۔

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

اس شعر میں جگنو کی دو تشبیہیں ہیں - ایسے اشعار کو دو دو بار پیش کرنا ضروری سمجھا گیا ہے -

یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے - پہلے باب میں مختصر الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے - کہ تشبیہ کیا ہے اور استعارہ کیا ہے - تشبیہ اور تمثیل ، تشبیہ اور تشابہ ، تشبیہ اور تجرید ، تشبیہ اور استعارہ میں کیا فرق ہے - تشبیہ کی مختلف صورتیں کیا ہیں اور طرفین تشبیہ ، وجہ تشبیہ حرف تشبیہ ، غرض تشبیہ کی وضاحت کی گئی ہے - تشبیہ کے مختلف اقسام کون کون سے ہیں اور تشبیہ کے حسن و قبح کا معیار کیا ہے - ان امور کی وضاحت کے لئے سادہ زبان استعمال کی گئی ہے اور مثالیں حتی الامکان کلام اقبال سے دی گئی ہیں -

دوسرے باب میں تشبیہ کی قدامت اور تشبیہ کے مآخذ پر بحث کی گئی ہے اور اقبال کی شاعری کے ابتدائی دور کی ابتدائی دو نظموں "یتیم کا خطاب ہلال عید سے" اور ہمالہ کی تشبیہات پر تبصرہ کیا گیا ہے - تیسرے باب میں بتایا گیا ہے کہ اقبال نے قدیم تشبیہات میں چار طرح سے تصرف کیا ہے - یعنی

۱ - بعض تشبیہات قدیم کو ترک کر دیا -

۲ - بعض تشبیہات کو قدماء کے انداز میں استعمال کیا -

۳ - بعض تشبیہات میں جزوی طور پر لفظی یا معنوی رد و بدل کر کے انہیں اپنے مطالب کے ادا کرنے کے قابل بنا لیا -

۴ - بعض نئی تشبیہات پیدا کیں -

چوتھا باب عربی اور اسلامی تشبیہات پر مشتمل ہے - پانچواں باب ان تشبیہات کو پیش کرتا ہے جو فارسی ادب سے اردو شاعری میں داخل

ہوئیں - چھٹے باب میں پہلے ہندوستانی یا ہندی تشبیہات اقبال موضوع بحث ہیں اور پھر وہ تشبیہات جو انگریزی ادب یا تعلیم جدید کے ذریعہ سے اُردو زبان کی وسعت کا باعث ہوئیں - ساتویں باب میں اقبال کے بعض اہم موضوعات مثلاً خودی ، عقل اور عشق ، قوت و شوکت ، مرد مومن وغیرہ کی وضاحت کی تشبیہات کا ذکر ہے - آٹھواں باب (اشاریہ) بطور ضمیمہ کے ہے - اس میں زیر بحث آنے والی تشبیہات اور استعارات کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دے کر جمع کر دیا گیا ہے - تاکہ تشبیہات و استعارات کا حوالہ تلاش کرنے میں قارئین کرام کو دقت نہ ہو - اسی ضمن میں یہ بات بھی یاد رہے کہ بال جبریل اور ضرب کلیم کے صفحات کا نمبر دیا گیا ہے اور بانگ درا کی نظموں کے عنوان دئے گئے ہیں -

اس کتاب کی اشاعت سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ علامہ اقبال کی شاعری کے ایک خاص فنی پہلو پر روشنی ڈالی جائے اور تشبیہ و استعارہ کے متعلق قارئین کرام کی یادداشت کو تازہ کیا جائے - لیکن اس سے بھی زیادہ اہم مقصد یہ ہے کہ حکیم الامت کے کلام کا مطالعہ کرنے اور اُن کے نکات حکمت سے بہرہ اندوز ہونے کی ایک نئی تقریب فراہم کی جائے - اقبال ہندوستان کی غلامی کے دور میں آزادی کی راہوں میں اپنے سوز جگر سے امید کے چراغ جلاتے رہے - انہیں پورا یقین تھا کہ اس برصغیر میں ایک بڑا انقلاب آنے والا ہے - جس سے ساری دنیا متاثر ہوگی - ایک نیا جہان پیدا ہو رہا ہے - جس میں اخلاق و سیاست کی نئی اقدار کی پرستش ہوگی فرماتے ہیں :-

جہان نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ
(بال جبریل صفحہ ۱۷۶)

وہ مسجد قرطبہ میں فریضۂ نماز ادا کر کے دریائے کبیر کے کنارے چہل قدمی کر رہے ہوتے ہیں کہ انہیں عالم خیال میں وہ جہان نو نظر آ جاتا ہے ۔

آب روان کبیر ، تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

(بال جبریل صفحہ ۱۳۶)

اقبال کو یقین کامل تھا کہ ہندوستان بہت جلد غیر ملکی استبداد سے آزاد ہو جائے گا اور مسلمان ایک الگ اسلامی مملکت کے حصول کی کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے اور آزادی کی آبرومندانہ زندگی بسر کرنے لگیں گے ۔ انہیں یہ بھی علم تھا کہ وہ خود ازادی کا روز سعید نہیں دیکھ سکیں گے ۔ لیکن وہ اسی خیال سے کہ وہ آزادی کی بہار کی خوشخبری دینے والے ہیں ، بہت شاد تھے ۔

نغمۂ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دم نیم سوز کو طائرک بہار کر

(بال جبریل صفحہ ۸)

آب روان کبیر کے کنارے پر دیکھا ہوا اقبال کا خواب سچا ثابت ہوا ۔ ہندوستان آزاد ہو گیا اور مسلمان اپنے لئے ایک الگ اسلامی مملکت کے حصول کی کوششوں میں فائزالمرام ہوئے ۔ پاکستان کے قیام سے گزرا

اسلام پر ایک نئی بہار آئی ۔ اقبال کا کلام غلامی کے دور میں جبکہ زندگی گھٹ کے ایک جوئے کم آب کی مانند رہ گئی تھی ، ہمارے لئے مشعل راہ تھا ۔ لیکن آج جبکہ آزادی کی زندگی ایک بحر بیکراں کی مانند متلاطم اور متموج ہے ۔ ان کے کلام کی روشنی اور رہنمائی کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے تاکہ موج کی آزادیاں اس کے لئے سامان شیون نہ بن جائیں اور وہ دہر میں آئین کی پابندی سے عیش دوام حاصل کر سکے ۔

میں اس کتاب کی ترتیب و تبویب اور طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں جناب پروفیسر محمد سعید شیخ ایم ۔ اے (ناظم ادارۂ ثقافت پاکستان ، لاہور) اور جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب (صدر شعبہ اُردو ، اورینٹل کالج ، لاہور) کا بیحد مشکور ہوں ۔ ہر دو اصحاب نے مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور اس کتاب کے بعض حصوں کو سہ ماہی جریدہ "اقبال" اور ماہنامہ "المعارف" میں شائع کر کے کلاہ درویش میں طرہ امتیاز لگایا ۔ دعا ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسے علم دوست اور علم پرور اصحاب کو ہمیشہ شاد اور آباد رکھے ۔ آمین ۔

نذیر احمد

۶۴۹ این ۔ سمن آباد ، لاہور

۵ اکتوبر ۱۹۷۳ء

تعارف

از قلم ڈاکٹر وحید قریشی ، ایم اے ، پی ایچ ڈی ، ڈی لٹ ،
صدر شعبہ اردو ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

"تشبیہات اقبال" پروفیسر نذیر احمد چوہدری کی تیسری علمی کتاب ہے ۔ شعبۂ تعلیم سے متعلق ہونے کے سبب وہ اس سے قبل کئی درسی اور نیم درسی کتب کے مصنف و مولف رہ چکے ہیں ۔ ہمارے ملک میں بہت کم اساتذہ ایسے ہیں جو درسی کتب کی سرحد پار کرکے ادب کی قلمرو میں داخل ہوئے ہوں ۔ اور درسی نقطۂ نظر اور انداز بیان نے ان کا پیچھا نہ کیا ہو ۔ عموماً درسی کتب کا لپکا کچھ ایسا پرکشش ہوتا ہے ۔ کہ معلم اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے ۔ چوہدری نذیر احمد نے افسون و سحر کی اس دنیا سے اپنے آپ کو نکال کر علمی اور ادبی موضوعات پر بھی لکھا ہے ۔ اور ایک ایسا میدان منتخب کیا ہے جس کے جاننے والے آج خال خال ہیں ۔ عربی ، فارسی اور اردو کی علمی میراث کی باز یافت کا یہ عمل بظاہر گھاٹے کا سودا بھی ہے ۔ کہ اس کے قدر دان اور قدر شناس معدودے چند ہیں ۔ لیکن چوہدری صاحب نے جس لگن سے علم معانی ، علم بیان و بدیع کی تجدید و تشکیل اور ترویج و اشاعت پر کمر باندھی ہے اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے ۔ کہ یہ علوم ابھی ناپید نہیں ہوئے ۔ اور مستقبل میں ان کے احیاء و بقاء کا امکان موجود ہے ۔

دور سر سید سے اب تک جدید مغربی علوم کی چکا چوند نے کچھ اس طرح سے شعر و ادب کو مسخر کیا ہے کہ اس سے ادب و تنقید میں بعض دور رس تبدیلیاں ہوئیں ۔ اس ترقی کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن تقلید مغرب کی رو کچھ اتنی تند و تیز ہو گئی کہ ہم اپنے قدیم سرمائے سے ناواقف ہوتے چلے گئے ۔ اس عدم واقفیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادب کی جڑیں ماضی سے کٹ گئیں ۔ مغربی افکار کی یورش نے مہلت ہی نہ دی کہ ہم پیچھے مڑ کر دیکھ سکیں ۔ اس سے فکر و نظر کو جہاں بہت سے فائدے پہنچے ۔ وہاں بعض نقصان بھی اٹھانے پڑے ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ماضی ، حال اور مستقبل کو ایک زمانی تسلسل کے طور پر قبول کیا جاتا اور قدیم و جدید کے درمیانی خلا کو بھی پر کیا جاتا ۔ اس سے ادب کی نشو و نما قدرتی اور افکار و خیالات کی تعمیر و تشکیل فطری انداز میں ہوتی اور رد و قبول کا عمل قدیم ادبی اقدار کے حوالے سے ہوتا ۔ لیکن ہم نے مغربی افکار کی قلمیں زمین میں لگانے کی بجائے گملوں میں لگا دی ہیں ۔ اور ہم اس تسلسل سے محروم ہو گئے جو ادب کے لئے بمنزلہ اساس ہے ۔ اس محرومی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی افکار کی "جگالی" سے آگے بڑھنا ممکن نہ ہوا ۔ ہمارے ادبی سرمایے کا بہت تھوڑا حصہ اس قابل ہو گا کہ اسے مغرب کے فکری سرمایے کے مقابلے میں ایک زندہ اور فعال عنصر کے طور پر پیش کیا جا سکے ۔ مغرب نے یونانی علم و حکمت کو اپنی روایات کے مطالعے کی روشنی میں قبول کیا تھا ۔ اس لئے وہاں علم و حکمت کے خزائن میں بیش از بیش اضافے ہوتے رہے ۔ ہم نے مغربی افکار کو اپنا ماضی فراموش کر کے قبول کیا ۔ اس لئے فکر و نظر کا وہ انقلاب ہمیں میسر نہ آیا جس سے ہم مغرب کی ادبی روایات پر کوئی اہم اور قابل ذکر اضافہ کر پاتے ۔ ہم نے فکر کی بنیاد حقائق کی نفی پر رکھی

تھی ۔ اس کی سزا یہ ملی کہ ہم مغرب کے ادبی سرمایے کے بہت اچھے شارح اور مبلغ تو ہو گئے لیکن اسے اپنی ہڈیوں میں نہ رچا سکے ۔

چودھری نذیر احمد ادب کے اس خلا کو پر کرنے پر کمربستہ ہیں ۔ فارسی اور انگریزی دونو زبانوں کے ادب سے گہری واقفیت رکھتے ہیں ۔ اس لئے اردو زبان و ادب کے مزاج کو اسی حوالے سے جانتے اور پہچانتے ہیں ۔ قدیم و جدید کے اس دو راہے پر انہوں نے اردو ادب کی خدمت کا بیج بویا ہے ۔ قرآن اور علوم قرآن سے شیفتگی ، فارسی کے علمی سرمایے سے گہرے تعلق اور انگریزی زبان و ادبیات کے مطالعے کی مدد سے وہ اردو میں ان علوم کو زندہ کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ اردو کے دور حاضر کے قاری اور ادیب کو ان کی مدد سے نئی بصیرت اور آگاہی دے سکیں ۔ قدیم ادب میں منطق (استقرائی و استخراجی) معانی ، بیان ، بدیع ، عروض ، تاریخ گوئی ، وہ چند علوم ہیں جن سے ادبی اقدار کے سوتے پھوٹے تھے ۔ ان سرچشموں کی بازیافت کے بغیر ادبی روایات کی باز آفرینی ممکن نہیں ۔ چودھری صاحب نے حساب جمل کو موضوع نہیں بنایا کہ اس کا فائدہ علوم جدیدہ کے سیاق و سباق میں کچھ زیادہ نہ ہوتا ۔ لیکن معانی و بیان و بدیع اردو میں جدید (Rhetoric) کی تشکیل کا امکان خارج از بحث نہیں ۔

چودھری صاحب نے غالب اور اقبال کے صنایع بدایع پر بھی دو کتابیں شائع کی ہیں ۔ ان میں عام قاری کے لئے اس بات کا التزام بھی کیا ہے کہ ابتدائی ابواب میں صنایع بدایع کی تعریف و توضیح کر دی ہے ۔ تا کہ موضوع کی تفصیلات کے سمجھنے میں آسانی ہو اور آج کا قاری علمی مباحث کی خشکی سے ہراساں ہو کر ان کتابوں کے بنیادی مطالب سے

صرف نظر نہ کر جائے ۔ معلم کی حیثیت سے وہ دور حاضر کے قاری کی علوم قدیمہ سے نا آگاہی کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ۔ اس لئے وہ علوم کی مبادیات کو اپنی تصانیف کے آغاز میں کسی قدر تفصیل سے ضرور بیان کرتے ہیں ۔ تشبیہات اقبال کا ابتدائی باب بھی عصر حاضر کے قاری کو تشبیہات کے بارے میں وافر معلومات مہیا کرتا ہے ۔ چودھری صاحب نے جدید دور کے قاری کی مشکلات کے پیش نظر تشبیہ کی تعریف ، اقسام اور اجزاء کو شرح و بسط سے مختلف مثالیں دے دے کر واضح کیا ہے ۔ یہاں ان کی درسی حس بہت کام آئی ہے ۔ لیکن وہ مدرس کی سطح پر مطمئن ہو کر نہیں رہ گئے ۔ انہوں نے علم بیان کی اس اہم شاخ کو جدید دور کے حوالے سے سمجھنے کی سعی کی ہے ۔

ہمارے قدیم علمائے معانی و بیان منطقی تشریح کر کے قانع ہو جاتے تھے اور اس علم کا جو رشتہ زبان کی ”لسانی تشکیلات،، سے تھا ۔ اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے ۔ اسی طرح زبان کا جو رشتہ قاری سے ہے اس کا ادراک بھی خاصا مبہم تھا ۔ چودھری صاحب نے قدیم علمائے فن کے ان ادھورے پہلوؤں کو بھی پورا کیا ہے ۔ تشبیہات کے حسی اور تلازماتی پہلوؤں کو بیان کر کے علم بیان کی تدوین جدید کا امکان بھی روشن کیا ہے ۔ اور تشبیہات اقبال کے طول طویل سلسلوں میں

تشبیہ کے اس عمل کی نشان دہی بھی کی ہے کہ تشبیہات کا بنیادی تعلق اقبال کے افکار کے ساتھ کیا تھا ۔ وہ علمائے فن کی طرح تشبیہات کی محض ”دستہ بندی،، نہیں کرتے ۔ بلکہ فکر و احساس کے وہ نازک سلسلے بھی سامنے لاتے ہیں جن کی خاطر اقبال کی تحریک شعری نے ان تشبیہات کو تخلیق کیا تھا ۔ تشبیہات کے اس تلازماتی اور حسی پہلو کی وضاحت

نظریاتی سطح پر باب اول میں کی گئی ہے اور کتاب کے تار و پود میں مناسب مقامات پر اس کی مثالیں بکثرت پیش کی گئی ہیں ۔

میری رائے میں اس کتاب کی اہمیت فقط اس لئے نہیں کہ اس میں کلام اقبال کے تشبیہی پہلو کو خالص میکانکی سانچوں کی مدد سے پیش کیا گیا ہے ۔ اگر یہی بات اہم ہو تو اس سے یہ تاثر بخوبی پیدا ہو سکتا تھا کہ اقبال کے جذباتی اور فکری رویوں کو شاعرانہ عمل کے طور پر پیش کرنے کی بجائے لاتعداد تشبیہات کی ڈکشنری تخلیق کی گئی ہے ۔ اگر کتاب کا بنیادی تاثر یہ ہوتا تو مجھے شدید دکھ ہوتا کیونکہ شعری عمل میں کوئی شاعر بھی تشبیہات شعوری طور پر گھڑ کر پیش نہیں کرتا ۔ تشبیہ تو انسانی احساسات و افکار کے اظہار کا ایک فطری طریقہ ہے ۔ اور اقبال سے زیادہ اس نکتے کو کون جانتا ہوگا ۔ علمائے معانی و بیان کا تشبیہات و استعارات کو زیور قرار دینا ایسا مغالطہ تھا جس سے زبان کے فطری ذرائع کو شدید نقصان پہنچا ۔ چودھری نذیر احمد علوم کی اس کوتاہی سے آگاہ ہیں اور تشکیل جدید میں قدیم نظام معانی و بیان کی اس خامی کو دور کرنا چاہتے ہیں ۔ اس لئے تشبیہات کی درجہ بندی میں انہوں نے قاری کو کسی بھی مقام پر یہ تاثر نہیں دیا کہ اقبال تشبیہات کو شعوری سطح پر میکانکی طریق کار کے طور پر قبول کرتے تھے ۔ اس خیال کا عملی ثبوت انہوں نے کتاب کے تین ابواب میں خاص طور پر دیا ہے ۔ اقبال کی فارسی ، ہندی اور قرآنی تشبیہات کی وضاحت میں بھی یہی خیال پیش نظر تھا ۔ یہاں وضع تشبیہات کے عمل کو افکار اقبال کے واسطے سے بیان کیا گیا ہے اور اقبال کی ذہنی نشو و نما کو ان کے فنی خصائص کے پس منظر کے ساتھ قاری کے سامنے لایا گیا ہے ۔

کتاب کا سب سے اہم باب ساتواں ہے جس میں اقبال کی اہم تشبیہات بیان ہوئی ہیں ۔ میری رائے میں اس باب کو چودھری صاحب کے کمال فن کی معراج کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ یہاں انہوں نے حسن خوبصورتی سے اقبال کی اہم تشبیہات کے فکری اور حسی رشتوں کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ وہ کچھ انہی کا حصہ ہے ۔

علم بیان کی داستان نامکمل رہے گی ۔ اگر چودھری صاحب نے اس کتاب کے بعد "استعارات اقبال" نہ لکھی ۔ میں توقع کرتا ہوں کہ اقبالیات کے مطالعے کے اس رخ کو مکمل کرنے کے لئے چودھری صاحب "استعارات" کو بھی موضوع بنائیں گے ۔ اس سے زبان کے مجازی استعمال کے جملہ ذرائع کا احاطہ بھی ہو جائے گا اور مستقبل کے نقاد کو استعارے سے Symbol تک اور صوتیات سے معانیات (Semantics) تک کے مختلف مراحل کے باہمی رشتوں کا سراغ بھی مل جائے گا ۔ ان مساعی سے علم معانی و بیان کی تشکیل جدید کی راہ بھی ہموار ہو جائے تو ادب کی یہ خدمت چودھری صاحب کے لئے خیر و برکت کا سبب ہوگی اور فکر اقبال کے لئے بھی یہ مطالعہ کئی نئی راہیں سجھا سکتا ہے ۔ میرے خیال میں فکر اقبال اور لسانی تشکیلات اقبال کے باہمی ارتباط کا بیان ابھی مزید توجہ کا محتاج ہے ۔ اگر آئندہ کے نقاد کے لئے یہ کتاب اس پہلو سے نئی بصیرت کا پیش خیمہ ہو جائے تو میں سمجھونگا کہ چودھری صاحب کی عمر بھر کی محنت ٹھکانے لگی ۔

آخر میں ، میں چودھری صاحب کو اس شاندار علمی کارنامے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔

وحید قریشی

۲۵ - ۱۲ - ۷۳

پہلا باب

تشبیہ کیا ہے ؟

خدا وند تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کو ''احسن تقویم'' کی خلعت عطا کر کے اسے دوسری تمام مخلوقات در فضلت اور برتری بخشی - جسمانی طاقت عطا کی - حواس خمسہ اور قوائے ذہنی مرحمت فرمائے - عقل و شعور بخشا اور اچھے یا برے ، مفید یا مضر اور حسن و قبح یا نیک و بد میں تمیز کرنے کا ملکہ ارزانی فرما کر اسے نیابت الٰہی اور خلافت ارضی کے قابل بنایا - اس موہبت کبریٰ پر انسان اس قادر مطلق اور خالق کائنات کا جس قدر بھی شکر ادا کرے کم ہے - انسان کے لئے علم کے ایسے دروازے وا کئے - اور اسے ''اسماء'' کی ایسی تعلیم دی - کہ فرشتے بھی اس کے آگے جھک گئے- اور ''سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا'' کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کرنے لگے - تمام کائنات انسانی عظمت کے گیت گانے لگی -

انسان کو حواس خمسہ عطا کئے گئے - حواس خمسہ کیا ہیں ؟ گویا علم حاصل کرنے کے لئے پانچ دروازے ہیں - ایک بچہ چیزوں کو دیکھتا ہے - ان کی آوازیں سنتا ہے - ان کو منہ میں ڈال کر چکھتا ہے - ان کو سونگھتا ہے- ان کو چھوتا ہے، دباتا ہے- اور اس طرح سے وہ چیزوں کے مختلف خواص سے آشنا ہوتا رہتا ہے - جوں جوں عمر کے ساتھ ساتھ اس کی اشیاء کو جاننے اور پہچاننے کی قوت نور آگاہی سے روشن ہوتی جاتی ہے -

وہ سمجھ جاتا ہے - کہ فلاں چیز سخت ہے اور فلاں نرم - فلاں چیز کڑوی ہے اور فلاں میٹھی - فلاں چیز دیکھنے میں دلکش ہے اور فلاں چیز بے روپ ہے - چھونے ، چکھنے اور دیکھنے کے بعد وہ سننے اور سونگھنے کی حس سے کام لینا شروع کر دیتا ہے - اور جب یہ حواس خمسہ ذرا اور تیز ہو جاتے ہیں - تو مشاہدہ کی قوت اس کو اچھی اور ڈراؤنی شکلوں میں تمیز کرنا سکھاتی ہے - اور اس کو رنگوں سے متعارف کرتی ہے - پھر وہ اسماء کی فریق بندی یا گروہ بندی کرنے لگتا ہے - فلاں فلاں چیزیں سفید رنگ رکھتی ہیں - فلاں فلاں سیاہ - سفیدی اور سیاہی کا علم ختم ہو جاتا ہے - تو نیلے ، پیلے ، سبز ، سرخ اور دوسرے رنگوں کی پہچان ہو جاتی ہے - اسی طرح آہستہ آہستہ بچے کو معلوم ہو جاتا ہے - کہ اس کے گرد و پیش کی اشیاء میں کون کونسی چیزیں سخت ہیں ، کون کونسی نرم - کونسی چیزیں کڑوی ہیں ، کونسی میٹھی - کن چیزوں کی آواز سے دل خوش ہوتا ہے اور کن آوازوں سے کان پھٹنے لگتے ہیں - کونسی چیزیں خوشبو دار ہیں اور کونسی چیزوں سے بدبو آتی ہے - کونسی چیزیں رنگ دار ہیں اور کونسی بیرنگ یا کونسی صورتیں ڈراؤنی ہیں اور کونسی دلکش -

اشیا کی گروہ بندی کے بعد تقابل و تضاد کی منزل آتی ہے - یعنی بچہ مختلف چیزوں کا باہمی مقابلہ کرتا ہے اور اس طرح مشابہ اور متضاد چیزوں کا ادراک حاصل کرتا ہے - جوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے - وہ چیزوں کے خواص کے متعلق بھی علم حاصل کرتا جاتا ہے - اور سن شعور تک پہنچتے پہنچتے وہ اشیاء کی حقیقت اور ان کے خواص کو جاننے کے ساتھ ساتھ ان کی افادیت کے متعلق بھی ایک واضح تصور قائم کر لیتا ہے -

تقابل و تضاد کا یہ ملکہ خدا داد ہے ۔ تعلم اور تجربہ اس ملکہ کو اور چمکاتا ہے اور انسان ساری عمر اس سے کام لیتا رہتا ہے ۔ تعارف اشیاء بالمثل یا بالاضداد ایک ایسا فطری ملکہ ہے ۔ جو ہر انسان کے اندر ، اس کے ظرف یا استعداد کے مطابق ، کم یا زیادہ موجود ہوتا ہے ۔ یہی وہ ملکہ ہے جو تخلیق ، اختراع یا ایجاد کی جان ہے ۔ اور اسی سے انسان ، زندگی کے مختلف مراتب اور مراحل میں ''جہان نو'' پیدا کرتا رہتا ہے ۔

کوئی سی دو چیزوں کے درمیان مماثلت یا مشابہت کو پا لینا اور اسے لفظوں میں بیان کرنا تشبیہ کہلاتا ہے ۔ مثلاً فلاں چیز برف کی طرح ٹھنڈی ہے (لامسہ) ۔ فلاں چیز دودھ کی مانند سفید ہے (باصرہ) ۔ فلاں چیز گلاب کی سی خوشبو رکھتی ہے (شامہ) ۔ فلاں شخص کی آواز میں شیر کی سی گرج ہے (سامعہ) ۔ فلاں چیز شہد کی مانند میٹھی ہے (ذائقہ) ۔ یہ سب تشبیہات ہیں ۔ جن کا ادراک ہمیں حواس خمسہ سے ہوا ۔ علم کے یہ پانچ دروازے ہمیں نت نئی تشبیہات سے روشناس کرتے رہتے ہیں ۔ حواس خمسہ کے ذریعے سے پیدا ہونے والی چند تشبیہات کو مندرجہ ذیل اشعار میں دیکھئے :۔

تشبیہات حسی :

(۱) تشبیہ حسی متعلق بہ باصرہ :

سرو سا قد ، تو گل سے رخسارے
شانے بازو ، بھرے بھرے سارے

قوت باصرہ نے محبوب کے قد اورسرو میں مشابہت دیکھی۔ پھر اس کو محبوب کے رخسار پھول کی مانند نظر آئے ۔ تو قد کو سرو سے اور رخسار کو پھول سے تشبیہ دی ۔

(۲) تشبیہ حسی متعلق بہ سامعہ :۔

نوبت ہے صدائے قمریاں کی
تیاری ہے باغ میں اذاں کی

اذان سنی ہوئی تھی ۔ جب قمریوں کی صدا کو سنا ۔ تو اذان سے اس کی مماثلت کو جانا ۔ اور صدائے قمریاں کو اذان سے تشبیہ دی ۔

(۳) تشبیہ حسی متعلق بہ قوت شامہ :۔

لگایا میں نے جو شب زلف پر شکن میں ہاتھ
شمیم مشک لگی ، گلشن ختن میں ہاتھ

زلف کی خوشبو کو مشک ختن سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

(۴) تشبیہ حسی متعلق بہ ذائقہ :۔

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی بھر پیئیں تو مزہ دے شراب کا

پانی کے مزے کو شراب کے مزے سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

(۵) تشبیہ حسی متعلق بہ لامسہ :۔

پیٹ نرمی سے صورت مخمل
صاف مانند تختۂ صندل

پیٹ کو نرمی کی وجہ سے مخمل اور صفائی کی وجہ سے تختۂ صندل سے تشبیہ دی ہے۔

اب ہم کلام اقبال میں سے ان تشبیہات کو اسی ترتیب سے پیش کرتے ہیں تاکہ مدرک بحواس تشبیہات کی آسان اور سیدھی سادی صورت اور دلنشیں ہو جائے

(۱) تشبیہ حسی متعلق بہ باصرہ :۔

برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

(بال جبریل صفحہ ۴۸)

شبنم کے قطرے کو موتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ شبنم اور موتی دونوں میں مشابہت تلاش کرنے کا کام قوت باصرہ نے سر انجام دیا۔

(۲) تشبیہ حسی متعلق بہ سامعہ :۔

مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی
کہ بانگ صور سرافیل، دلنواز نہیں (بال جبریل ص ۵۹)

نوا کو بانگ صور سرافیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نوائے شاعر اور بانگ صور سرافیل دونو کا تعلق قوت سامعہ سے ہے۔

(۳) تشبیہ حسی متلق بہ شامہ :۔

تیرے احسان کا نسیم صبح کو اقرار تھا
باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطار تھا (گل پژ مردہ)

باغ کو خوشبو کی وجہ سے "طبلۂ عطار" سے تشبیہ دی گئی ہے۔ خوشبو کا تعلق شامہ سے ہے۔

(۴) تشبیہ حسی متعلق بہ ذائقہ :-

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

(بال جبریل صفحہ ۱۶۳)

"تلخ زندگانی" انگبیں کی مانند ہو جاتا ہے ۔۔۔ اور تلخی و شیرینی کا تعلق قوت ذائقہ سے ہے ۔

(۵) تشبیہ حسی متعلق بہ لامسہ :-

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

(بال جبریل صفحہ ۱۶)

زمستانی ہوا کی تیزی کو شمشیر کی تیزی سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ سردیوں کی سخت سرد ہوا جسم کو یوں کاٹتی تھی ۔ گویا کہ وہ ایک تلوار ہے ۔ اور یہ احساس لامسہ کا مرہون منت ہے ۔

اوپر کی تمام مثالوں میں دو دو چیزوں میں باہمی مشابہت یا مماثلت بیان کی گئی ہے ۔ اور مقصد اس مشابہت سے پہلی چیز کی زیادہ وضاحت ہے ۔ محبوب کے قد کی رعنائی یا دلکشی کی وضاحت کرنا چاہی تو اسے سرو کی مانند قرار دیا ۔ رخساروں کی نرمی ، نزاکت اور خوشبو وغیرہ اوصاف کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ان کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دی ۔ قمریوں کی آواز کی دلفریبی اور دلنشینی کی وضاحت کے لئے اسے آوازۂ اذاں کی مانند ٹھہرایا ۔ زلف کی خوشبو کو مشک ختن کہہ کر زیادہ واضح کیا ۔ پانی کے مزے کو شراب کے مزے سے اس لئے تشبیہ

دی ۔ کہ وہ خاص دانی دماس بھی بجھاتا ہے اور سراب کی مانند نشہ آور بھی ہے ۔ پیٹ کی نرمی اور صفائی کی وضاحت کرنے کے لئے اسے مخمل اور تختہ صندل سے تشبیہ دی گئی ۔

اسی طرح دوسری مثالوں میں جو کلام اقبال سے دی گئی ہیں ۔ ایک چیز کی وضاحت کے لئے اسے کسی دوسری چیز سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ شبنم کے قطرے کی خوبصورتی ، صفائی ، گولائی اور آب و تاب ظاہر کرنے کے لئے اسے ایک موتی سے تشبیہ دی گئی ۔ شاعر کی نوا کی تلخی کو واضح کرنے کے لئے اسے بانگ صور سرافیل کے مشابہ ٹھہرایا ۔ باغ کی خوشبوؤں کی زیادتی واضح کرنے کے لئے باغ کو طبلۂ عطار کی مانند قرار دیا ۔ پھر کہا گیا کہ سخت کوشی سے تلخ زندگانی بھی انگبیں بن جاتی ہے ۔ زمستانی ہوا کی تیزی اور کاٹ کو شمشیر کی تیزی اور کاٹ سے تشبیہ دے کر سرد ہوا کی شدت کو زیادہ واضح کیا گیا ہے ۔

تشبیہ کی تعریف :

ان مثالوں کی روشنی میں ہم تشبیہ کی تعریف یوں کریں گے ۔ کہ ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے مشابہ یا مانند بیان کرنا اس طرح سے کہ اس سے پہلی چیز یا اس کی کوئی صفت زیادہ واضح ہو جائے تشبیہ کہلاتا ہے ۔ تشبیہ لغوی معنوں میں دلالت ہے اس بات پر کہ ایک شے دوسری شے کے ساتھ ایک معنی میں شریک ہے ۔ اور علم بیان کی اصطلاح میں تشبیہ سے مراد دلالت ہے دو چیزوں کی جو یوں تو جدا جدا ہوں ۔ مگر ایک معنی میں شریک ہوں ۔ اس طرح پر کہ بطور استعارے کے نہ ہوں اور نہ ہی بطور تجرید کے ۔

طرفین تشبیہ و وجہ شبہ و حروف تشبیہ :

جس چیز کی وضاحت کرنے کے لئے اسے کسی اور چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ اسے ''مشبہ'' کہتے ہیں ۔ اور جس چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ اسے ''مشبہ بہ'' ۔ جس صفت یا جس معنی میں مشبہ اور مشبہ بہ (طرفین تشبیہ) شریک ہوتے ہیں ۔ وہ وجہ شبہ یا وجہ تشبیہ کہلاتی ہے ۔ اور بعض حروف (یا الفاظ) ایسے ہیں جو تشبیہ کے عمل کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ اُن کو حروف تشبیہ کہتے ہیں ۔ مندرجہ ذیل مثالوں سے یہ چاروں ارکان تشبیہ زیادہ واضح ہو جائیں گے ۔

(۱) پیٹ نرمی سے صورت مخمل
صاف مانند تختۂ صندل

پہلا مصرع : پیٹ مشبہ ، مخمل مشبہ بہ ، نرمی وجہ شبہ ، صورت حرف تشبیہ
دوسرا مصرع : پیٹ مشبہ ، تختۂ صندل مشبہ بہ ، صفائی وجہ شبہ ، مانند حرف تشبیہ ۔

اس تشبیہ میں طرفین تشبیہ واحد ہیں اور مفرد ہیں ۔ اور تشبیہ کے چاروں ارکان کا ذکر ہے ۔ اس لئے اس تشبیہ کو ہم تشبیہ واحد اور تشبیہ مفرد کہیں گے ۔ اور اس وجہ سے کہ اس تشبیہ میں وجہ تشبیہ اور حروف تشبیہ کا بھی ذکر ہے ۔ اسے تشبیہ مفصل کہیں گے ۔

(۲) ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز (جواب خضر)

لہو مشبہ ہے ۔ آب مشبہ بہ ہے ۔ ارزانی وجہ تشبیہ ہے اور مانند حرف تشبیہ ہے اس تشبیہ میں ''لہو'' مقید یا مشروط ہے ۔ یعنی مسلماں کا لہو ۔ دیگر ارکان پہلی مثالوں کی مانند ہیں ۔

(۳) جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا سمع جل رہی ہے بھولوں کی انجمن میں (جگنو)

جگنو کی روشنی مشبہ ہے ۔ شمع مشبہ‌بہ ہے ۔ روشنی وجہ شبہ ہے اور یا حرف تشبیہ ہے ۔

(۴) پنہاں زرہ میں ہوتی تھی اس طرح سے سناں
بجلی چمک کے ہوتی ہے جوں ابر میں نہاں

یہ تشبیہ مفرد نہیں مرکب ہے ۔ سناں اور زرہ دو مشبہ ۔ اور بجلی اور ابر دو مشبہ‌بہ ہیں ۔ پنہاں یا نہاں ہونا وجہ شبہ ہے اور ''جوں'' اور ''اس طرح'' حروف تشبیہ ہیں ۔ یہ تشبیہ عمدہ اور اعلیٰ تشبیہات میں سے ایک ہے ۔ سناں کا دشمن کی زرہ میں تیزی سے پنہاں ہونا ایسا ہی ہے ۔ جیسا کہ بجلی تیزی سے چمکتی ہے اور آناً فاناً پھر بادل میں چھپ جاتی ہے ۔ اس تشبیہ میں وجہ شبہ بھی مرکب ہے ۔ یعنی تیزی سے چمکنا اور نہاں ہونا ۔ مرکب تشبیہ کو مفرد تشبیہ پر ہمیشہ سے برتری حاصل ہے ۔

(۵) پتیاں گرتی ہیں پھولوں کی خزاں میں اس طرح
دست طفل خفتہ سے رنگین کھلونے جس طرح
(گورستان شاہی)

اقبال کی یہ تشبیہ بھی مرکب ہے ۔ اور کئی فنی اور معنوی خوبیوں کی حامل ہے ۔ یہ نادر اور اچھوتی تشبیہ اقبال کی تخلیقات میں سے ہے ۔ اس میں پھولوں کی پتیاں مشبہ ہیں ۔ رنگین کھلونے مشبہ بہ ہیں ۔ خزاں اور دست طفل خفتہ میں بھی مشبہ اور مشبہ‌بہ کی مناسبت ہے ۔

گرنا وجہ شبہ ہے ''اس طرح،، اور ''جس طرح،، حروف تشبیہ ہیں - یہ تشبیہ تشبیہ تام ہے - اور اردو شاعری میں اس کی مثال نہیں ملتی -

اب تک جتنی مثالیں ہم نے پیش کی ہیں - ان میں مشبہ اور مشبہ بہ مدرک بحواس ہیں - یہ سب حسی تشبیہات کہلاتی ہیں - آخری دو مثالیں مرکب تشبیہ کی ہیں - اور پہلی مفرد تشبیہات ہیں - پھر ان تشبیہات میں مشبہ ، مشبہ بہ ، وجہ تشبیہ اور حروف تشبیہ چاروں مذکور ہیں - لیکن یہ ضروری نہیں ہے - کہ تشبیہ میں ہمیشہ چاروں ارکان تشبیہ کا ذکر کیا جائے - بلکہ چاروں ارکان تشبیہ کا مذکور ہونا تشبیہ کو سادہ اور عام فہم بنا دیتا ہے - اور اس کے ساتھ اگر طرفین تشبیہ مفرد یا واحد ہوں - اور وجہ شبہ بھی واحد حسی ہو تو تشبیہ فصاحت کے پایہ سے گر جاتی ہے - عمدہ اور اعلیٰ تشبیہ کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ ذرا تامل کے بعد اس کا ادراک ہو - اس صورت کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے فصحاء اور بلغاء نے جائز بلکہ ضروری سمجھا ہے کہ تشبیہات میں کبھی وجہ تشبیہ مذکور نہ ہو - کبھی حرف تشبیہ کا ذکر نہ کیا جائے - اور کبھی یہ دونوں محذوف ہوں اور پڑھنے یا سننے والا وجہ تشبیہ یا حرف تشبیہ یا ان دونو کا ادراک خود حاصل کرے - لیکن یہ نہایت ضروری بات ہے - کہ طرفین تشبیہ یعنی مشبہ اور مشبہ بہ ضرور مذکور ہونے چاہیئں - اگر طرفین تشبیہ میں سے کوئی ایک ، مشبہ یا مشبہ بہ مذکور نہ ہو گا - تو تشبیہ تشبیہ نہیں ہو گی - استعارہ بن جائے گی -

حرف تشبیہ :

تشبیہ کی دوسری صورتوں کا بیان کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے - کہ حرف تشبیہ کا مجمل سا ذکر کیا جائے - تاکہ ارکان تشبیہ

زیادہ واضح ہو جائیں ۔ حروف تشبیہ کو اداہ تشبیہ بھی کہتے ہیں ۔ اداۃ لغت میں آنے کو کہتے ہیں ۔ علم بیان کی اس اصطلاح سے مراد وہ الفاظ ہیں جو ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہ کرنے کا واسطہ بنتے ہیں ۔ یہ الفاظ خواہ اسم ہوں یا فعل یا حرف ۔ اداہ تشبیہ یا حروف تشبیہ اردو میں مندرجہ ذیل ہیں ۔

سا ۔ سے ۔ سی ۔ جیسا ۔ جیسے ۔ جیسی ۔ طرح ۔ اس طرح ۔ جس طرح یوں ۔ گویا ۔ بسان ۔ برنگ ۔ وار ۔ آسا ۔ مثل ۔ یا ۔ یونہیں ۔ مانند ۔ مانا نظیر ۔ صفت ۔ صورت ۔ وش ۔ مشابہ ۔ تمثال ۔ عدیل ۔ مثیل ۔ شکل ۔ روش ۔ نمط ۔ رشک ۔ غیرت ۔ ہم سر ۔ ہم چشم ۔ کہ ۔ کم نہیں ۔ منسوب ۔ وغیرہ (۱) ۔

علامہ اقبال نے جن حروف تشبیہ کو زیادہ استعمال کیا ہے ۔ ان کی مثالیں درج ذیل ہیں ۔

(۱) جیسے ۔ ہے رواں نجم سحر جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جائے کوئی عابد شب زندہ دار (نمود صبح)

(۲) ایسی ۔ نہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی
(فاطمہ بنت عبداللہ)

(۳) سا ۔ لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو (ایک آرزو)

۱ ۔ مذکورہ بالا حروف تشبیہ کی تقریباً تمام مثالیں بحرالفصاحت (محمد نجم الغنی) میں درج ہیں ۔ تفصیل کے شوقین حضرات اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں

(۴) سی ۔ زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے
دئے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے (ماں کا خواب)

(۵) صورت ۔ میں صورت گل دست صبا کا نہیں محتاج
کرتا ہے مرا جوش جنوں میری قبا چاک (بال جبریل)

(۶) صف ۔ یک ہیں تری نظر صفت عاشقان راز
میری نگاہ مایۂ آشوب امتیاز (شمع)

(۷) طرح ۔ محفل ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہسار (مرزا غالب)

(۸) رشک ۔ پابندیٔ احکام شریعت میں ہے کیسا
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہمدانی (زہد اور رندی)

(۹) مثال ۔ ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثال جام جم
(سید کی لوح تربت)

(۱۰) گویا ۔ قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم (شاعر)

(۱۱) مثل ۔ یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
مجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجو رہنا (تصویر درد)

(۱۲) مانند ۔ ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جان و جان جاں مجھ کو
(التجائے مسافر)

(۱۳) وار۔ میں جوش اضطراب سے سیماب وار بھی
آگاہ اضطراب دل بے قرار بھی (شمع)

(۱۴) یا۔ جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں (جگنو)

(۱۵) یونہیں۔ جہاز زندگی آدمی رواں ہے یونہیں
ابد کے بحر میں پیدا یونہیں نہاں ہے یونہیں (کنار راوی)

(۱۶) غیرت۔ خار حسرت غیرت نوک سناں ہونے لگا
یوسف غم زینت بازار جاں ہونے لگا (نالۂ یتیم)

یہی ، اثبات یا سوال و جواب کی صورت میں کلمہ ربط یا فعل ناقص ہی حروف تشبیہ کا کام دیتے ہیں ۔ مثلاً

(۱) میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا سیماب تھا
ارتکاب جرم الفت کے لئے بیتاب تھا (وصال)

دل مضطر نہیں تھا ۔ بلکہ سیماب تھا ۔ دوسرے لفظوں میں دل مضطر سیماب وار بےقرار تھا ۔ یعنی دل مضطر کو سیماب سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

(۲) سادہ و پر سوز ہے دختر دہقاں کا گیت
کشتی دل کے لئے سیل ہے عہد شباب (بال جبریل)

عہد شباب سیل ہے ۔ یعنی سیل کی مانند ہے ۔ کشتی دل میں اضافت تشبیہ ہے ۔ یعنی دل جو ایک کشتی کی مانند ہے ۔ عہد شباب اس کے لئے ایک سیلاب کی مانند ہے ۔

(۳) خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے؟ چراغ رہگزر ہے (بال جبریل)

دوسرے مصرع میں سوال ہے - کہ خرد کیا چیز کہا؟ پھر جواب ہے کہ خرد چراغ رہگزر کی مانند ہے -

اضافت تشبیہ فارسی میں کسرہ (زیر) ہے - اور اردو میں کا - کے - کی - وغیرہ ہے مثالیں دیکھئے :

(۴) موج غم پر رقص کرتا ہے حباب زندگی
ہے الم کا سورہ بھی جزو کتاب زندگی (فلسفہ غم)

موج غم میں اور حباب زندگی میں اضافت تشبیہی ہے - غم کو دریا یا سمندر کی موج سے اور زندگی کو ایک بلبلے سے تشبیہ دی گئی ہے -

(۵) عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے
عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے (فسلفہ غم)

"عشق کا خورشید" سے مراد یہ ہے - کہ عشق کو خورشید سے تشبیہ دی گئی ہے - عشق ایک ایسے خورشید کی مانند ہے - جو شام کو غروب نہیں ہو جاتا - شام اجل اس کے آگے ہیچ ہے - وہ سوز زندگی ہے اور تا ابد پائندہ رہتا ہے -

اضافت تشبیہ :

تشبیہ کی جو چار صورتیں بیان کی گئی ہیں - وہ مشبہ ، مشبہ‌بہ ، وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ سے تعلق رکھتی ہیں - وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ

دونو میں سے کوئی ایک یا دونو تشبیہ میں مذکور ہوں یا نہ ہوں - تشبیہ قایم رہتی ہے - لیکن تشبیہ کے لئے مشبہ اور مشبہ بہ کا مذکور ہونا نہایت اہم ہے - تشبیہ میں طرفین تشبیہ کا مذکور ہونا تشبیہ کی ایک لازمی شرط ہے -

چوتھی قسم - تشبیہ کی ایک صورت اور بھی ہے - اور وہ یہ ہے کہ مشبہ بہ کو مشبہ کا مضاف بنا لیتے ہیں - یعنی مشبہ بہ کو اضافت کے ساتھ مشبہ سے مربوط کر لیتے ہیں - مثلاً ابرو چوں کمان کو کمان ابرو --- عارض چوں گل کو گل عارض - قد ہمچو سرو کو سرو قد - دندان ہمچو در کو در دندان کا مرکب اضافی بنا لیتے ہیں - ایسی اضافت کو جو مشبہ اور مشبہ بہ کو مربوط کرتی ہے --- اضافت تشبیہ کہتے ہیں - اضافت تشبیہ حرف تشبیہ کا کام دیتی ہے - اس اضافت کے ہوتے ہوئے حرف تشبیہ کی ضرورت نہیں رہتی - اس تشبیہ میں وجہ تشبیہ بھی مذکور نہیں ہوتی - یہ تشبیہ مشبہ ، مشبہ بہ اور اضافت تشبیہ پر مشتمل ہوتی ہے -

یہ تشبیہ فارسی زبان کے ساتھ مختص تھی - اور فارسی کے ساتھ ہی ہندوستان میں آئی اور اردو زبان میں شامل ہو گئی - اب اردو میں دو طرح سے جلوہ گر ہیں - ایک تو اپنے اصلی روپ یعنی اضافت تشبیہ کے ساتھ - مثلاً

ذوق - در دندان نہ دکھا بزم میں تو ہنس ہنس کر
جاٹ جائے کوئی ہیرے کی کنی خوب نہیں

یا سودا - ہم اپنے مار گیسو کو مرے لب سے لگا دیکھو
ہزاروں سانپ کاٹیں پھر اثر ہووے تو میں جانوں

یا ذوق ۔ اُس لعل لب کے ہم نے لئے بوسے اس قدر
سب اُڑ گئی مسی کی دھڑی دو گھڑی کے بعد

یا وزیر ۔ ہوں وہ بلبل جو کرے ذبح خفا تو ہو کر
روح میری گل عارض میں رہے بو ہو کر

یا میر ۔ کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائی کی

ان اشعار میں در دنداں ، مار گیسو ، لعل لب ، گل عارض اور کاسۂ چشم میں اضافت تشبیہ ہے ۔ یعنی دنداں ہمچو در ، گیسو مانند مار ، لب چوں لعل ، عارض ہمچو گل اور چشم مثل کاسۂ کی تشبیہات ہیں ۔ اسی طرح سے تیر نظر ، تیر نگاہ ، تیغ ابرو ، کمان ابرو ، ہلال ابرو ، محراب ابرو ، زنجیر زلف ، سلسلۂ زلف ، مار زلف ، حلقہ زلف ، دام زلف وغیرہ وغیرہ بے شمار مشبہ اور مشبہ بہ اضافت تشبیہ کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں ۔

یہ اضافت تشبیہ کی فارسی زبان میں ایک صورت تھی ۔ جو اپنی اصلی حالت میں قائم رہی ۔ اور اردو زبان نے فارسی کی بے شمار دوسری ترکیبوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی اپنی آغوش میں جگہ دی ۔ اور اس نے قبولیت عامہ حاصل کر لی ۔

دوسری صورت میں اسی مرکب کا اردو میں ترجمہ ہے ۔ اور کا ۔ کے ۔ کی وغیرہ بطور حرف تشبیہ کے استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً

(۱) صہبائی ۔ رام ہوتا نہیں فسوں سے بھی
وہ ہے کافر تمہاری زلف کا مار

مار زلف کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے ۔

(۲) سودا ۔ ساقی چمن میں چھوڑ کر مجھ کو کدھر چلا گیا
پیمانہ میری عمر کا ظالم تو بھر چلا

پیمانۂ عمر کا اردو ترجمہ ہے ۔

(۳) میر ۔ کھلنے میں ترے منہ کی کلی پھاڑے گریباں
آگے ترے رخسار کے گلبرگ تر آوے

غنچۂ دہن کا ترجمہ منہ کی کلی ہے ۔ منہ کو کلی سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

(۴) سودا ۔ قاصد رسک آ کے خبر کر گیا
قتل کوئی دل کا نگر کر گیا

دل کا نگر ---- دل کو ایک نگر سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ کا حرف اضافت ہے ۔

(۵) ساہ مبارک آبرو ۔ عارض کے آئنہ پر تمنا کے سبز خط ہے
طوطی اگر جو دیکھے گلزار بھول جاوے

عارض کا آئنہ ---- عارض مشبہ ہے ۔ آئنہ مشبہ بہ اور کا حرف تشبیہ ۔
اب کلام اقبال میں تشبیہ کی ان دونوں صورتوں کو دیکھئے : ۔

(ا) اضافت تشبیہ (اصلی صورت میں) :

(۱) زبان برگ ۔ یوں زبان برگ سے گویا ہے اس کی خامشی
دست گلچیں کی جھٹک میں نے کبھی دیکھی نہیں (ہمالہ)

(۲) بزم ہستی ۔ زیب محفل ہے شریک شورش محفل نہیں
یہ فراغت بزم ہستی میں مجھے حاصل نہیں (گل رنگیں)

(۳) محفل ہستی۔ محفل ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہسار (مرزا غالب)

(۴) حمن ہست بود ۔ آئی نئی ہوا حمن ہست و بود
اے درد عشق اب نہیں لذت نمود میں (درد عشق)

(۵) سینۂ دل ۔ ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثال جام جم
(سید کی لوح تربت)

(٦) ساغر دیدہ ۔ لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
ساغر دیدۂ پرنم سے چھلک ہی جاؤں
(صبح کا ستارہ)

(۷) صیاد اجل۔ آرزو کو خون رلواتی ہے بیداد اجل
مارتا ہے تیر تاریکی میں صیاد اجل (داغ)

(۸) جہاز زندگی۔ جہاز زندگیٔ آدمی رواں ہے یونہیں
ابد کے بحر میں پیدا یونہیں نہاں ہے یونہیں (کنار راوی)

(۹) زبان قلم ۔ مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو
(التجائے مسافر)

(۱۰) دامن ابر اور توسن ابر ۔

نہاں ہوا جو رخ مہر زیر دامن ابر
ہوائے سرد بھی آئی سوار توسن ابر (ابر)

(ب) اضافت تشبیہ (اردو ترجمہ کی صورت میں)

(۱) روح کا طائر۔ اے کہ تیرا مرغ جاں تار نفس میں ہے اسیر
اے کہ تیری روح کا طائر قفس میں ہے اسیر
(سید کی لوح تربت)

روح کو دراصل ایک طائر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۲) گرداب کی بالیاں۔

سیر کرتا ہوا جس دم لب جو آتا ہوں
بالیاں نہر کو گرداب کی پہناتا ہوں (ابر کوہسار)

گرداب کو بالیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۳) دل کی کلی۔ شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول بن جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے
(التجائے مسافر)

دل کو ایک کلی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۴) نگاہوں کے تیر۔

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں (بال جبریل)

نگاہ کو تیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ ہمارے شعراء کے کلام میں کثرت سے آتی ہے۔ لیکن کلام اقبال میں صرف یہی ایک مثال میری نظر سے گزری ہے۔

(۵) صحرا کی حور۔ مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حور ہے تو (بال جبریل)

کھجور کے درخت کو حور سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۶) عشق کی آگ۔ بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (بال جبریل)

عشق کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ بہت قدیم تشبیہ ہے۔
العشق نار یحرق ما سوی اللہ۔

(۷) زندگی کی کلی۔ کبھی ساخ ہستی کو لگتے تھے پتے
کبھی زندگی کی کلی پھوٹتی تھی (عشق اور موت)

زندگی کو کلی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۸) شبنم کے آنسو۔

لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا
(پرندے کی فریاد)

شبنم کو آنسوؤں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۹) اشکوں کے ہار۔

جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار (ماں کا خواب)

مسلسل قطرات اشک کو ہار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۱۰) لالے کا جام۔

خالی شراب عشق سے لالے کا جام ہو
پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو (درد عشق)

گل لالہ کو جام سے تشبیہ دی ہے ۔ اضافت تشبیہ کی دونو صورتوں کی وضاحت کے لئے انہی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

تشبیہ کی مختلف صورتیں :

تشبیہ کا تعلق جب کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ، چار ارکان سے ہے ۔ (۱) مشبہ (۲) مشبہ بہ (۳) وجہ شبہ یا وجہ تشبیہ اور (۴) حرف تشبیہ ۔ ان میں سے دو ارکان یعنی مشبہ اور مشبہ بہ ایسے اہم ہیں کہ تشبیہ ان کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی ۔ اگر ان دو ارکان میں سے کسی ایک کا ذکر نہ کیا گیا ہو ۔ تو وہ تشبیہ نہیں رہتی ۔ تشبیہ تبھی تشبیہ کہلائے گی ۔ جب اس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونو مذکور ہوں ۔ البتہ وجہ شبہ یا حرف تشبیہ میں سے کسی ایک کو یا دونو کو حذف کیا جاسکتا ہے ۔ اس طرح سے تشبیہ کی مندرجہ ذیل چار صورتیں بن جاتی ہیں ۔

(ا) ایسی تشبیہ جس میں چاروں ارکان (مشبہ ، مشبہ بہ ، وجہ تشبیہ ، اور حرف تشبیہ) کا ذکر کیا گیا ہو ۔ اصطلاح میں اسے تشبیہ مطلق یا مفصل کہتے ہیں ۔

(ب) ایسی تشبیہ جس میں مشبہ ، مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ کا ذکر ہو اور حرف تشبیہ مذکور نہ ہو ۔ اسے تشبیہ موکد کہتے ہیں ۔

(ج) ایسی تشبیہ جس میں مشبہ ، مشبہ بہ اور حرف تشبیہ مذکور ہو اور وجہ تشبیہ مذکور نہ ہو ۔ اصطلاح میں اسے تشبیہ مرسل کہتے ہیں ۔

(د) وہ تشبیہ جس میں صرف مشبہ اور مشبہ بہ مذکور ہو حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ دونو مذکور نہ ہوں ۔ اصطلاح میں اسے تشبیہ مجمل کہتے ہیں ۔

اب ان چاروں کو مثالوں کے ساتھ دیکھئے :-

(ا) وہ تشبیہ جس میں چاروں ارکان مذکور ہوں ۔

پہلی مثال ۔ پیٹ نرمی سے صورت مخمل
صاف مانند تختۂ صندل

پیٹ مشبہ ، مخمل مشبہ بہ ، نرمی وجہ تشبیہ اور صورت حرف تشبیہ پھر دوسرے مصرع میں پیٹ مشبہ ، تختہ صندل مشبہ بہ ، صفائی وجہ تشبیہ ، مانند حرف تشبیہ ۔

دوسری مثال ۔ ہو گیا ، مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز
(بانگ درا ۔ جواب خضر)

لہو مشبہ ، آب مشبہ بہ ، ارزانی وجہ تشبیہ اور مانند حرف تشبیہ ۔

تیسری مثال ۔ جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
(بانگ درا ۔ جگنو)

جگنو مشبہ ۔ شمع مشبہ بہ ۔ روشنی وجہ مشبہ اور یا حرف تشبیہ ۔

چوتھی مثال ۔ پنہاں زرہ میں ہوتی تھی اس طرح سے سناں
بجلی چمک کے ہوتی ہے جوں ابر میں نہاں

یہ تشبیہ مفرد نہیں مرکب ہے ۔ اس میں ''سناں،، اور ''زرہ،، دو مشبہ ہیں ۔ اور ''بجلی،، اور ''ابر،، دونو بالترتیب مشبہ بہ ہیں ۔ پنہاں یا نہاں ہونا وجہ شبہ ہے ۔ ''اس طرح،، اور ''جوں،، حرف تشبیہ ہیں ۔ یہ تشبیہ عمدہ اور اعلیٰ تشبیہات میں سے ایک ہے ۔ سناں کا دشمن کی زرہ میں تیزی سے نہاں ہونا (یعنی زرہ کو توڑ کر جسم میں اتر جانا) ایسا ہی ہے ۔ جیسا کہ بجلی بڑی تیزی سے چمکتی ہے ۔ اور پھر آناً فاناً بادل میں چھپ جاتی ہے ۔ اس تشبیہ میں وجہ مشبہ بھی مرکب ہے ۔ یعنی تیزی سے چمکنا اور پھر غائب ہو جانا ۔ مرکب تشبیہ کو مفرد تشبیہ پر ہمیشہ سے برتری حاصل ہے ۔

(ب) اب ان مثالوں کو دیکھئے ۔ ان میں مشبہ ، مشبہ بہ اور وجہ مشبہ مذکور ہیں ۔ لیکن حرف تشبیہ محذوف ہے ۔

۱ ۔ پھل وزن میں تھا پھول تجلی میں نخل طور
گرمی میں محض نار تو نرمی میں صاف نور (میر انیس)

اس شعر میں مشبہ تو چار مشبہ بہ اور چار ہی وجوہ تشبیہ کا ذکر ہے ۔ حروف تشبیہ مذکور نہیں ہیں ۔

(ا) پھل (شمشیر کا) مشبہ ، پھول مشبہ بہ ، وجہ تشبیہ ۔ وزن میں ہلکا ہونا ۔

(ب) پھل (شمشیر کا) مشبہ ، نخل طور مشبہ بہ ، وجہ تشبیہ ، تجلی

(ج) پھل (شمشیر کا) مشبہ ، ناز مشبہ بہ ، وجہ تشبیہ گرمی

(د) پھل (شمشیر کا) مشبہ ، نور مشبہ بہ ، وجہ تشبیہ ۔ نرمی

۲ ۔ کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
مئے گلرنگ خم شام میں تو نے ڈالی
(انسان اور بزم قدرت)

شفق مشبہ ہے ۔ مئے گلرنگ مشبہ بہ ہے ۔ لالی وجہ تشبیہ ہے ۔ حرف تشبیہ محذوف ہے ۔

۳ ۔ بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

مسلماں مشبہ ، راکھ کا ڈھیر مشبہ بہ اور عشق کی آگ کا بجھنا وجہ شبہ یہاں بھی حرف تشبیہ مذکور نہیں ہے ۔

۴ ۔ پکاری اس طرح دیوار گلشن پر کھڑے ہو کر
چٹک او غنچۂ گل تو موذن ہے گلستاں کا (پیام صبح)

غنچۂ گل مشبہ موذن مشبہ بہ اور چٹکنے کی آواز وجہ تشبیہ ، حرف تشبیہ مذکور نہیں ۔

۵ ۔ پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ (بال جبریل)

شاہیں مشبہ ، درویش مشبہ بہ ، آشیانہ نہ بنانا وجہ تشبیہ ، صرف تشبیہ محذوف ہے ۔

۶ ۔ جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک (بال جبریل)

ارباب سیاست مشبہ ، ابلس مشبہ بہ ، اس قدر ابلیسی کام کا سر انجام دینا کہ ابلس کی زیر افلاک ضرورت نہ رہے ، وجہ تشبیہ ہے ۔ حرف تشبیہ مذکور نہیں ۔

۷ ۔ پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو (ایک آرزو)

کوئل مشبہ ، موذن مشبہ بہ ، نوا وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ کا ذکر نہیں کیا گیا ۔

۸ ۔ کچھ اس میں جوش عاشق حسن قدیم ہے
چھوٹا سا طور تو یہ ذرا سا کلیم ہے (شمع و پروانہ)

پروانہ (جس کا ذکر پہلے اشعار میں آ چکا ہے اور اب اس کے لئے "یہ" کا اسم اشارہ استعمال کیا گیا ہے) مشبہ ۔ کلیم مشبہ بہ ، جوش دیدار وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ مذکور نہیں ۔

۹ ۔ لباس نور میں مستور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں
(ایک پرندہ اور جگنو)

میں (جگنو) مشبہ ، (پتنگوں کے جہاں کا) طور مشبہ بہ ، لباس نور میں مستور ہونا وجہ تشبیہ ۔

۱۰ ۔ ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار (بال جبریل)

دامن کوہسار مشبہ ، ارم مشبہ بہ ، کاروان بہار کا خیمہ زن ہونا
جہ تشبیہ اور حرف تشبیہ مذکور ۔

(ج) درج ذیل مثالوں میں مشبہ ، مشبہ بہ اور حرف تشبیہ مذکور
ہیں ۔ وجہ تشبیہ مذکور نہیں ۔

- گل سماتے نہیں جامے میں خوشی کے مارے
جب سے دیکھا ہے ترے پھول سے رخساروں کو

رخسار مشبہ ، پھول مشبہ بہ سے حرف تشبیہ اور وجہ شبہ مذکور
ں ہے ۔

- رخ اس کا تمام گرچہ ہے جوں خورشید
ہے اس کے نہال قد سے جی کو امید

رخ مشبہ ، خورشید مشبہ بہ ، جوں حرف تشبیہ ۔ وجہ شبہ محذوف ہے۔

- کبھی کیونکر نہ شاہ حسن تم کو
مشابہ زلف ہے بال ہما سے

زلف مشبہ ، بال ہما مشبہ بہ ، مشابہ حرف تشبیہ ۔ کیوں مشابہ ہے
ہ وجہ محذوف ہے ۔

(د) اب ان تشبیہات کو دیکھئے ۔ کہ مشبہ اور مشبہ بہ مذکور ہیں ۔
وجہ تشبیہ اور حروف تشبیہ دونو محذوف ہیں :—

- نرگس ہے چشم، سرو ہے قد، گل عذار ہے
نام خدا وہ شوخ سراپا بہار ہے

چشم مشبہ اور نرگس مشبہ‌بہ ، پھر قد مشبہ اور سرو مشبہ‌بہ ، پھر عذار مشبہ اور گل مشبہ‌بہ ۔ ان تینوں تشبیہوں میں حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ محذوف ہیں ۔

۲ ۔ تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر (بال جبریل)

تو (خدا) مشبہ اور محیط بیکراں مشبہ‌بہ ۔ پھر میں (شاعر) مشبہ اور ذرا سی آبجو مشبہ‌بہ ۔ ان دونو تشبیہوں میں وجہ شبہ اور حروف تشبیہ مذکور نہیں ۔

۳ ۔ سیر کرتا ہوا جس دم لب جو آتا ہوں
بالیاں نہر کو گرداب کی پہناتا ہوں

گرداب مشبہ اور بالیاں مشبہ‌بہ ، لیکن حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ مذکور نہیں ہیں ۔

۴ ۔ بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا
نوح نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا

بندے مشبہ ، کلیم مشبہ‌بہ ۔ پربت مشبہ ، سینا (طور سینا) مشبہ‌بہ ۔

۵ ۔ اے درد عشق ہے گہر آبدار تو
نا محرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تو

درد عشق مشبہ ، گہر آبدار مشبہ‌بہ اور وجہ شبہ اور حرف تشبیہ مذکور نہیں ہیں ۔

۶ - تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بو لہب (بال جبریل)

عشق مشبہ مصطفیٰ ص مشبہ بہ ۔ عقل مشبہ بولہب مشبہ بہ ، وجہ شبہ اور حرف تشبیہ ندارد ۔

۷ - حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ ، گفتار زنگ (بال جبریل)

حقیقت مشبہ آئینہ مشبہ بہ ، گفتار مشبہ زنگ مشبہ بہ ، حرف تشبیہ ور وجہ تشبیہ کہ حقیقت کو آئینے سے اور گفتار کو زنگ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے ۔ مذکور نہیں ۔

۸ - چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیال ہے
دامن موج ہوا جس کے لئے رومال ہے (ہمالہ)

چشمہ مشبہ ، آئینہ سیال مشبہ بہ ، دامن موج ہوا مشبہ اور رومال مشبہ بہ ۔ یہاں بھی حروف تشبیہ اور وجوہ تشبیہ مذکور نہیں ہیں ۔

۹ - زجاج گر کی دکان شاعری و ملائی
ستم ہے خوار پھرے دشت و در میں دیوانہ

شاعری اور ملائی (شاعر کا کام اور ملا کا کام) مشبہ ہے ۔ زجاج گر کی دکان مشبہ بہ ہے ۔ حرف تشبیہ اور وجہ تشبیہ مذکور نہیں ۔ یاد رہے کہ علامہ اقبال کو نہ تو اپنے زمانے کی روایتی شاعری پسند تھی ۔ نہ ملا کی بے اثر نصیحت کوشی ۔ وہ ان دونو کاموں کے متعلق اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کئی اشعار میں کرتے ہیں ۔ اس شعر میں وہ شاعری

اور ملائی کو ایک شیشہ گر کی دکان سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ جو دیکھنے میں تو خوبصورت ہے ۔ مگر پائیداری اور افادیت میں ہیچ ہے ۔ اور دوسرے مصرع میں ایک اشارہ ہے ۔ کہ وہ لوگ جو صحیح معنوں میں خدمت قوم و ملت کا جذبہ رکھتے ہیں ۔ اور جن کا جذبۂ عشق دیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا ہے ۔ وہ یونہی بیکار دشت و در میں پھر رہے ہیں ۔ انہیں چاہئیے کہ اس شیشہ گر کی دکان کو توڑ دیں ۔ اور شاعر اور ملا کو صراط مستقیم دکھا کر ملک و ملت کے لئے مفید اور فیض رساں بنائیں ۔

۱۰ ۔ یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن (ضرب کلیم)

مومن مشبہ قرآن مشبہ بہ ۔ وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ مذکور نہیں ۔

تشبیہات حسی و عقلی :

وہ تشبیہات جن کا ادراک حواس خمسہ ظاہری سے ہوتا ہے حسی کہلاتی ہیں ۔ مثلاً شبنم کے قطرے کو موتی سے تشبیہ دینا ۔ قد کو سرو سے تشبیہ دینا ۔ رخسار کو پھول سے تشبیہ دینا ۔ آنکھ کو نرگس سے تشبیہ دینا وغیرہ وغیرہ ۔ تشبیہات حسی میں مشبہ اور مشبہ بہ دونو حسی ہوتے ہیں ۔ لیکن بہت سی تشبیہات ایسی ہیں ۔ جن کا ادراک حواس خمسہ سے نہیں ہوتا ۔ بلکہ عقل یا وہم سے ہوتا ہے ۔ مثلاً فرشتہ کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن ایک عالم ہے ۔ جو فرشتوں پر ایمان رکھتا ہے ۔ اور اُن کی صفات کو جانتا ہے ۔ پس اگر کسی شخص کو فرشتہ سے تشبیہ دیں ۔ تو شخص مذکور مشبہ حسی ہو گا ۔ اور فرشتہ مشبہ بہ عقلی یا خیالی ہو گا ۔ اور فرشتہ کی صفات وجہ تشبیہ ہو گی ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ علم زندگی ہے اور جہالت موت ۔ تو علم مشبہ عقلی ہو گا اور

زندگی مشبہ‌بہ عقلی ۔ بھر حہالت مشبہ عقلی ہے اور موت مشبہ‌بہ عقلی ۔ اس قسم کی تشبیہ کو تشبیہ عقلی یا تشبیہ خیالی یا تشبیہ وہمی کہتے ہیں ۔ حسی اور عقلی ہونے کے لحاظ سے تشبیہ کی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں ۔ مثلاً

۱ ۔ مشبہ عقلی ہو اور مشبہ‌بہ حسی ہو ۔

۲ ۔ مشبہ حسی ہو اور مشبہ‌بہ عقلی ہو ۔

۳ ۔ دونو حسی ہوں ۔۔۔ اس کی مثالیں کثرت سے دی جا چکی ہیں ۔

۴ ۔ دونو عقلی ہوں ۔

(1) اب ان مثالوں پر غور فرمائیے ۔ ان میں مشبہ عقلی ہے اور اور مشبہ‌بہ حسی ہے ۔

۱ ۔ گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے (بال جبریل)

عقل مشبہ عقلی ۔ چراغ راہ مشبہ‌بہ حسی ۔ نور اور روشنی وجہ تشبیہ حسی ۔

۲ ۔ آ لگی دل میں ناگہاں بیدار
نگہ اس کی خدنگ کے مانند

نگہ مشبہ عقلی اور خدنگ مشبہ‌بہ حسی ہے اور وجہ تشبیہ بھی حسی ہے ۔

۳ ۔ جہاز عمر رواں پر سوار بیٹھے ہیں
سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

عمر رواں مشبہ عقلی اور جہاز مشبہ بہ حسی ہے ۔ وجہ مشبہ بھی حسی ہے ۔

۴ ۔ ہوں وہ بلبل جو کرے ذبح خفا تو ہو کر
روح میری گل عارض میں رہے بو ہو کر

روح مشبہ عقلی ہے اور بو مشبہ بہ حسی ہے ۔ گل عارض میں اضافت تشبیہ ہے ۔ اور یہاں بھی وجہ تشبیہ حسی ہے ۔

۵ ۔ صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی (بال جبریل)

فکر بلند مشبہ عقلی ۔ برق مشبہ بہ حسی اور وجہ مشبہ بھی حسی ہے۔

۶ ۔ زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب (بچے کی دعا)

زندگی مشبہ عقلی ، پروانہ مشبہ بہ حسی ۔ علم مشبہ عقلی اور شمع مشبہ بہ حسی ، وجہ مشبہ حسی ۔

۷ ۔ مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی
دیں زخمہ ہے جمعیت ملت ہے اگر ساز
(فردوس میں ایک مکالمہ)

دین مشبہ عقلی اور زخمہ مشبہ بہ حسی ۔ جمعیت ملت مشبہ عقلی اور ساز مشبہ بہ حسی ۔

۸ ۔ آہ امید محبت کی بر آئی نہ کبھی
چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی (نوائے غم)

محبت مشبہ عقلی اور ساز مشبہ بہ حسی ۔

۹ - ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط
اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں
(عبدالقادر کے نام)

فریاد مشبہ عقلی اور سپند مشبہ‌بہ حسی -

۱۰ - کہاں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی (طلوع اسلام)

مرد مسلماں کا یقیں مشبہ عقلی اور قندیل رہبانی مشبہ‌بہ حسی ہے - یہ مرکب تشبیہ ہے - مرکب تشبیہات کا ذکر آگے آئے گا -

(ب) اب ان مثالوں کو دیکھئے - ان میں مشبہ حسی ہے اور مشبہ‌بہ عقلی :—

۱ - وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل (خضر راہ)

اختر سیماب پا مشبہ حسی ، جبین جبرئیل مشبہ‌بہ عقلی ، نور اور روشنی وجہ تشبیہ -

۲ - آئینہ روشن ہے اس کا صورت رخسار حور
گر کے وادی کی چٹانوں میں یہ ہو جاتا ہے چور

آئینہ مشبہ حسی- رخسار حور مشبہ‌بہ عقلی- نور اور چمک وجہ تشبیہ -

(ج) اب ان تشبیہات پر غور کیجئے - ان میں مشبہ مشبہ‌بہ دونو عقلی ہیں -

۱ - وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا صور سرافیل (ضرب کلیم)

شعر مشبہ عقلی اور نغمہ جبریل یا صور سرافیل مشبہ بہ عقلی ۔ اثر و تاثیر وجہ شبہ ہے اور وہ بھی عقلی ہے ۔

۲ - کسے خبر ہے کہ ہنگامۂ نشور ہے کیا
تری نگاہ کی گردش ہے مری رستاخیز (بال جبریل)

نگاہ کی گردش مشبہ عقلی ۔ رستاخیز مشبہ بہ عقلی ۔ قیامت سی برپا کر دینے کی طاقت یا بلچل مچا دینے کی طاقت وجہ تشبیہ ہے اور وہ بھی عقلی ہے ۔

۳ - زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے غفلت ہے سرمستی ہے بیہوشی ہے یہ (سمع)

زندگانی مشبہ عقلی ۔ خواب ، غفلت ، سرمستی ، بے ہوشی ، فراموشی مشبہ بہ عقلی ۔

۴ - فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرار فن
شعر گویا روح موسیقی ہے رقص اس کا بدن (ضرب کلیم)

شعر مشبہ عقلی اور روح موسیقی مشبہ بہ عقلی ۔

۵ - شیشۂ دہر میں مانند مئے ناب ہے عشق
روح خورشید ہے خون رگ مہتاب ہے عشق

عشق مشبہ عقلی ۔ روح خورشید مشبہ بہ عقلی ۔

۶ - علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں (بال جبریل)

علم مشبہ عقلی ہے اور جنت مشبہ بہ بھی عقلی ہے -

(د) ایسی تشبیہات کی مثالیں جن میں مشبہ اور مشبہ بہ دونو حسی ہوں ، پہلے آ چکی ہیں - تاہم دو تین اور مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں -

۱ - گرد سے پاک ہے ہوا برگِ نخیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں (بال جبریل)

ریگ نواح کاظمہ مشبہ حسی - پرنیاں مشبہ بہ حسی - نرمی وجہ تشبیہ حسی -

۲ - عجیب خیمہ ہے کہسار کے نہالوں کا
یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا (ایر)

نہال مشبہ حسی - خیمہ مشبہ بہ حسی - وجہ تشبیہ بھی حسی ہے -

۳ - جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار
(ماں کا خواب)

اشک (قطرہ ہائے اشک) مشبہ حسی - ہار (موتیوں کا یا پھولوں کا) مشبہ بہ حسی -

غرض تشبیہ :

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ۔ کہ کسی چیز کی وضاحت کرنے کے لئے اسے کسی دوسری چیز سے (جس میں وہ صفت جس کی وضاحت مطلوب ہے زیادہ ہو) تشبیہ دی جاتی ہے ۔ تاہم علمائے بلاغت نے تشبیہ کے ساتھ کئی اغراض وابستہ کر رکھی ہیں ۔ جن کا خلاصہ یہ ہے ۔ کہ

(۱) تشبیہ سے یہ غرض ہوتی ہے کہ بیان کیا جائے ۔ کہ مشبہ کا وجود ممکن ہے ۔ اور یہ ایسے مقام پر ہوتی ہے ۔ جہاں مشبہ کے وجود کے ممتنع ہونے کا بھی دعویٰ کیا جا سکتا ہو ۔ اس صورت میں ایسا مشبہ بہ لاتے ہیں ۔ جو مشبہ کے وجود کو ممکن ثابت کر دے ۔ مثلاً

تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جوں نگاہ
تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

مراد شاعر کی یہ ہے ۔ کہ محبوب باوجود آنکھوں میں ہونے کے آنکھوں سے پوشیدہ ہے ۔ اور یہ ادعا ظاہر میں ممتنع معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ محال ہے کہ کوئی چیز آنکھوں میں رہے اور دکھائی نہ دے ۔ اس لئے شاعر نے اس کو نگاہ کے ساتھ تشبیہ دے کر اس امر کا امکان ظاہر کر دیا ۔ کہ نگاہ آنکھوں میں رہنے کے باوجود آنکھوں سے پوشیدہ ہے ۔

(۲) تشبیہ سے مشبہ کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا ہے ۔ اور یہ دکھانا مطلوب ہوتا ہے کہ وہ کس وصف کے ساتھ متصف ہے ۔ سفید ہے ، سیاہ ہے ، سرخ ہے ، سربلند ہے یا سرنگوں ہے وغیرہ ۔ مثلاً سودا آسمان کی مذمت میں کہتا ہے ۔

رکھتا ہے ہر غرور کو جوں نیزہ سربلند
جوں جادہ خاکسار کو دے ہے زمیں پہ ڈال

پر غرور کو سر بلند رکھنے اور خاکسار کو زمیں پہ ڈال رکھنے کا حال نیزے اور جادہ کی تشبیہ سے واضح ہو گیا۔

(۳) تشبیہ کی ایک اہم غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ مشبہ کا حال سننے والے کے ذہن نشین ہو جائے۔ اس غرض کے لئے ضروری ہے۔ کہ مشبہ بہ ہر لحاظ سے اکمل و اشعر ہو۔ مثلاً سودا

نہیں ہوں طالب رزق آسماں سے کہ مجھے
نفیں ہے کاسۂ وارُوں میں کچھ نہیں ہوتا

آسماں کو کاسۂ وارُوں (اوندھے پیالے) سے تشبیہ دے کر یہ بات ذہن نشین کر دی ہے کہ جس طرح اوندھے پیالے میں کچھ نہیں ہوتا اسی طرح اس آسماں کے اوندھے پیالے میں بھی کچھ نہیں۔ پھر اس سے کوئی طالب رزق کیوں ہو۔

(۴) تشبیہ کی ایک غرض مشبہ کی مذمت کرنا یا تقبیح ہوتی ہے۔ یعنی مشبہ کا حال سننے والے کو برا معلوم ہو۔ یا مشبہ کا کردار قابل نفرت نظر آئے۔ مثلاً میر ہی میر

صد منی دیگ ہے شکم اس کا
نفس اژدہا ہے دم اس کا
گال کلجے سے، چہرہ توے سے سیاہ
کاسۂ سر ہے جیسے اوندھا کڑاہ

(۵) تشبیہ کی ایک غرض یہ ہے ۔ کہ مشبہ کا نادر اور طرفہ ہونا ثابت کیا جائے ۔ مثلاً

جام مے میں ہے عکس چہرۂ یار
یا چراغ آفتاب میں روشن
اُس کے گورے بدن میں لال لباس
دیکھو آتش ہے آب میں روشن

یا

خال مشکیں آتش رخسار پر پیدا ہوا
چشمۂ خورشید میں بھی نیلوفر پیدا ہوا

آفتاب میں چراغ کا روشن ہونا ، آگ کا پانی میں روشن ہونا ، چشمۂ خورشید میں نیلوفر پیدا ہونا ۔ یہ سب مشبہ بہ ہیں جو اپنے اپنے مشبہ کو نادر اور طرفہ بنا رہے ہیں ۔

اقسام تشبیہ :

اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے ۔ کہ تشبیہ کون کون سی صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے ۔ اب مختصر طور پر تشبیہ کی مختلف قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ تشبیہ کی یہ قسمیں آسان سادہ اور غیر اصطلاحی الفاظ میں بیان کی جاتی ہیں ۔ تا کہ ان کو یاد کرنے میں قوت حافظہ کو زیادہ فشار برداشت نہ کرنا پڑے ۔

(۱) تشبیہ مفرد :

اس تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ دونو مفرد حسی یا مفرد عقلی ہوتے

ہیں ۔ مثلاً چہرے کو آفتاب یا ماہتاب سے تشبیہ دینا ۔ قد کو سرو سے تشبیہ دینا ، رخسار کو پھول سے تشبیہ دینا :۔ مثلاً

۱ ۔ برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن (بال جبریل)

شبنم کے قطرے کو موتی سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہیں اور مفرد ۔

۲ ۔ گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

عقل مشبہ مفرد عقلی اور چراغ راہ مشبہ بہ مفرد حسی ۔

(۲) تشبیہ مرکب :

اس تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ دونو مرکب حسی یا مرکب عقلی ہوتے ہیں ۔ مثلاً اشکوں کے مسلسل قطروں کو ایک ہار سے تشبیہ دینا ۔ یا لڑائی کے میدان کے گرد و غبار کو بادلوں سے اور اس گرد و غبار کے بادلوں میں تلواروں کے چمکنے کو بجلی کے چمکنے سے تشبیہ دینا ۔ علی ہذا القیاس : مثالیں

۱ ۔ جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار (ماں کا خواب)

۲ ۔ عرق آلودہ گردن زدر کا کل یوں دمکتی ہے
اندھیری رات ہے برسات ہے بجلی چمکتی ہے

عرق آلودہ گردن جو زہر کا کل چمک رہی ہے ۔ مشبہ مرکب حسی ۔ برسات کی اندھیری رات میں بجلی کا چمکنا مشبہ بہ مرکب حسی ۔ اس تشبیہ کی بہت تعریف کی گئی ہے ۔

۳ ۔ مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوتگاہِ مینا میں شراب خوشگوار (نمود صبح)

مطلع خورشید میں مضمون صبح کا مضمر ہونا مشبہ مرکب حسی اور خلوت گاہ مینا میں شراب خوشگوار کا نظر آنا مشبہ بہ مرکب حسی ۔ یہ تشبیہ کئی لحاظ سے نہایت عمدہ ہے ۔ صبح کے وقت مطلع خورشید میں نور بھی ہوتا ہے اور ظلمت بھی ۔ ظلمت آہستہ آہستہ دور ہوتی جاتی ہے اور اجالا پھیلتا چلا جاتا ہے ۔ جیسے مینا میں شراب مستور بھی ہوتی ہے اور عریاں بھی ۔ دور سے دیکھیں تو مینا نظر آتی ہے ۔ شراب نظر نہیں آتی ۔ قریب آ کر دیکھیں تو مینا میں بند شراب اپنے رنگ و لون کی وجہ سے نظر آنے لگتی ہے ۔

(۳) تشبیہ ملفوف :

پہلے کئی مشبہ ایک جگہ لانا اور اس کے بعد کئی مشبہ بہ لف و نشر مرتب کے طور پر کلام میں لانا ۔ تشبیہ ملفوف کہلاتا ہے ۔ مثلاً ناسخ

بندہ کانوں میں نہیں تعویذ بالوں میں نہیں
وہ ستارہ صبح کا ہے یہ ستارہ شام کا

پہلے بندہ اور تعویذ دو مشبہ لائے گئے ہیں ۔ پھر ستارۂ صبح اور ستارۂ شام دو مشبہ بہ

یا ذرا جبیں عرق فشاں پر تو اپنی افشاں دکھادے چن کر
کہ تا نظر آویں ماہ پیکر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

جبیں عرق فشاں اور افشاں دو مشبہ پہلے لائے گئے - پھر گوہر اور اختر دو مشبہ بہ بعد میں لف و نشر مرتب کے طور پر لائے گئے -

(م) تشبیہ مفروق :

کبھی ایسا کرتے ہیں - کہ شعر میں ایک مشبہ اور ایک مشبہ بہ پہلے لاتے ہیں - پھر ایک مشبہ اور مشبہ بہ --- اور پھر ایک مشبہ اور مشبہ بہ - ایسی تشبیہ کو تشبیہ مفروق کہتے ہیں - مثلاً

وہ گیسو خط جدول ہیں وہ ابرو مد بسم اللہ
وہ رخ قرآں ہے خط تفسیر ہے زیر و زبر دلکیں

اس سعر میں تشبیہات کے پانچ جوڑے یعنی پانچ مشبہ اور پانچ مشبہ بہ لائے گئے ہیں - لیکن اس ترتیب سے کہ پہلے ایک مشبہ اور مشبہ بہ - پھر ایک مشبہ اور مشبہ بہ اور اسی طرح پانچ بار یہ عمل کیا گیا ہے - گیسو ، ابرو ، رخ ، خط اور دلکیں مشبہ ہیں - اور ان کے مشبہ بہ بالترتیب خط جدول ، مد بسم اللہ ، قرآن ، نفسیر اور زیر و زبر مشبہ بہ ہیں -

یا ابرو ہلال ، بدر جبیں ، خال ہے زحل
کیونکر نہ ہو فلک پہ تمہارا بھلا دماغ

اس شعر میں ابرو ، جبیں اور خال مشبہ ہیں - ہلال ، بدر اور زحل مشبہ بہ -

یا تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا

عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بولہب (بال جبریل)

عشق مشبہ مصطفےٰ مشبہ بہ - پھر عقل مشبہ اور بولہب مشبہ بہ -

یا بندے کام جس کے برت جہاں کے سپنا

نوح نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا

(ہندوستانی بچوں کا قومی گیت)

پہلے بندے مشبہ کلم مشبہ بہ - پھر برت مشبہ اور طور سینا مشبہ بہ -

(۵) تشبیہ تسویہ :

اگر کسی تشبیہ میں کئی مشبہ اور ایک مشبہ بہ ہو - تو یہ تشبیہ تسویہ کہلاتی ہے - مثلاً

بدن کو ، جان کو ، دل کو ، جگر کو آگ لگی

غم فراق مرے گھر کے گھر کو آگ لگی

اس شعر میں بدن ، جان ، دل ، جگر یہ چار مشبہ ہیں - اور گھر ایک مشبہ بہ -

یا بے حقیقت ہے شکل موج سراب

تاج جمشید و راج ریحانی

تاج جمشید اور راج ریحانی دو مشبہ ہیں - اور موج سراب ایک مشبہ بہ دونوں کے لئے -

36350

یا تمدن ، تصوف ، شریعت ، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام (بال جبریل)

تمدن ۔ تصوف ۔ شریعت اور کلام چار مشبہ ہیں ۔ اور بتان عجم ایک مشبہ بہ ۔

(۶) تشبیہ جمع :

اگر تشبیہ میں مشبہ ایک ہو اور مشبہ بہ متعدد ہوں ۔ تو اس کو تشبیہ جمع کہتے ہیں :۔ مثلاً

کیا جگہ کوچۂ محبوب ہے سبحان اللہ
کوئی جنت ، کوئی کعبہ ، کوئی گلشن سمجھا

کوچۂ محبوب مشبہ ہے ۔ اور جنت ، کعبہ ، اور گلشن تینوں اس کے مشبہ بہ ہیں ۔

ظفر کیا وصف جبیں میں کہوں اس ماہ جبیں کا
اک تختہ سراسر ہے وہ فردوسِ بریں کا

یا صبح ہے یا آئینہ یا ہے یدِ بیضا
یا صفحہ رخسار کسی شوخ حسیں کا

یا مشتری و زہرہ ہے یا مہر درخشاں
یا جلوۂ پر نور ہے یہ ماہِ مبیں کا

یا تخت بلوریں ہے کہ ہے لوح یہ سیمیں
یا صفحۂ سادہ کسی انمول نگیں کا

جبیں محبوب مشبہ ہے ۔ اور فردوس بریں کا تختہ ۔ صبح ۔ آئینہ ۔ ید بیضا مشتری ۔ زہرہ ۔ مہر درخشاں ۔ ماہ مبیں ۔ تخت بلوریں ۔ لوح سیمیں ۔ اور کسی انمول نگیں کا صفحہ سادہ ۔ یہ سب اس ایک مشبہ کے مشبہ بہ ہیں ۔ ایک چیز کو گیارہ مختلف چیزوں سے تشبیہ دی گی ہے ۔

مرزا غالب نے "چکنی ڈلی" پر چند اشعار کہے ہیں ۔ ان میں بھی تشبیہ جمع ہے دیکھئے :۔

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھئے
حرز بازوئے شگرفان خود آرا کہئے

خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھئے
سر پستان پری زاد سے مانا کہئے

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خال مشکین رخ دلکش لیلیٰ کہئے

حجرالاسود دیوار حرم کیجئے فرض
نافۂ آہوئے بیابان ختن کا کہئے

وضع میں اس کو اگر سمجھئے قاف تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہئے

صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدہ میں اسے خشت خم صہبا کہئے

کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھئے
کیوں اسے نقطۂ پرکار تمنا کہئے

کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہئے

کیوں اسے تکمۂ پیراہن لیلیٰ کہئے
کیوں اسے نقش پئے ناقۂ سلمیٰ کہئے

بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجئے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے

چکنی ڈلی ایک مشبہ ہے اور اس کے مشبہ بہ انیس ہیں ۔

اب علامہ اقبال کے کلام سے تشبیہات جمع کی مثالیں دیکھئے ۔ یہ تشبیہات ایک شعر میں بھی ہیں ۔ اور ایک سے زیادہ مسلسل اشعار میں بھی مرزا غالب کی چکنی ڈلی کی مانند ۔

۱ ۔ زندگی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے غفلت ہے سرمستی ہے بے ہوشی ہے وہ (بچہ اور شمع)

زندگانی ایک مشبہ ہے ۔ اس کے لئے پانچ مشبہ بہ مذکور ہیں ۔

۲ ۔ امتحان دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو
پاسباں اپنا ہے تو دیوار ہندستاں ہے تو

مطلع اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو
سوئے خلوت گاہ دل دامن کش انساں ہے تو (ہمالہ)

کوہستان ایک مشبہ ہے ۔ اور اس کے تین مشبہ بہ مذکور ہیں ۔
پاسباں ۔ دیوار ۔ دیواں ۔

۳ ۔ مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ، موت ہے اس پر حرام

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

عشق دمِ جبرئیل ، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

عشق فقیہِ حرم ، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات (بال جبریل)

دیکھ لیجئے "عشق" مشبہ ایک ہے اور اس کے متعدد مشبہ بہ ہیں ۔

(۴) اقبال کی تشبیہات جمع کا شاہکار جگنو کی نظم ہے ۔ ان تشبیہات نے ایک عالم سے خراج تحسین وصول کیا ہے ۔ اس نظم کو پھر دیکھئے ۔

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

جگنو مشبہ ہے جو واحد ہے ۔ شمع ، ستارہ ، کرن ، سفیر ، تکمہ ، ذرہ ، حسن قدیم کی ایک پوشیدہ جھلک اور چاند (جو کبھی گہن سے نکل آتا ہے کبھی پھر گہن میں آ جاتا ہے) یہ سب اس کے مشبہ بہ ہیں ۔

(۷) تشبیہ قریب :

ایسی تشبیہ جس میں وجہ تشبیہ فوراً سمجھ میں آ جائے ۔ مثلاً

پھرتی ہے زلف یار آنکھوں میں
پیچ کرتے ہیں مار آنکھوں میں

زلف یار مشبہ ۔ مار مشبہ بہ ۔ پیچ کرتے ہیں وجہ تشبیہ ۔

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار (ساقی نامہ)

دامن کوہسار مشبہ ۔ ارم مشبہ بہ ۔ وجہ تشبیہ بہار کے موسم کا آنا یا کاروان بہار کا خیمہ زن ہونا ۔

(۸) **تشبیہ بعید :**

بعض تشبیہات میں وجہ تشبیہ ذرا تامل کے بعد سمجھ میں آتی ہے ۔ ایسی تشبیہات کو تشبیہات بعید (یا غریب بھی) کہتے ہیں ۔ تشبیہ جمع کی مانند یہ تشبیہ بھی مستحسن ہوتی ہے ۔ مثلاً

ذقن یار میں کی خط نے رسائی پیدا
چاہ یوسف میں خضر پھر تماشا کودا

ذقن یار مشبہ ۔ چاہ یوسف مشبہ بہ ، خط مشبہ اور خضر مشبہ بہ ۔ یعنی ذقن یار میں سبزۂ خط نے نمودار ہونا شروع کیا ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ خضر چاہ یوسف میں کود کر یوسف کو دیکھ رہا ہے ۔ خضر کے چاہ یوسف میں کودنے کی وجہ فوراً ذہن میں نہیں آتی ۔

یا گھٹا کے بدر کو ہر ماہ میں ہلال کیا
تمہارے چاند سے چہرے نے بھی کمال کیا

چہرہ مشبہ ۔ چاند مشبہ بہ ۔ بدر محبوب کے چہرے کے مقابل میں آیا ۔ اور اس نے اپنے تئیں اس مقابلہ میں اتنا ہلکا اور بے وقعت محسوس کیا ۔ کہ غم کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے پھر ہلال کی مانند ہو گیا ۔ یہ وجہ تشبیہ بھی فوراً ذہن میں متبادر نہیں ہوتی ۔

یا آہ یثرب دیس مسلم کا ہے تو ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو (بلاد اسلامیہ)

یثرب مشبہ ۔ تاثر کی شعاعوں کا نقطۂ جاذب مشبہ بہ ۔ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ آتشی شیشے میں سورج کی شعاعیں ایک نقطہ پر آ کر انعکاس پذیر کو اس چیز میں حرارت اور آگ پیدا کر دیتی ہیں ۔ جس چیز پر شعاعیں مرکوز کی جائیں ۔ مسلمانوں کے دینی تاثر اور جوش کو شعاعوں سے تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ ان شعاعوں کا نقطہ جاذب یثرب ہے ۔ یثرب ہی وہ شہر ہے ۔ جو مسلمانوں کا مرکز اور دینی جوش کا محور ہے ظاہر ہے کہ یہ وجہ تشبیہ بھی ذرا دیر کے بعد ذہن میں آتی ہے ۔

یا ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
(التجائے مسافر)

اقبال نے ولایت جانے سے پہلے حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر دہلی جا کر یہ نظم کہی ۔ ایک بزرگ کو یہ کہنا کہ تیرا نظام نظام مہر کی مانند ہے ۔ بالکل نئی تشبیہ ہے ۔ اور انگریزی تعلیم کا اثر دکھاتی ہے ۔ چند سو سال پہلے سورج اور چاند کے وجود کے متعلق ہمارے آبا و اجداد کے خیالات کچھ اور تھے ۔ انگریزی تعلیم اور جدید سائنس اپنے ساتھ نئے خیالات لائی ۔ تحقیق کے بعد اب یہ بات ثابت ہوئی ہے ۔ کہ نظام شمسی باہمی کشش اور مرکزی کشش کی وجہ سے قایم ہے ۔ اقبال اس تشبیہ میں حضرت محبوب الہی کو نظام شمسی (روحانی) کا مرکز مان کر کہتے ہیں ۔ کہ عشق کے ستارے (خدا کے عاشق) حضرت محبوب الہی کی کشش کی وجہ سے قایم ہیں ۔ اور ان کا روحانی نظام نظام مہر یا

نظام شمسی کی مانند ہے ۔ یہ وجہ شبہ بھی کافی تامل کے بعد ذہن میں آتی ہے ۔

یا ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو (آفتاب)

اسی طرح آفتاب کو ہر چیز کی حیات کا پروردگار کہنا ۔ اور زائیدگانِ نور کا تاجدار کہنا ایسی تشبیہات ہیں ۔ جن کی وجہ تشبیہ ذرا دیر کے بعد سمجھ میں آتی ہے ۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے ۔ کہ اگر سورج نہ ہو تو کوئی چیز زندہ نہ رہ سکے ۔ زائیدگان نور سے مراد سورج ، چاند اور ستارے ہیں ۔ جو زمین والوں کو روشنی دیتے ہیں ۔ اس برادری میں سب سے افضل اور سب سے برتر یعنی ان سب کا تاجدار سورج ہے ۔ بانگ درا کی نظم ”عشق اور موت ،، میں بھی سورج کی اسی برتری کا یوں ذکر کیا گیا ہے ۔

کہیں مہر کو تاج زر مل رہا تھا
عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی

اب اس تشبیہ کو دیکھئے :—

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک (بال جبریل)

اربابِ سیاست کو ”جمہور کے ابلیس،، کیوں کہا گیا ؟ ذرا غور کرنے کے بعد اس تشبیہ کی وجہ سمجھ میں آتی ہے ۔

(۱) تشبیہ کی ایک قسم تشبیہ اضمار کہلاتی ہے ۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے ۔ کہ شاعر کی غرض تشبیہ دینا نہیں ۔ محض دو

حمزوں کا مقابلہ ہے - لیکن دراصل وہ بھی تشبیہ ہی ہوتی ہے - مثلاً

غالب
کیوں اسے فضل در گنج محبت لکھئے
کیوں اسے نقطہ پرکار تمنا کہئے

یا
کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجئے
کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہئے

یا
سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قد رعنا سے جو گلزار میں آوے - وغیرہ

کلام اقبال میں تشبیہات بعد کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں - لیکن ہم اس مضمون کی طوالت کے خوف سے انہی مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں -

تشبیہ اور تمثیل

کسی بات کی وضاحت کے لئے یا کسی امر کو ذہن نشین کرنے کے لئے بسا اوقات ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں - یہی تمثیل ہے - تمثیل کا تعلق تشبیہ اور استعارہ دونو سے ہے - تمثیل کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل چند ایک مثالوں پر غور کیجئے -

۱ - نہ ہو جس میں عمل اور ہو کتابوں سے لدا پھرتا
طفر اس آدمی کو ہم تصور بیل کرتے ہیں

۲ - اے بہر سخ مثل ہے جو عالم ہے بے عمل
گویا وہ اک گدھا ہے کتب سے لدا ہوا

ان دونو شعروں میں جو تمثیل پیش کی گئی ہے ۔ وہ الفاظ کے ادنٰی تغیر کے ساتھ تقریباً ایک ہی ہے ۔ عالم بے عمل ایک بوجھ اٹھانے والے بیل یا گدھے کی مانند ہے ۔ اس تمثیل کا مآخذ قرآن پاک کی ایک تمثیل ہے ۔ وہ لوگ جن پر توریت نازل کی ۔ پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا ۔ وہ گویا چوپائے ہیں ۔ جن پر (کتابوں کا) بوجھ لدا ہوا ہے(۲)

مرزا جان جاناں مظہر سودا کے زمانے کے ایک مشہور شاعر تھے ۔ اور فارسی اور اردو دونو زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ اور ان کا شمار اچھے شاعروں میں ہوتا تھا ۔ لیکن سودا بھلا کسے خاطر میں لاتے تھے ۔ ان کے اشعار کے متعلق فرماتے ہیں ۔

مظہر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ
سودا یقین جان کہ روڑا ہے باٹ کا

آگاہ فارسی تو کہیں اس کو ریختہ
واقف جو ریختہ کے ذرا ہووے ٹھاٹ کا

سن کر وہ یہ کہے کہ نہیں ریختہ ہے یہ
اور ریختہ بھی ہے تو فروزشہ کی لاٹ کا

القصہ اس کا حال یہی ہے جو سچ کہوں
کتا ہے دھوبی کا کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

کسی شعر کو دھوبی کے کتے سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی ۔ لیکن مثال کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں کے شعر نہ فارسی ہیں اور

نہ اردو ۔ بس یوں جانئیے کہ دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ۔ یہ تمثیل ہے ۔

سودا کے ان اشعار میں بھی تمثل ہے :—

بلند ہمت اگر ہوں نہ زیر چرخ ضعیف
ہلال عید ہو عالم کا کیونکہ روزہ کشا

جو ناتواں نہ کریں دستگیری دشمن
تو خار و حسن نہ کرے شعلے کو کبھی برپا

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقش پا کو راہ نما

غالب کے اس شعر میں بھی تشبیہ نہیں تمثیل ہے ۔

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

ان مثالوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں ۔ کہ تمثیل تشبیہ کی ہی ایک قسم ہے ۔ مگر تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان کسی ایک وصف کا اشتراک ضرور ہوتا ہے ۔ اور تمثل میں ایک مجموعی حالت یا مجموعی کیفیت کو کسی اور مثال سے یا محاورہ سے ، مجموعی طور پر بیان کیا جاتا ہے ۔ علم اور عمل کے ساتھ بیل یا گدھے کی کسی صفت یا وصف کا اشتراک نہیں ۔ لیکن عالم بے عمل کی یہ ایک نہایت عمدہ مثال ہے ۔ گدھے یا بیل کو علم تک نہیں ہوتا ۔ کہ اس پر کتابوں کا بوجھ لادا گیا ہے یا اینٹ پتھر ۔ اسی طرح شعر اور دھوبی کے کتے میں کسی

کا اشتراک نہیں ۔ لیکن دھوبی کے کتے کے متعلق ایک مثل مشہور ہے ۔ کہ نہ وہ گھر کی رکھوالی کے کام کا رہ جاتا ہے نہ گھاٹ کی رکھوالی کے کام کا ۔ اسی طرح سے وہ شعر جو نہ فارسی زبان میں ہے اور نہ اردو کے معیار کے مطابق ۔ وہ دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کا ہے نہ گھاٹ کا ۔ اسی طرح سودا کے اشعار میں سے ہر شعر میں تمثیل ہے ۔ آخری شعر میں فتادگی یا عاجزی کی عزت دکھانا مقصود ہے ۔ تو اس کے لئے ایک مثال پیش کی ہے کہ لوگ انجانے راستوں پر ، جہاں اور کوئی راہنما نہ ہو ، اس راہ سے گزرنے والے لوگوں کے نقش پا کو (جو فتادہ ہے) راہنما بناتے ہیں۔

اب آپ علامہ اقبال کی چند تمثیلات پر نظر ڈالئے :—

۱ - مصرو بابل مٹ گئے باقی نشاں تک بھی نہیں
دفتر ہستی میں ان کی داستاں تک بھی نہیں

آدبا یا مہر ایراں کو اجل کی شام نے
عظمت یوناں و روما لوٹ لی ایام نے

آہ ! مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا
آسماں سے ابر آذاری ، اٹھا ، برسا ، گیا

(گورستان شاہی)

مسلم کے زمانے سے رخصت ہو جانے کو ایک مثال سے واضح کیا گیا ہے ۔ یعنی جس طرح آسمان سے بہار کا بادل اٹھتا ہے ۔ برستا ہے اور ختم ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح مسلمان بھی ایک زمانے میں توحید کا پیغام لے کر اٹھے ۔ جگہ جگہ ، شہر شہر اور ملک ملک میں یہ پیغام پہنچایا ۔ اور پھر یہ جوشیلے مسلمان اپنا جوش ایمان آئندہ نسلوں تک نہ پہنچا سکے۔

اور ہمیشہ کے لئے مٹ گئے - ابر آزاری کا اٹھنا ، برسنا اور پھر ختم ہو جانا ایک تمثیل ہے -

۲ - سکوت شام جدائی ہوا بہانہ مجھے
کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے

یہ کیفیت ہے مری جان ناسکیبا کی
مری مثال ہے طفل صغیر تنہا کی

اندھیری رات میں کرتا ہے وہ سرور آغاز
صدا کو اپنی سمجھتا ہے غیر کی آواز

یونہی میں دل کو پیام شکیب دیتا ہوں
شب فراق کو گویا فریب دیتا ہوں

یہ بہت عمدہ تمثیل ہے - اور اقبال کے مطالعۂ کائنات کی ایک زبردست دلیل - چھوٹے بچے کو اگر رات کے وقت مجبوراً باہر نکلنا پڑے تو وہ تاریکی سے ڈرتا ہے - اور اس اندھیرے کے خوف کو دور کرنے کے لئے کچھ گنگنانا یا گانا شروع کر دیتا ہے - یہ گانا اس کا رفیق بن جاتا ہے - اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اکیلا نہیں ہوں - اور اس طرح سے وہ اپنے تئیں مطمئن اور مضبوط پاتا ہے اور اندھیری رات کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے -

یہ میرا ذاتی تجربہ ہے - دیہات میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے کاشتکار ماں باپ کی مدد کرتے اور ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں - گھر سے کنواں کافی دور ہے رہٹ چل رہا ہے - کھیتوں کو پانی دیا جا رہا ہے - کسان کبھی بیلوں کو ہانک رہا ہے - اور کبھی پانی اگلی کیاریوں کے لئے

کھولتا ہے ۔ شام ہو گئی ہے عشاء کی نماز ہو رہی ہے ۔ گھر میں سب سے بڑا لڑکا چھ سات سال کا ہے۔ ماں اسے کنوئیں پر بھجتی ہے۔ کہ باپ کا کام تھوڑی دیر کے لئے سنبھالے تاکہ وہ گھر آ کر کھانا کھا لے ۔ بچہ ماں کے حکم کی تعمیل میں باہر نکلتا ہے ۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے ۔ جھاڑیاں بھوت دکھائی دیتی ہیں اور درخت جن ۔ چرند ، پرند اور کسان اپنے اپنے رات کے ٹھکانوں میں دبکے پڑے ہیں ۔ لیکن بچے کا کنوئیں تک جانا ضروری ہے اور باپ کو تھوڑی دیر کے لئے فارغ کرنا لازمی ہے ۔ بچہ ڈرتا تو ضرور ہے ۔ لیکن اس ڈر کو دور کرنے کے لئے وہ کوئی گیت الاپنا شروع کر دیتا ہے ۔ اب وہ یوں محسوس کرتا ہے ۔ کہ بھوت اور جن اس کی آواز سن کر اس کے قریب نہیں آئیں گے ۔ گیت اس کا ساتھی ہے اب وہ اکیلا نہیں ، دو ہیں ۔ اور وہ کنوئیں پر پہنچ جاتا ہے اور باپ کا کام سنبھال لیتا ہے ۔ یا اندھیری رات ہے ۔ بچہ گھر پر اکیلا ہے ۔ تنہائی کی خوف اور وحشت کو دور کرنے کے لئے کوئی گیت شروع کر دیتا ہے ۔ اسی طرح اس تمثیل میں اقبال کہتے ہیں ۔ کہ جس طرح اندھیری رات میں ایک چھوٹا سا تنہا بچہ گیت شروع کر دیتا ہے ۔ اور وہ رات کو فریب دیتا ہے ۔ میری بھی فراق میں یہی حالت ہے کسی کی یاد مجھے ترانہ سکھا دیا ہے ۔ میں بھی گیت گانا شروع کر دیتا ہوں ۔ اور اس طرح سے اپنے دل کو سکیب اور شب فراق کو فریب دیتا ہوں ۔

فراق ہمارے شعرائے سلف کا ایک پامال اور پیش پا افتادہ مضمون ہے ۔ فراق کی رات طوالت کے بے شمار مبالغہ آمیز اشعار ہیں ۔ فراق میں شاعر یا عاشق پر جو قیامت گزرتی ہے ۔ اسے ہمارے مشاعروں نے سو سو رنگ سے دکھایا ہے ۔ خود تڑپے ہیں اوروں کو تڑپایا ہے ۔ لیکن اقبال کی نظم ”فراق“ (بانگ درا صفحہ ۱۳۹) ہمارے شاعروں کے فراق کے تمام

اشعار کے مجموعہ سے کہیں زیادہ بھاری ہے ۔ اس تمثیل کے علاوہ اس نظم میں تشبیہات کی دلکشی بھی ہے ۔ اور انداز بیان ایسا دلفریب ہے کہ کہیں اور نظر نہیں آتا ۔ اور یہ خدا کی دین ہے ۔

یہ رتبۂ بلند ملا ، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارور سن کہاں

۳ ۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ مرنے والے ، مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں ۔ اور حقیقت میں کبھی ہم سے جدا نہیں ہوتے ۔ اقبال ایک تمثیل سے کام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں ۔

آتی ہے ندی جبیں کوہ سے گاتی ہوئی
آسماں کے طائروں کو نغمہ سکھلاتی ہوئی

آئینہ روشن ہے اس کا صورت رخسار حور
گر کے وادی کی چٹانوں پر یہ ہو جاتا ہے چور

نہر جو تھی اس کے گوہر پیارے پیارے بن گئے
یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے

جوئے سیماب رواں پھٹ کر پریشاں ہو گئی
مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی

ہجر ان قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
دو قدم پر پھر وہی جو مثل تارسیم ہے

ایک اصلیت میں ہے نہر رواں زندگی
گر کے رفعت سے ہجوم نوع انساں بن گئی

ہستی عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم
عارضی فرقت کو دائم جان کر روتے ہیں ہم

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
وہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

تشبیہ اور تشابہ میں فرق :

ایک چیز کی کسی صفت کو واضح کرنے کے لئے عموماً اس چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ جس میں وہ صفت (یا وجہ تشبیہ) نمایاں اور واضح ترین ہو ۔ مثلاً یہ واضح کرنے کے لئے کہ فلاں چیز بڑی ٹھنڈی ہے ۔ ہم اسے برف سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ کیونکہ برف میں ٹھنڈک بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے ۔ کسی چیز کی گرمی اور تپش کو واضح کرنا ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں ۔ بیٹا ! ننگے پاؤں باہر قدم نہ رکھنا ۔ زمین ہے کہ جلتا ہوا توا ۔ جلتے ہوئے توے میں تپش اپنی انتہائی حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہے ۔ کسی چیز کی سفیدی کو واضح کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں ۔ کہ فلاں چیز کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہے ۔ اسی طرح سے کسی کی رنگت کی سیاہی دیکھ کر ہم اسے کالے کوئلے سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ یعنی تشبیہ وہ چیز ہے ۔ جس کے مشبہ اور مشبہ بہ میں کسی ایک صفت (یا زیادہ صفات) کا اشتراک ہوتا ہے اور مشبہ بہ میں وہ صفت زیادہ واضح ہوتی ہے ۔ مثلاً

میر نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

لب مشبہ ۔ گلاب کی پنکھڑی مشبہ بہ اور نازکی وجہ تشبیہ ۔ سی حرف تشبیہ ۔ ظاہر ہے کہ وجہ تشبیہ مشبہ بہ میں بدرجہ اتم موجود ہے ۔ اس لئے یہ تشبیہ بھی عمدہ ہے ۔

اسی طرح یہ تشبیہ دیکھئے:—

سرو سا قد تو گل سے رخسارے
سارے نازو بھرے بھرے سارے

قد کو سرو سے اور رخسار کو گل سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ اور وجہ تشبیہ ہر دو مشبہ بہ میں بہ نسبت مشبہ کے واضح تر ہے ۔

لیکن بسا اوقات شاعر دو چیزوں کا مقابلہ کرتا ہے ۔ اس کا مقصد کسی ایک صفت کو زیادہ نمایاں کرکے دکھانا نہیں ہوتا ۔ وہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مساوات دکھانا چاہتا ہے ۔ تو اسے تشبیہ نہیں کہتے ۔ بلکہ تشابہ کہتے ہیں ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں فلاں چیز آپس میں ایک دوسری کے مشابہ ہیں ۔ مثلاً سودا

انوری ، سعدی و خاقانی و مداح ترا
رتبہ شعر و سخن میں ہیں بہم چاروں ایک

یعنی ان چاروں میں سے کسی ایک کی دوسرے کے ساتھ تشبیہ مقصود نہیں بلکہ مساوات کا دکھانا مقصود ہے ۔

یا
نہ سوز شمع میں اور برق میں ہے فرق ظفر
نہ کچھ ہے پارے میں اور دل کے اضطراب میں فرق

سوز سینہ اور برق میں تشابہ ہے۔ اور پارے اور دل کے اضطراب میں مساوات دکھانا منظور ہے۔

تشابہ میں اگر مشبہ کو مشبہ بہ یا مشبہ بہ کو مشبہ کی جگہ رکھیں۔ تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تشابہ میں ایسا عکس صحیح رہتا ہے۔ کیونکہ ایک چیز کو دوسری سے تشبیہ دے کر کسی وصف یا صفت کو نمایاں کر کے دکھانا مقصود ہی نہیں ہوتا۔

مثلاً خاک کو مسند کمخواب سمجھتے ہیں فقیر
اور وہ جانتے ہیں مسندِ کمخواب کو خاک (ظفر)

یا حسن آئینہ عشق ہو عشق آئینہ حسن
میں تجھ کو نظر آؤں تو مجھ کو نظر آئے (داغ)

یا ہیئت نمک دیری آئینۂ حسنِ عمل
عمل خیر ترا جلوۂ حسنِ نیت (ذوق)

ان تینوں اشعار میں تشابہ ہے۔ تشبیہ نہیں۔

اقبال اپنی نظم ''طفل شیر خوار،، بانگ درا صفحہ ۶۰ میں کہتے ہیں۔

تیری صورت گاہ گریاں گاہ خنداں میں بھی ہوں
دیکھنے کو نوجواں ہوں طفل ناداں میں بھی ہوں

ان اشعار میں بھی تشابہ ہے۔ تشبیہ نہیں :۔

۱ ۔ تیرے بھی صنم خانے، میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی، دونوں کے صنم فانی (بالِ جبریل)

۱ ۔ سرور و شعر و سیاست ، کتاب و دین و ہنر
گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یکدانہ (ضرب کلیم)

اب اقبال کی ایک نظم ''چاند،، بانگ درا صفحہ ۷۶ کے چند اشعار دیکھئے ۔ ان اشعار میں بھی چاند کے ساتھ برابری اور مساوات دکھانا مقصود ہے ۔ تشبیہ نہیں ہے ۔ اس لئے ان اشعار میں بھی تشابہ ہے ۔

آفرینش میں سراپا نور تو ظلمت ہوں میں
اس سیہ روزی پہ لیکن تیرا ہم قسمت ہوں میں

ایک حلقے پر اگر قائم تیری رفتار ہے
میری گردش بھی مثال گردش پرکار ہے

زندگی کی راہ میں سرگرداں ہے تو حیراں ہوں میں
تو فروزاں محفلِ ہستی میں ہے سوزاں ہوں میں

میں رہ منزل میں ہوں تو بھی رہِ منزل میں ہے
تیری محفل میں جو خاموشی ہے میرے دل میں ہے

تو طلب خو ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے
چاندنی ہے نور تیرا عشق میرا نور ہے

انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
بزم میں اپنی اگر یکتا ہے تو تنہا ہوں میں

تشبیہ اور تجرید :

تجرید علم بدیع میں ایک معنوی صنعت ہے ۔ اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک ذی صفت شے سے اسی طرح کی ایک اور ذی صفت شے

حاصل کریں ۔ اور غرض اس سے مبالغہ ہو ۔ یعنی پہلی شے کسی صفت میں اس قدر کامل ہے ۔ کہ اس سے ایک اور شے اسی طرح کی حاصل ہوسکتی ہے ۔ مثلاً

چہرۂ انور سے تیرے ماہِ کامل آشکار
اور گیسوئے معنبر سے شب یلدا عیاں

چہرے کو زینت میں کامل قرار دیا ہے ۔ ایسا کامل کہ اس سے ماہِ کامل آشکار ہو ۔ اور ایسے ہی گیسوئے معنبر سے شب یلدا کو حاصل کیا ہے ۔ تجرید میں بھی تشابہ کی طرح شاعر تشبیہ کا قصہ ظاہر نہیں کرتا ۔ جیسا کہ اس شعر میں ہے ۔ ورنہ اگر شاعر اس شعر کے الفاظ یوں بدل دیتا کہ

چہرۂ انور ہے تیرا ماہ کامل کی طرح
اور گیسوئے معنبر شب یلدا کی طرح

تو یہ تشبیہ بن جاتی ۔ چہرہ انور مشبہ ، ماہ کامل مشبہ بہ نور چمک اور گولائی ۔ وجہ تشبیہ طرح حرف تشبیہ گیسوئے معنبر مشبہ ۔ شب یلدا مشبہ بہ ۔ وجہ تشبیہ سیاہی ۔ طرح حرف تشبیہ تجرید کی اور مثالیں دیکھئے :—

جلانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

کسی شمع دل کو جلانا یا روشن کرنا بذات خود ایک صفت ہے ۔ لیکن اتنی شمعیں جلانا کہ تاریک راتوں میں چراغاں ہو جائے ۔ دوسری صفت ہے ۔ جو پہلی صفت سے حاصل کی گئی ہے ۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

محبت کی چنگاری سے دل کے سراپا نور ہونے کی صفت میں یوں مبالغہ کیا ہے ۔ کہ اگرچہ محبت کا بیج ذرا سا ہوتا ہے ۔ لیکن اس کی قوت روئیدگی اس قدر زیادہ ہے ۔ کہ اس سے ایک آدھ پودا پیدا نہیں ہوتا ۔ بلکہ طور پر چمکنے والے نور کا ایک باغ پیدا ہوتا ہے ۔

تشبیہ اور استعارہ :

ایک شخص نہایت نڈر ، دلیر اور بہادر ہے ۔ اگر ہم اُس کی بے خوفی ، دلیری اور بہادری کو ان الفاظ میں ادا کریں ۔ کہ ''فلاں شخص نہایت نڈر ، دلیر اور بہادر ہے'' ۔ تو یہ معمولی پیرایۂ اظہار یا طریقہ ادائے مطلب ہوگا ۔ اسی مطلب کو اگر ہم یوں ادا کریں ۔ کہ ''فلاں شخص شیر کی مانند ہے'' ۔ تو یہ تشبیہ ہوگی ۔ اور معمولی طریقہ ادا کی نسبت کلام میں کچھ زیادہ زور پیدا ہو جائے گا ۔ لیکن اگر اُس شخص کا مطلق ذکر نہ کیا جائے ۔ اور کہا جائے ۔ کہ ''میں نے آج اُس شیر کو دیکھا'' ۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہو ۔ تو یہ استعارہ ہوگا ۔

اسی مطلب کے ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے ۔ کہ شیر کا نام بھی نہ لیا جائے ۔ بلکہ شیر کے جو خصائص ہیں ۔ اس شخص کی نسبت استعمال کئے جائیں ۔ مثلاً یوں کہا جائے ۔ کہ جب وہ میدان جنگ میں ڈکارتا ہوا نکلا (ڈکارنا شیر کی آواز کو کہتے ہیں) تو یہ بھی استعارہ ہوگا ۔ جو پہلے استعارہ کی نسبت زیادہ لطیف ہے(۱) ۔

(۲) شعر العجم حصہ چہارم (مولانا شبلی نعمانی) بیان تشبیہ و استعارہ ۔

اس کلام کا خلاصہ مطلب یہ ہے ۔ کہ کسی شخص کو طاقت و جرأت کی وجہ سے شیر کی مانند کہنا تشبیہ ہے ۔ اور فقط شیر کہنا استعارہ ۔ اور شیر کے خصائص یا صفات کا بیان کرنا اور اس سے کسی شخص کو مراد لینا بھی استعارہ ہے ۔ کسی خوبصورت بچے کو چاند کی مانند کہنا تشبیہ ہے اور صرف چاند کہہ کر وہ بچہ مراد لینا استعارہ ہے کسی حسین اور خوبصورت لڑکی کو حور یا پری کی مانند کہنا تشبیہ ہے اور حور یا پری کہنا اور اس سے وہ لڑکی مراد ہونا استعارہ ہے ۔ یہ کہنا کہ فلاں آدمی اپنی عادات و خصائل کے لحاظ سے فرشتہ کی مانند ہے تشبیہ ہے ۔ اور لفظ فرشتہ کہنا اور اس سے شخص مذکور مراد لینا استعارہ ہے ۔

تشبیہ اور استعارہ میں ایک فرق یہ ہے ۔ کہ تشبیہ میں حقیقی معنی مراد ہوتے ہیں ۔ اور استعارہ میں مجازی ۔ اس موقع پر حقیقت اور مجاز کی تھوڑی سی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے(۱) ۔

حقیقت اور مجاز دو ایسے لفظ ہیں ۔ جو کثرت سے استعمال ہوتے ہیں مگر اس کثرت استعمال کے باوجود ہم ان کی جامع و مانع تعریف کرنے سے قاصر ہیں ۔ ممکن ہے ۔ ایک چیز جو ایک شخص یا ایک جماعت کو حقیقت نظر آتی ہو ۔ وہ دوسرے شخص یا دوسری جماعتوں کے نزدیک حقیقت نہ ہو ۔

---

(۱) مفصل تشریح کے لئے کتب بلاغت مثلاً بحرالفصاحت ، حدائق البلاغت یا کنزا لبلاغت وغیرہ دیکھئے ۔

لو شمعِ حقیقت کی ہے اپنی جگہ وہ ہی
فانوس کے جلوے میں کیا کیا نظر آتا ہے

شمع حقیقت کی لو وہی ایک ہے - لیکن فانوس کے جلوے میں اس کے کئی رنگ نظر آتے ہیں - اور لوگ اپنی اپنی فطری استعداد اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک رنگ کو حقیقت سمجھنے لگ جاتے ہیں - حقیقت کے واضح ادراک کے لئے ہم نے مجاز کا لفظ وضع کر لیا - جس طرح دن اور رات کا تصور ایک دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتا - جس طرح سیاہ و سفید کا تصور ایک دوسرے کے بغیر مشکل ہے - اسی طرح مجاز کے بغیر حقیقت کا ادراک ناممکن نہیں مشکل ضرور ہے -
مرزا غالب فرماتے ہیں :

ممکن نہیں ہے حسن حقیقت کا دیکھنا
آئینۂ مجاز اگر روبرو نہ ہو

ہے کشف دادہ ہیچ ہے بے رنگ گل فضول
وہ حسن کیا کہ جس میں حقیقت کی بو نہ ہو

غالب نماز عشق کی مقبولیت محال
جب تک کہ اپنے خون جگر سے وضو نہ ہو

ہم ان الفاظ کا روز استعمال کرتے ہیں - اور کہتے ہیں - فلاں شخص کا مجازی عشق ، حقیقی عشق میں تبدیل ہو گیا - ہم حقیقی خدا کے سامنے سر بسجود رہتے ہیں - لیکن فلاں مذہب کے پیروکار مجازی خداؤں کو سجدہ کرتے ہیں - یہ دنیا مجاز ہے اور دوسری د (حیات بعد الموت) حقیقی ہے - اس دنیا کا ساز و سامان مجازی ہے - ا

اگلی دنیا کے لئے نیک اعمال حقیقی زاد راہ ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اور اس طرح غور و فکر کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں ۔ کہ

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پر تو آں
ہر کجا می نگری انجمنی ساختہ اند

کہ حقیقت کا ادراک مشکل ہے ۔ مگر لفظ کی حقیقت کا ادراک مشکل نہیں ۔ لفظ ابتدا میں کسی خاص چیز کے اظہار کے لئے بنایا گیا تھا ۔ بعد میں اس چیز کی صفات یا اوصاف کے بیان کرنے میں بھی وہی لفظ استعمال ہونے لگا ۔ پس اگر کوئی لفظ معنیٰ موضوع لہ، کے لئے استعمال ہو ۔ تو وہ حقیقت ہے ۔ دوسری صورتوں میں اس کا استعمال مجاز ہے ۔

علم بیان کی رو سے حقیقت کی چار قسمیں ہیں :

(۱) حقیقت لغوی

(۲) حقیقت شرعی

(۳) حقیقت عرفی خاص یا حقیقت اصطلاحی

(۴) حقیقت عرفی عام

اگر کوئی لفظ لغت میں کسی خاص معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے ۔ تو یہ حقیقت لغوی ہے اگر کوئی لفظ شرع میں کسی خاص معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے ۔ تو یہ حقیقت شرعی ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی لفظ کسی خاص فرقے (مثلاً نحوی ۔ صرفی یا منطقی وغیرہ) کی اصطلاح میں وضع کیا گیا ہے ۔ تو اُسے حقیقت عرفی خاص یا حقیقت اصطلاحی کہتے

ہیں ۔ اور اگر وہ لفظ کسی خاص فرقے کی اصطلاح میں وضع نہیں کیا گیا ۔ بلکہ عام اشخاص اُس لفظ سے وہ معنی سمجھ لیتے ہیں ۔ تو یہ حقیقت عرفی عام ہے ۔

حقیقت کی مانند مجاز کی بھی چار قسمیں ہیں ۔ مجاز لغوی ۔ مجاز شرعی ۔ مجاز عرفی خاص یا مجاز اصطلاحی اور مجاز عرفی عام ۔ لفظ شیر کا استعمال ایک مشہور درندے کے لئے حقیقت لغوی ہے ۔ اور کسی بہادر اور جری آدمی کے لئے مجاز لغوی ۔ صلواہ کا لفظ نماز کے لئے استعمال کرنا حقیقت شرعی اور عام دعا کے معنوں میں اس کا استعمال مجاز شرعی ہے ۔ فعل علم نحو میں اُس لفظ خاص کے لئے موضوع ہے ۔ جو سند ہونے کی صلاحیت رکھے اور علاوہ معنی مصدری کے جو اُس کے جوہر ہیں ۔ تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اُس کے ساتھ پایا جائے ۔ پس اگر یہ لفظ نحو کی اصطلاح میں استعمال ہو تو حقیقت عرفی خاص یا حقیقت اصطلاحی کہلائے گا ۔ اور فعل کے معنی کام بھی ہے ۔ پس اگر یہ لفظ کرنے کے معنوں میں پایا جائے ۔ تو مجاز عرفی خاص یا مجاز اصطلاحی ۔ لفظ تعزیہ عام کے نزدیک تابوت حضرت امام حسینؑ کے معنی میں ہے ۔ مثلاً

مومنو ۔ زیر زمیں تعزیے دفناتے ہیں
آج دنیا سے حسین ابن علی جاتے ہیں

ان معنوں میں تعزیہ کا استعمال حقیقت عرفی عام ہے اور ماتم پرسی کرنے کے معنوں میں اس لفظ کا استعمال مجاز عرفی ہے ۔

ان مثالوں سے ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں ۔ کہ الفاظ ابتداءً کسی ایک خاص حقیقت کو بیان کرنے کے لئے بنائے گئے ۔ جوں جوں زبان و

بیان کو وسعت نصیب ہوتی گئی - بعض الفاظ اپنے حقیقی معنوں کے علاوہ اور معنوں میں بھی استعمال ہونے لگے - اول الذکر مقصد کے لئے الفاظ کا استعمال حقیقت اور ثانی الذکر معنوں کے لئے انہی الفاظ کا استعمال مجاز ہے -

حقیقت اور مجاز کے بارے میں ایک بات اور یاد رکھنے کے قابل ہے - اگر کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے - تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا - یعنی ان معنوں میں نفی کی گنجائش نہیں ہوتی - شیر کو ہر حالت میں شیر ہی کہیں گے - لیکن اگر یہ لفظ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے - تو اس سے انکار بھی کیا جا سکتا ہے - آپ کہتے ہیں - کہ زید تو شیر ہے - دوسرا شخص کہہ سکتا ہے - زید کہاں کا شیر ہے - بزدل ہے - گیدڑ ہے - فلاں موقع پر آیے فلاں شخص نے للکارا - تو زید دم دبا کر میدان سے بھاگ نکلا - یہ لفظ شیر کا مجازی استعمال تھا - جس سے انکار بھی کیا جا سکتا ہے - مجازی معنوں میں انکار اور شک و شبہ کی گنجائش بھی ہوتی ہے -

لفظ کے حقیقی اور مجازی معنوں میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے - یہ تعلق یا علاقہ کئی قسم کا ہوتا ہے - ظرف اور مظروف میں ظرفیت کا تعلق - مسبب اور اسباب میں سبب کا تعلق ، شیر کے حقیقی اور مجازی معنوں میں جرأت ، بے خوفی اور دلیری کا تعلق - غرض کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے - ورنہ لفظ کا مجاز میں استعمال ہو ہی نہیں سکتا - حقیقت اور مجاز میں اگر تشبیہہ (مشابہت) کا تعلق ہے - تو وہ مجاز استعارہ کہلاتا ہے - اور اگر کوئی اور تعلق ہے - تو وہ مجاز مجاز مرسل ہے -

اب اس سے بھی آسان لفظوں میں استعارہ کی تعریف کی جاتی ہے۔ ماں بچے کو پیار سے چاند جیسا کہتی ہے۔ عاشق اپنے محبوب کو چاند یا مہتاب یا آفتاب کی مانند کہتا ہے۔ لیکن گفتگو میں اگر ماں کہے۔ کہ ہائے میرا چاند کدھر گیا؟ یا عاشق کہے۔ کہ لوگ عید کا چاند دیکھ رہے تھے۔ میں بھی چاند دیکھنے کے لئے بام پر گیا۔ لوگ عید کے چاند کو دیکھ رہے تھے اور میں اپنے چاند کو تلاش کر رہا تھا۔ تو ہم ماں کا مطلب اور عاشق کا مطلب سمجھ جاتے ہیں۔ ان دونو نے لفظ چاند مجازی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ماں کے بچے اور عاشق کے محبوب اور چاند کے درمیان ایک مشابہت کا تعلق ہے۔ اس لئے مجازی معنوں میں چاند کے معنی خوبصورت بچہ یا خوبصورت محبوب ہے۔

تشبیہہ اور استعارہ میں پہلا فرق حقیقت اور مجاز کا ہے۔ تشبیہہ میں دو چیزوں کے درمیان اتحاد معنی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ فلاں آدمی شیر کی مانند ہے۔ تو نہ ہی لفظ، آدمی مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے نہ لفظ شیر۔ اور شیر کی جن صفات کا آدمی اور شیر میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ وہ بھی حقیقت ہیں۔ لیکن اگر کسی مرد شجاع کے لئے صرف لفظ شیر بول کر مراد اس سے مرد شجاع لیتے ہیں۔ تو یہاں لفظ شیر اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور لفظ شیر کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہہ کا تعلق ہے۔ اس لئے یہ استعارہ ہے۔

تشبیہہ اور استعارہ میں دوسرا فرق یہ ہے۔ کہ تشبیہہ میں عموماً چار چیزیں (مشبہ۔ مشبہ بہ۔ وجہ تشبیہہ اور حرف تشبیہہ) مذکور ہوتی ہیں۔ اور اگر ان میں سے ایک یا دو (حرف تشبیہہ اور وجہ تشبیہہ) کا

ذکر نہ بھی کیا جائے ۔ تو مشبہ اور مشبہ بہ دونو ضرور مذکور ہوتے ہیں ۔ لیکن استعارہ میں مشبہ اور مشبہ بہ میں سے بھی صرف ایک مذکور ہوتا ہے ۔ بعض اوقات مشبہ بہ کو عین مشبہ فرض کر لیا جاتا ہے ۔ اور بعض اوقات ذکر صرف مشبہ کا ہوتا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ خواص یا اوصاف مشبہ بہ کے مذکور ہوتے ہیں ۔

استعارہ میں مشبہ کو مستعارلہ ، اور مشبہ بہ کو مستعار منہ اور وجہ تشبیہہ کو وجہ جامع کہتے ہیں ۔ مثلاً اس شعر میں

خرام ناز سے او بت نہ آنا میرے مرقد پر
تری ٹھوکر میں ہے انداز اعجاز مسیحائی

لفظ بت اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوا ۔ یہاں بت سے معشوق مراد ہے ۔ اور معشوق اور بت میں علاقہ تشبیہہ کا ہے بوجہ سنگدلی کے ۔ بت مستعار منہ ہے ۔ معشوق مستعارلہ، ہے ۔ اور وجہ جامع سنگدلی ہے ۔ یہاں صرف مستعار منہ مذکور ہے ۔ مستعارلہ مذکور نہیں ۔ تشبیہ کی اصطلاح میں مشبہ بہ مذکور ہے ۔ مشبہ مذکور نہیں ۔ مشبہ بہ کو عین مشبہ فرض کر لیا گیا ہے ۔

استعارہ میں حرف تشبیہ کی بجائے ایک لفظ ایسا ہوتا ہے ۔ جو اس بات کی دلالت کرتا ہے ۔ کہ کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوا ۔ بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ مثلاً

میں اس گل کو پیغام دیتا ہزاروں
ہوا ہو گئی پر ہوا کہتے کہتے

گل کو پیغام دینا ۔ پیغام دینا دلالت کرتا ہے اس بات کی کہ گل کا لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوا ۔ کیونکہ گل میں تو پیغام لینے یا دینے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ۔ اس شعر میں محبوب مستعارلہ ۔ گل مستعارمنہ ۔ نزاکت اور نفاست وجہ جامع ہے ۔

یا مثلاً گھر کی حالت جو اور ہوتی ہے
چھت بھی بے اختیار روتی ہے

اس شعر میں رونا دلالت ہے ۔ اس بات کی کہ چھت کا لفظ اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ ورنہ چھت میں رونے کی استعداد کہاں ۔ یہ استعارہ فعل میں ہے ۔ چھت کا ٹپکنا مستعارلہٗ ۔ رونا مستعارمنہ ۔ پانی کا بہنا یا ٹپکنا آنسوؤں کی مانند وجہ جامع ہے ۔

یا آس آب حیات سے جدا ہوں
مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہوں

پہلے مصرع میں استعارہ ہے ۔ اور دوسرے میں تشبیہ ۔ پہلے مصرع میں محبوب استعارلہٗ آب حیات مستعارمنہٗ ۔ وجہ جامع نادر و مرغوب و مطلوب ہونا ۔ دوسرے مصرع میں میں (شاعر) مشبہ ۔ مچھلی مشبہ بہ ۔ تڑپنا وجہ تشبیہ ۔ طرح حرف تشبیہ ۔

اب علامہ اقبال کے چند ایک استعارات پر غور کیجئے :—

۱ ۔ پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو ۔ نالہ مری دعا ہو (ایک آنسو)

پہلے مصرع میں استعارہ ہے ۔ شبنم کا لفظ ایک ایسے آدمی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ جو وضو کراتا ہے ۔ لیکن دوسرے مصرع میں رونا

مشبہ اور وضو مشبہ‌بہ ہے ۔ نالہ مشبہ اور دعا مشبہ‌بہ ہے ۔ رونے او وضو میں پانی (آنسوؤں کا) اور نالہ دعا میں سینہ سوزاں سے نکلنے والی آہیں وجہ تشبیہ ہیں ۔

۲ ۔ ضو سے اُس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبار راہ سے شرمندہ ہے (وصال)

۳ ۔ مرے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہر نظارہ تڑپتی ہے نگاہِ بے تاب (کلی)

۴ ۔ اپنے خورشید کا نظارہ کروں دور سے میں
صفتِ غنچہ ہم آغوش رہوں نور سے میں

ان تینوں شعروں میں خورشید استعارہ ہے ۔ محبوب مستعارلہٗ ۔ خورشید مستعارمنہ ، زندگی بخشنے والا نور ۔ وجہ جامع ۔ اُس ۔ مرے ۔ اپنے ۔ یہ الفاظ لفظ مستعار کی دلالت کرتے ہیں ۔

۵ ۔ نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر (صقلیہ)

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ مستعارلہ ۔ بلبل مستعارمنہ ۔ شیراز کی تخصیص دلالت ہے ۔ اس بات کی کہ بلبل کا لفظ استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ۔

۶ ۔ آج لیکن ہمنوا سارا چمن ماتم میں ہے
شمع روشن بجھ گئی ۔ بزم سخن ماتم میں ہے (داغ)

داغ دہلوی مستعارلہ ۔ شمع روشن مستعارمنہ ۔ روشنی اور رہنمائی وجہ جامع ۔ ایسی شمع روشن جس کے بجھنے سے بزم سخن ماتم میں ہے ۔ دلالت اس بات کی شمع روشن سے کوئی سنخگو مراد ہے ۔

۷ ۔ جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد
(ضرب کلیم)

خورشید کا زرد ہونا استعارہ ہے رو بزوال ہونے اور مٹنے کا ۔ کیونکہ خورشید غروب کے قریب پہنچ کر زرد ہو جاتا ہے ۔ اور کرنوں کی چمک دمک دھو بیٹھتا ہے ۔

۸ ۔ ہوا حریف مہ و آفتاب تو جس سے
رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی (ضرب کلیم)

مردان غازی مستعارلہ، ستارے مستعارمنہ، ، درخشانی وجہ جامع ۔ تیرے دلالت کا لفظ ۔

۹ ۔ اے جہان آباد ! اے گہوارۂ علم و ہنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در

ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر

دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے

(مرزا غالب)

دوسرے شعر میں ''شمس و قمر'' اور ''گہر'' استعارہ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں - اور مراد ان سے جو ہر قابل رکھنے والے انسان ہیں -

(۱۰) - ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے
کچھ اور آجکل کے کلیموں کا طور ہے (درد عشق)

حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ کہتے ہیں - جن کو کوہ طور پر خداوند تعالیٰ سے شرف مکالمہ حاصل ہوا ''آج کل کے کلیم'' - - لفظ ''آجکل کے'' دلالت کرتا ہے - کہ کلیم اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوا - بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے - اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہے - اس لئے یہ استعارہ ہے(۱) -

(۱۱) چہچہاتے ہیں پرندے یا کے پیغام حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرام حیات
(نوید صبح)

پھولوں کا گلشن میں احرام حیات باندھنا (یعنی ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا) ایک دلکش استعارہ ہے -

(۱۲) بھر آئے پھول کے آنسو پیام شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے

پیام شبنم - پھول کے آنسو - کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے - یہ سب استعارے ہیں -

(۱) استعارہ کی مفصل بحث ہمارے موجودہ موضوع سے خارج ہے - اس لئے مجملاً سا ذکر استعارے کا کیا گیا ہے-

بے جان یا غیر ذوی العقول جانداروں کو زبان ـ نگاہ ـ دل و حرکت بخشنا استعارہ کا کام ہے ـ اس لئے عقل و دل کا مناظرہ (بانگ درا صفحہ ۲۸) ، حقیقت حسن (بانگ درا صفحہ ۱۱۶) پیام صبح (بانگ درا صفحہ ۷۴) ایک پرندہ اور جگنو (بانگ درا صفحہ ۹۳) اختر صبح (بانگ درا صفحہ ۱۲۰) چاند اور تارے (بانگ درا صفحہ ۱۲۴) اور ایسی ہی کئی اور نظمیں جن میں بے جان چیزوں کے مناظرے یا سوال و جواب ہیں ـ استعارات سے پر ہیں ـ جن پر مفصل بحث کرنا ہمارے موجودہ موضوع کی حد سے باہر ہے ـ

اضافت استعارہ

اضافت تشبیہ میں مشبہ بہ کو مشبہ کا مضاف بنا لیتے ہیں ـ اور اضافت حرف تشبیہ کا کام دیتی ہے ـ اضافت استعارہ کی بھی تقریباً وہی صورت ہے ـ اس میں مستعارلہ، اور مستعار منہ میں سے کسی ایک کا ذکر کرتے ہیں ـ اور دوسرے کی صفت کو پہلے لفظ کا مضاف بنا لیتے ہیں ـ مثلاً مار زلف میں اضافت تشبیہ ہے ـ اور مار آستین میں اضافت استعارہ ـ کیونکہ زلف کو سانپ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اور آستین کو سانپ سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی ـ اسی طرح ''ناخن ہلال،، میں اضافت تشبیہ ہے ـ اور ''ناخن تدبیر،، میں اضافت استعارہ ـ ہلال ناخن کی مانند ہوتا ہے ـ لیکن تدبیر ناخن کی مانند نہیں ہوتی ـ پس جس مرکب میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تشبیہ کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے ـ اُن میں اضافت تشبیہ ہے ـ اور جہاں مضاف اور مضاف الیہ میں تشبیہ کا رشتہ قائم نہ کیا جا سکے ـ اور ایک چیز کو کوئی صفت عاریتاً دی گئی ہو وہاں اضافت استعارہ ہوگی ـ اضافت تشبیہ کی کئی مثالیں ہم پہلے پیش

چکے ہیں ۔ اضافت استعارہ کی چند ایک مثالیں صرف بانگ درا سے پیش کی جاتی ہیں ۔

(۱) ۔ **توسن ادراک :**

یہ تلاش متصل شمع جہاں افروز ہے
توسن ادراک انساں کو خرام آموز ہے
(گل رنگین)

یہ تلاش متصل جو شمع جہاں افروز کی مانند ہے ۔ انسان کی سمجھ کے گھوڑے کو اچھی چال چلنا سکھاتی ہے ۔ انسان کی سمجھ کو استعارۃً ایک گھوڑا قرار دیا ہے ۔ اور گھوڑے کو شہسوار پہلے آہستہ چلنا ، تیز چلنا ۔ تیزگامی ، پویہ وغیرہ چالیں سکھاتے ہیں ۔ انسانی فطرت میں تجسس اور تلاش متصل کا ملکہ ایک شہسوار کی مانند ہے ۔ اور انسانی ادراک کو ایک گھوڑے کی مانند قرار دے کر واضح یہ بات کی ہے ۔ کہ تجسس اور تلاش متصل ہی انسان کو نئی نئی باتوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں ۔

(۲) ۔ **شاہد مضموں :**

شاہد مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی گل شیراز پر
(مرزا غالب)

مضمون کو ایک محبوب کی مانند قرار دیا ہے ۔ مضمون محبوب کی مانند نہیں ہوتا ۔ اس لئے یہ اضافت ، اضافت استعارہ ہے ۔

(۳) ـ گیسوئے اردو :

گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزئ پروانہ ہے

اردو کے گیسو کہاں ہوتے ہیں ۔ یہ استعارہ نے بخشے ہیں ۔

(۴) ـ نقاب روئ شام

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقاب روئے شام
شانۂ ہستی پہ ہے بکھرا ہوا گیسوئے شام
(خفتگان خاک سے استفسار)

شام کے چہرے سے نقاب کا اٹھنا ۔ شام کے گیسوؤں کا شانۂ ہستی پر بکھر جانا ، سب استعارات ہیں ۔ اس لئے نقاب روئے شام اور شانۂ ہستی اور گیسوئے شام ان تینوں مرکبات میں اضافت استعارہ ہے ۔

(۵) ـ فصد آفتاب :

طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب (ماہ نو)

طشت گردوں اور نشتر قدرت میں اضافت تشبیہہ ہے اور فصد آفتاب میں اضافت استعارہ ۔

(۶) ـ عروس شام :

چرخ نے بالی چرا لی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی (ماہ نو)

عروس شام میں اضافت استعارہ ہے ۔ شام کو استعارۃً عروس کہا گیا ہے ۔

(۷) - **قمری شمشاد معانی :**

حضرت نے سرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
اقبال کہ ہے قمری شمشاد معانی
پابندی احکام شریعت میں ہے کیا
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہمدانی
(زہد اور رندی)

معنوں کو شمشاد کے درخت سے تشبیہ دے کر اس پر شاعر کو استعارۃً قمری بنا کے بٹھا دیا اس لئے قمری شمشاد معانی میں اضافت استعارہ ہے -

(۸) - لیلیٔ معنی :

تھی زبان داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلیٔ معنی وہاں بے پردہ یا محمل میں ہے (داغ)

لیلیٔ معنی میں بھی اضافت استعارہ ہے -

(۹) - **نقاب آگہی - حجاب آگہی :**

نور تیرا چھپ گیا زیر نقاب آگہی
ہے غبار دیدہ بینا حجاب آگہی
(بچہ اور شمع)

نقاب آگہی اور حجاب، آگہی میں اضافت استعارہ ہے -

(۱۰) ۔ کشتۂ عزلت :

کشتۂ عزلت ہوں آبادی میں گھبراتا ہوں میں
شہر سے سودا کی شدت میں نکل جاتا ہوں میں

(نالۂ فراق)

کشتۂ عزلت میں اضافت استعارہ ہے ۔

(۱۱) ۔ عروس زمین شام :

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام

(جنگ یرموک کا ایک واقعہ)

شام کی سر زمین کو ایک عروس فرض کر لیا گیا ہے ۔ جو حنا کی منتظر تھی ۔ مطلب اس استعارے کا صاف ہے ۔ فوجیں تیار کھڑی تھیں ۔ خون بہنے والا تھا ۔ یہاں حنا بھی استعارہ ہے ۔ اور عروس زمین شام میں اضافت بھی استعارہ کی ہے ۔

(۱۲) ۔ طائر دیں :

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی ، طائر دیں کر گیا پرواز

(فردوس میں ایک مکالمہ)

دین پرندے کی مانند نہیں ہوتا ۔ اس لئے طائر دیں استعارہ ہے ۔
اور اس کی اضافت اضافتِ استعارہ ۔

(۱۳) ۔ سنگِ ہوس اور شیشہ ہوش :

شریک بزم امیر و وزیر و سلطان ہو
لڑا کے توڑ دے سنگ ہوس سے سینۂ ہوس

(قرب سلطان)

سنگ ہوس اور سینۂ ہوس دونوں میں اضافت استعارہ ہے ۔

(۱۴) ۔ شراب تقدیر ، زندان فلک ، مئے نمود :

سارے مست شراب تقدیر زندان فلک میں پابہ زنجیر
لذت گیر وجود ہر شے سرمست مئے نمود ہر شے

(انسان)

شراب تقدیر ۔ زندان فلک ۔ مئے نمود تینوں مرکبات میں اضافت استعارہ ہے ۔

(۱۵) ۔ زنجیر توہم :

مردہ عالم زندہ جن کی شورش قم سے ہوا
آدمی آزاد زنجیر توہم سے ہوا (صقلیہ)

زنجیر توہم میں اضافت استعارہ ہے ۔

اضافت استعارہ اور اضافت تشبیہ میں فرق :

اضافت استعارہ اور اضافت تشبیہ میں یہ فرق ہے ۔ کہ اضافت تشبیہ کے طرفین (یعنی مضاف اور مضاف الیہ) واقعی مشبہ اور مشبہ بہ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ لیکن اضافت استعارہ کے طرفین مشبہ اور مشبہ بہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے ۔ ان کو کوئی صفت عاریتاً دی جاتی ہے ۔ جیسے استعارہ کے بیان کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں ۔ مار زلف میں زلف مشبہ اور مار مشبہ بہ ہو سکتا ہے ۔ لیکن کمر ہمت اور

پائے ثبات میں کمر کو ہمت سے اور پاؤں کو ثبات سے تشبیہ دی جاسکتی ۔
اسلئے کمر ہمت اور پائے ثبات میں اضافت و استعارہ ہے ۔

تشبیہ کے حسن و قبح کا معیار :

تشبیہ کلام کا زیور ہے ۔ زیور کا خوش سلیقگی سے استعمال خواتین کی خوبصورتی میں اضافہ کا باعث بنتا ہے ۔ اور اگر آپ کسی خاتون کو سر سے پاؤں تک زیور سے لدا ہوا دیکھیں ۔ تو جہاں اس کے تمول کی طرف توجہ جائے گی ۔ وہیں اس کا بھوڑ پن اور گموار پن بھی نظر میں کھٹکنے لگے گا ۔ زیور ایک عمدہ چیز ہے ۔ خادمہ سے لے کر مالکہ تک اور کنیز سے لے کر ملکہ تک تمام عورتیں زیور پہننا پسند کرتی ہیں ۔ لیکن اپنے اپنے ذوق اور اپنی اپنی پسند کے مطابق ۔ تشبیہات کا استعمال بھی کسی شاعر کی فطری استعداد اور ذوق سلیم کی نشان دہی کرتا ہے ۔ اس لئے شاعر کو چاہئے کہ تشبیہات کے استعمال میں وہ نہ صرف اپنی پسند کا خیال رکھے ۔ بلکہ اپنے کلام کے قدر دانوں کے ذوق کا بھی خیال رکھے ۔ اور ایسی تشبیہات وضع کرے ۔ جن کی بدولت ہر کہ و مہ سے خراج تحسین حاصل کر سکے ۔ اگرچہ ''قبول خاطر و لطف و سخن خدا داد است'' تاہم شاعر کی محنت اور غور و فکر قبول خاطر و لطف سخن میں بڑا کام کرتے ہیں ۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے ، خون جگر سے نمود
(بال جبریل)

تشبیہ کا ایک مقصد ہوتا ہے ۔ تشبیہ کی ایک غرض ہوتی ہے ۔ جس

کا ذکر ہم نے اوپر ''غرض تشبیہ'' کے عنوان سے کیا ہے - کبھی تشبیہ کی غرض مشبہ کو زیادہ وقیع ، زیادہ حسین ، زیادہ شاندار دکھانا ہوتی ہے - اور کبھی تشبیہ کا مقصد مشبہ کو زیادہ مذموم ، زیادہ بدصورت اور گھٹیا صورت میں دکھانا مقصود ہوتا ہے - جو تشبیہ اپنے مقصد میں زیادہ سے زیادہ کامیاب ہو - وہی حسی تشبیہ ہے - وہی سب سے اعلیٰ اور عمدہ ہے - سودا ایک بسیار خور کی ہجو میں کہتے ہیں - کہ اس کا منہ کسی غار کے منہ کی مانند ہے - اور پیٹ دوزخ کی مانند جو ہر لمحہ ھل من مزید کی رٹ لگائے رکھتا ہے - اقبال شاہین کے مقابلے میں دوسرے پرندوں کو حقیر دکھانا چاہتے ہیں - تو ''اچھوت'' کی تشبیہ استعمال کرتے ہیں -

داغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر

لیکن اے شہباز یہ مرغان صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بے خبر (ضرب کلیم)

ہندوستان میں برہمن اور اچھوت کے مسئلہ کو تمام لوگ جانتے ہیں - اس حالت میں زاغ اور شپرک کو مرغان صحرا کے اچھوت کہنا - - یا انہیں اچھوت سے تشبیہ دینا - - نہایت ہی دلنشیں تشبیہ ہے - جو شہباز اور زاغ و شپرک کے فرق مراتب کو نہایت عمدگی سے واضح کرتی ہے -

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں۱ - ''تشبیہ کی دو قسمیں ہیں - مفرد اور مرکب - مفرد تشبیہ میں چنداں جدت نہیں ہو سکتی - اولاً تو اس وجہ سے کہ مفرد چیزوں کی طرف ہر شخص کا خیال منتقل ہو سکتا ہے -

---

۱ - بحوالہ موازنہ دبیر و انیس مطبوعہ شیخ مبارک علی - لاہور - صفحہ ۶۹

ثانیاً مدت سے شعراء اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہیں ۔ البتہ مرکب تشبیہ میں ہر وقت جدت پیدا ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ اولاً تو ترکیب کی ہزاروں صورتیں ہیں ۔ دوسرے یہ کہ چند اشیاء کی ترکیب سے جو مجموعی ہئیت پیدا ہوتی ہے ۔ اس کی طرف ہر شخص کا خیال منتقل نہیں ہو سکتا ۔،،

یہ بات درست ہے ۔ کہ مرکب تشبیہ میں مفرد تشبیہ کی نسبت جدت پیدا کرنا آسان ہے ۔ لیکن مطالعہ اور فطری استعداد رکھنے والا شاعر مفرد تشبیہات میں بھی جدت پیدا کر سکتا ہے ۔ اقبال کے کلام میں اس کی بیسیوں مثالیں ہیں ۔ ''ماہ نو،، (بانگ درا) کی تشبیہات کو دیکھئے ۔ ۔ خورشید کی کشتی ٹوٹ کر غرقاب ہو گئی ہے ۔ اب اس کا ایک ٹکڑا روئے آب پر تیرتا پھرتا نظر آتا ہے ۔ ماہ نو قدرت کی نشتر ہے ۔ جس نے فصد آفتاب کھولی ہے ۔ یہ عروس سام کی بالی ہے ۔ یا دریائے نیل میں خالص چاندی کی مچھلی ہے ۔

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل

طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب

چرخ نے بالی چرا لی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی

ماہ نو ۔ مشبہ مفرد

۱ ۔ خورشید کی ٹوٹی ہوئی کشتی کا ایک ٹکڑا ۔ مشبہ‌بہ مفرد

۲ - نشتر قدرت - - - - - - - - - - مشبہ بہ مفرد

۳ - بالی - - - - - - - - - - - - - مشبہ بہ مفرد

۴ - سیم خام کی مچھلی - - - - - - - - - مشبہ بہ مفرد

دیکھ لیجئے - اقبال نے مفرد تشبیہات میں بھی وہ حسن پیدا کر دیا ہے - جسے دیکھ کر منہ سے بے اختیار سبحان اللہ نکلتا ہے -

تشبیہات کی ایک بڑی خوبی یہ ہوتی ہے - کہ وہ قریب الماخذ اور عام فہم ہوں - لیکن اس انداز سے پیش کی جائیں - کہ ان کی عمومیت میں بھی دلکشی پیدا ہو جائے - مثلاً آنسوؤں کے قطروں کو شبنم سے اور شبنم کو آنسوؤں سے یا دونو کو موتیوں سے تشبیہ دی جاتی ہے - یہ تشبیہ فارسی سے اُردو میں آئی - اور آج تک اسی طرح استعمال ہوتی ہے -

مثلاً کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا (انیس)

یا دکھلائے ہم نے آنکھ سے لے کر جو در اشک
قائل ہماری آنکھ کے سب جوہری ہوئے (سودا)

اب اقبال کے کلام میں اس تشبیہ کی مفرد اور مرکب دونوں صورتیں دیکھئے - کہ کس طرح اس عام تشبیہ کو بھی خوبصورت بنا لیا گیا ہے -

مفرد صورت برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن
(بال جبریل)

مرکب صورت ہے رگ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سورج کی کرن شبنم میں ہے الجھی ہوئی
(گورستان شاہی)

اسی سلسلہ میں علامہ شبلی نعمانی نے شعر العجم میں ایک فارسی تشبیہ کی بڑی تعریف کی ہے -

بروی گل نہ شبنم ساختہ جدا
گسستہ چرخ سبحہ ملک را

یعنی پھولوں پر شبنم نہیں ہے - بلکہ آسمان نے کسی فرشتے کی تسبیح کو توڑ دیا ہے (اور اب اُس کے موتی (دانہ ہائے تسبیح) پھولوں پر بکھرے پڑے ہیں -

تشبیہ میں دو چیزوں کے درمیان کسی ایک صفت یا وصف کا اشتراک ہوتا ہے - اعلیٰ اور عمدہ تشبیہ وہ ہے - جس کے مشبہ بہ میں وہ صفت یا وصف بدرجہ اَتم موجود ہو - تاکہ مشبہ کی حالت کی وضاحت پوری طرح سے ہو سکے - مثلاً کالے آدمی کو رنگ کی وجہ سے کوئلے سے تشبیہ دینا - غصہ کی وجہ سے چمکدار آنکھوں کو لال انگارہ کہنا - نرمی نزاکت اور نفاست کی وجہ سے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دینا - وغیرہ وغیرہ - لیکن بعض عالموں کی رائے میں سب سے اچھی تشبیہ وہ ہے - جس کو معکوس کریں - تو بھی تشبیہ درست معلوم ہو - مثلاً شب تار کو زلف سے یا زلف کو شب تار سے تشبیہ دینا - نعل یا ناخن کو ہلال سے اور ہلال کو نعل یا ناخن سے تشبیہ دینا - اور ناقص ترین تشبیہ وہ ہوتی ہے - جس کی خارج میں کوئی مثال نہ دے سکیں -

مثلاً تنور کی آگ کو دریائے آتش کہنا ۔ یا آگ کی زیادتی ظاہر کرنے کے لئے کہنا کہ آگ کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے ۔ سرخ پھول کو آگ سے یا انگارے سے تشبیہ دے سکتے ہیں ۔ لیکن خیال کو اس حد سے آگے بڑھانا اور کہنا کہ پھول کی آگ سے ہاتھ جل گئے ہیں ۔ مذاق سلیم کو ہرگز گوارا نہیں ہوتا ۔ ان اشعار میں یہی ناقص تشبیہ کار فرما ہے ۔

۱ ۔ کیا نزاکت ہے کہ توڑا شاخ گل سے کوئی پھول
آتش گل سے پڑے چھالے تمہارے ہاتھ میں

۲ ۔ آشیانہ میں میرے بلبل کے
آتش گل سے رات پھول پڑا

آزاد لکھتے ہیں کہ ”ان خیالی رنگینیوں اور فرضی لطافتوں کا نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ جو باتیں بدیہی ہیں ۔ اور محسوسات میں عیاں ہیں ۔ ہماری تشبیہوں اور استعاروں کے پیچ در پیچ خیالوں میں آ کر وہ بھی عالم تصور میں جا پڑتی ہیں ۔

تشبیہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے ۔ کہ وہ منظر کشی میں معاونت کرتی ہے ۔ بعض مناظر کی تصویر صرف الفاظ کے ذریعے کھینچ دینا ایک مشکل کام ہے ۔ اس مشکل کو دور کرنے میں تشبیہ بہت کام آتی ہے ۔ اور اکثر اوقات تشبیہ کی مدد سے کوئی منظر بیحد دلکش اور دل نشین ہو جاتا ہے ۔ تشبیہ مناظر کو غیر فانی حسن بخش دیتی ہے ۔ مثال کے طور پر ان تشبیہ و استعارات پر غور فرمائیے ۔ (بانگ درا ۔ ایک آرزو صفحہ ۳۵)

---

۱ ۔ آب حیات ، مطبوعہ مبارک علی ، پندھواں ایڈیشن ، صفحہ ۵۴ ،

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

صف باندھے دونو جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو

اگر اس نظم میں تشبیہات کی سحر آمیزی اور اثر آفرینی نہ ہوتی ۔ تو اس منظر میں بھی دلکشی اور دلنشینی پیدا نہ ہو سکتی ۔

حاصل کلام یہ ہے ۔ کہ تشبیہات سے حسن کلام میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ اور اچھی تشبیہ وہ ہے ۔ جو عام فہم اور قریب الماخذ ہو ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جدت کی حامل ہو ۔ تشبیہ مفرد کی نسبت تشبیہ

مرکب میں ندرت کا کمال زیادہ نمایاں طور پر دکھایا جا سکتا ہے ۔ لیکن تشبیہ کے حسن و جمال اور ندرت و کمال کا انحصار زیادہ تر شاعر کے کثرت مطالعہ اور فطری استعداد ، زور طبع اور پرواز تخیل پر منحصر ہے ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

باب دوم

تشبیہ کی قدامت :

تشبیہ بہت ہی قدیم چیز ہے ۔ اتنی ہی قدیم جتنی کہ خود زبان ہے ۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں ابتداء ہی سے تشبیہ کا وجود نظر نہ آتا ہو ۔ قیاس کہتا ہے کہ انسان کے ساتھ زبان اور زبان کے ساتھ بیان ، کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا اور تشبیہ بیان کی ہی ایک صورت ہے ۔

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ، علم ، اور فرشتوں پر اُس کی فضیلت کا بیان قرآن پاک میں بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ۔ آدم کی فرشتوں سے برتری اور فضیلت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے ۔ کہ آدم کو اللہ تعالیٰ نے خود زبان و بیان کی تعلیم دی ۔ وعلم آدم الاسماء کلھاء اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے کل اسماء سکھائے ۔ کل اسماء کی تفسیر جمیع علوم دینی و دنیوی ہے ۔ یعنی حضرت آدم کو کل علوم کے اصول سکھائے گئے ۔ اور انھیں خلافت ارضی یا نیابت الٰہی کے قابل بنایا گیا ۔ ۔ فرشتوں نے عجز سے اقرار کیا ۔ کہ ربنا لا علم لنا الا ما علمتنا ۔ اے ے خدا ! ہمیں کچھ علم نہیں سوائے اُس کے کہ جو تو نے ہمیں سکھایا ۔ ان آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ علم زبان و بیان حضرت آدم کی پیدائش کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ہبوط آدم کے ساتھ

ہی اس جہان سفلی پر آترا - پھر سورۂ الرحمٰن میں ذکر آتا ہے - خلق الانسان o علمه البیان o یہ بھی ایک واضح اشارہ ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا - اور اسے علم بیان کی تعلیم دی - تشبیہ علم بیان کی ہی ایک شاخ ہے - جو حضرت آدم کے ساتھ ہی اس عالم کون و فساد میں آئی -

مولانا نجم الغنی نے اپنی قابل قدر اور مشہور کتاب ''بحر الفصاحت،، میں روضتہ الاحباب - تذکرہ دولت شاہ سمر قندی ، زین القصص ، روضتہ الصفا اور کامل التواریخ ، حبسی بلند پایہ کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے - کہ شعر کی ابتداء بھی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا - تو حضرت آدم نے پسر مقتول کے ماتم میں مرثیہ اشعار کہے - چنانچہ امیر خسرو دہلوی اسی معنی میں کہتے ہیں

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم
دل بایں محنت نہ از خود دادہ ایم

اس کے بعد مرزا صائب کا یہ شعر تائید کے طور پر لکھتے ہیں

آں کہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود
طبع موزوں حجت فرزندی آدم بود ۱

انجیل مقدس کی تشبیہات :

فرینک - جے - ولسٹاک نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''لغات تشبیہات،، کے دیباچہ میں تشبیہ کی قدامت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ۲ -

---

(۱) بحوالہ بحرالفصاحت مولفہ مولانا نجم الغنی رامپوری ، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ (۱۹۲۷ء) صفحہ نمبر ۵ -

(۲) Dictionary of Similies, by Frank J. Wilstach, Published by, Crosset & Dunlap Newyark, (1916)

''تشبیہ کلام کی ایک قدیم ترین صورت ہے۔ اور دنیا کی تمام زبانوں میں ابتداء ہی سے موجود ہے۔ انسان نے اپنا مافی الضمیر سمجھانے کے لئے اسے شروع سے ہی ضروری اور اہم سمجھا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت آدم جب حوا سے باغ عدن میں گفتگو کرتے تھے۔ تو مختلف چیزوں کے بیان کرنے کے لئے تشبیہات سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ انجیل مقدس میں اس قسم کے کئی جملے آئے ہیں۔ جو آن سے منسوب ہیں مثلاً ستاروں کی مانند زیادہ ، پتھر کی طرح سا لت و صامت ، برف کی طرح سفید ، موم کی مانند پگھلنے والا۔ دو دھاری تلوار کی طرح تیز ، پانی کی طرح نا مستحکم ، حنظل کی طرح کڑوا : وغیرہ،،

قدیم مصری یا عبرانی تشبیہات :

پھر یہی مولف آگے چل کر یوں رقم طراز ہے :—

''تشبیہ کی قدامت کا اس بات سے اندازہ لگائیے۔ کہ زمانہ قدیم میں ایک مصری شاعر تھیبان۔ نے فراعنہ مصر میں سے راسیس ثانی (۱۲۹۲ تا ۱۲۲۵ ق - م) کی تعریف میں کچھ اشعار کہے۔ جو اہرام کے اندر پتھر کی ایک سخت دیوار پر کھدے ہوئے پائے گئے ہیں۔ ان اشعار میں وہ کہتا ہے۔

''بادشاہ جرأت میں جنگ کا دیوتا دکھائی دیتا ہے اور لڑنے میں وحشی بھینسے کی مانند ہے۔ لوگ اس سے یوں

THEBAN.

خوف کھاتے ہیں جیسے جنگل میں شیر سے - صبح جب وہ
بیدار ہوتا ہے - تو یوں معلوم ہوتا ہے - گویا آفتاب طلوع
ہو رہا ہے''[1] -

ایک اور انگریز مصنف گرینول کلیسر نے بھی اپنی کتاب ''تشبیہات اور ان کا استعمال''[2] میں تشبیہ کی اس قدامت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے - کہ جب سے دنیا میں شعر و شاعری کا ظہور ہوا ہے - اس وقت سے تشبیہ بھی ، جو شاعری کا جز و لاینفک ہے ، ظہور پذیر ہے - آسمانی صحیفوں میں تشبیہات کی کثرت ہے - لغات تشبیہات کے مولف نے انجیل مقدس کی تشبیہات کے لئے ایک علیحدہ باب مخصوص کیا ہے -

سر ای - ڈینی سن راس ، ڈائرکٹر سکول آف اوریاینٹل سٹیڈیز ، لنڈن ، نے ''مشرقی علوم و فنون'' کے عنوان سے چین ، ہندوستان ، عرب اور ایران کے علوم و فنون پر اپنے مضامین کے مجموعہ کو شائع کیا ہے[3] - ہندوستان کے قدیم علوم و فنون کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں - کہ ہندوؤں کی قدیم مقدس کتابوں یعنی رگ وید - مہا بھارت اور رامائن کے تراجم سے ظاہر ہوتا ہے - کہ ان کتابوں کی زبان مشکل الفاظ پر مشتمل ہے - اور تشبیہ ، استعارہ اور کنایہ سے مزین ہے - اور ہندو لوگوں کا

---

۱ - ان تشبیہات کے لئے ''لغات تشبیہات'' کے مولف نے تاریخ مصر مصنفہ بریسٹیڈ کا حوالہ دیا ہے -
History of Egypt, by Breasted.

۲ - Similies and their use, by Grenville Kleiser, Published by Funk & Wagnalls Company, Newyork and London.

۳ - EASTERN ART AND LITERATURE by Sir E. Denison Ross C.I.E., Ph. D. published by Earnest Benn Ltd. London (1928).

خیال ہے - کہ دیوتا مشکل پسند ہوتے ہیں اور ابہام ، کنایہ اور استعارہ سے زیادہ کام لیتے ہیں -

زبور اور توریت کے تراجم سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے - کہ ان مقدس کتابوں میں بھی تشبیہات اور استعارات کا کافی ذخیرہ موجود ہے - قرآن پاک میں ، جو تمام علوم دینی اور دنیوی کا منبع اور سرچشمہ ہے - تشبیہات اور استعارات بے شمار ہیں - جن میں سے چند ایک تشبیہات اور تمثیلات کا ترجمہ درج ذیل ہے - یہ ترجمہ مولانا فتح محمد خاں کا ہے اور میرے پیش نظر جو قرآن پاک ہے - وہ تاج کمپنی ، لاہور کا مطبوعہ ہے -

قرآنی تشبیہات :

(۱) '' جو لوگ خدا کی راہ میں (ایسے طور پر) پرے جما کر لڑتے ہیں - گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں - وہ بے شک محبوب کردگار ہیں'' - ۶۱/۵

(۲) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا - اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے - جیسی میدان میں ریت کہ پیاسا اُسے پانی سمجھے - یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آئے - تو اُسے کچھ بھی نہ پائے'' - ۲۴/۴۰

(۳) ''جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی - پھر انہوں نے اس (کے بار تعمیل) کو نہ اٹھایا - ان کی مثال گدھے کی سی ہے - جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں -'' ۶۲/۵

(۴) ''تو اُن کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھس'' ۱۰۵/۵

(۵) ''پھر جب آسمان پھٹ کر تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا ۔'' ۵۵/۳۷

(۶) ''گویا کہ وہ (نیچی نظر رکھنے والی حوریں) یاقوت اور مرجان ہیں ۔'' ۵۵/۵۸

(۷) ''اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں ۔ یہاں تک کہ وہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔'' ۳۶/۴۰

(۸) ''خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے ۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے ۔ اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے ۔ اس میں ایک مبارک درخت زیتون کا تیل جلایا جاتا ہے ۔ کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف ۔'' ۲۴/۳۵

(۹) ''اور پہاڑ (اس دن) دھنی ہوئی پشم کی مانند ہو جائیں گے ۔'' ۱۰۰/۵

(۱۰) ''گویا کہ وہ (کفر) بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے (ڈر کر) بھاگے ہوئے ہیں ۔'' ۷۵/۵۱ ، ۵۲

قرآن مجید میں تشبیہ کی اور بہت سی مثالیں ہیں ۔ مگر ہم ان چند مثالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں ۔

دیگر زبانوں کی تشبیہات :

یونان ، قدیم زمانے میں علم و ادب کا مرکز تھا ۔ افلاطون اور

ارسطو جیسے کئی با کمال علماء و فضلاء نے علم و ادب کے ہر شعبے میں اپنے اپنے کمال فن کا اظہار کیا - جس سے فلسفہ ، ادب ، تاریخ اور سیاست وغیرہ علوم نے جلا پائی - اسی زمانے میں ارسطو نے علم فصاحت و بلاغت پر ایک کتاب لکھی[1] جس کا ترجمہ دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکا ہے - انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ تقریباً ہر بڑے کتب خانہ (لائبریری) میں موجود ہے - اس کتاب میں ارسطو نے تقریر اور تحریر کے اسالیب متعین کئے - اور علم ادب کے مقبول اور مستند راستوں کی طرف رہنمائی کی - اور تشبیہ و استعارہ وغیرہ پر مفصل بحث کی -

یونان قدیم کے علم و ادب کا اثر تمام مشرقی اور مغربی ممالک پر پڑا - اور بالخصوص سلطنت روم پر - سسرو[2] - ہوریس[3] - اور ورجل[4] جیسے جادو بیان لوگ بھی اپنی زبان میں اسی راستے پر گامزن رہے جس کی طرف ارسطو اور دوسرے علمائے یونان نے رہنمائی کی تھی - یعنی انہوں نے علم بیان کے مقررہ قواعد کی پابندی کی - اور اپنا ما فی الضمیر تشبیہات اور استعارات کے ذریعے سے واضح کرتے رہے -

انگلستان کی قدیم شاعری یعنی اینگلوسیکسن شاعری کے متعلق آرتھر کامپٹن رکٹ[5] اپنی مشہور کتاب "تاریخ ادب انگلستان" میں لکھتا ہے :

"اس دور میں تشبیہ و استعارہ کے ذریعے سے ایک مطلب کو بار بار بیان کیا جاتا تھا - تشبیہ اور استعارہ اس دور کی نمایاں خصوصیت ہے -"

---

1. THE RHETORIC (By Aristotle).
2. CICERO. 3. HORACE. 4. VIRGIL
5. Arthur Compton - Rickett.

مذکورہ بالا سطور سے یہ واضح کرنا مقصود تھا ۔ کہ دنیا کے تمام ممالک میں زبان کے ساتھ بیان کا علم بھی موجود نظر آتا ہے ۔ علم بیان ، تشبیہ ، استعارہ ، مجاز مرسل اور کنایہ پر مشتمل ہے ۔ مغربی عالموں نے مبالغہ بھی علم بیان میں شامل سمجھا ہے ۔ لیکن مشرقی ممالک عرب ، ایران ، افغانستان اور ہندوستان کے علماء مبالغہ کو علم بدیع کی ایک شاخ خیال کرتے ہیں ۔ قصہ مختصر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں ۔ کہ علم بیان بالخصوص تشبیہات بہت ہی قدیم زمانے سے ہر زبان میں پائی جاتی ہیں ۔

اردو تشبیہات کے ماخذ :

تشبیہات زبان کا ایک جز و لاینفک ہیں ۔ صنایع بدایع کی مانند یہ صرف زبان کے ظاہری حسن میں اضافہ کا باعث نہیں ۔ بلکہ معنوی خوبیوں کا ایک بہت وسیع ذخیرہ بھی اپنے اندر رکھتی ہیں ۔ اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ۔ ہر زبان میں تشبیہات سے کام لیا جاتا ہے ۔ معنوی محاسن کی وضاحت کے لئے تشبیہ کا استعمال ایک لازمی اور لابدی امر ہے ۔ تشبیہ کے بغیر بیان ادھورا اور پھیکا سا رہ جاتا ہے ۔ یہ تشبیہ و استعارہ ہی ہے ۔ جس سے شعر سحر بن جاتا ہے ۔ اور کلام میں جادو کا سا اثر پیدا ہو جاتا ہے ۔

اردو تشبیہات کے ماخذ بھی اردو زبان کی مانند چار ہیں ۔ (۱) عربی (۲) فارسی (۳) ہندی یا ہندوستانی اور (۴) انگریزی ۔ زبانیں قدرتی اسباب سے بنتی یا پیدا ہوتی ہیں اور قدرتی اسباب سے ہی ان میں تغیر و تبدل پیدا ہوتا رہتا ہے ۔ ذرا اردو زبان کی پیدائش پر غور کیجئے ۔ آج سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے اس برصغیر (ہند و پاکستان) پر اہل

ہنود کی حکومت تھی ۔ ملک کا نام بھارت یا آریا ورت تھا ۔ اور دوسرے ممالک اسے ہندوستان (یعنی ہندوؤں کے رہنے کی جگہ) کہتے تھے ۔ ہندوستان بہت بڑا ملک تھا ۔ اور اس کے مختلف حصوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں ۔ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں جو زبان بولی جاتی تھی ۔اسے برج بھاشا کہتے تھے ۔ زبان اردو اسی بھاشا سے نکلی ہے ۔ مسیح کی ولادت سے چودہ پندرہ سو سال پہلے ہندوستان میں آرین لوگ آباد تھے ۔ آریا ورت کا نام انھی کی یاد دلاتا ہے ۔ یہ لوگ ، جیسا کہ تاریخ کے محققین کا خیال ہے ، وسط ایشیا سے آئے اور ایران اور شمالی ہندوستان پر قابض ہو گئے ۔ ان کی زبان سنسکرت تھی ۔ سنسکرت کے معنی آراستہ پیراستہ ، مصفا ، منزہ اور مقدس ہے ۔ اس زبان کو آرین اپنی مقدس سمجھتے تھے ۔ کہ بزرگان دین (برہمن) ہی اسے پڑھتے اور پڑھاتے تھے ۔ آرین لوگوں نے چار برن (طبقات الناس) مقرر کر رکھے تھے برہمن ۔ کھشتری ۔ ویش اور شودر ۔ برہمن کا کام علم کی تحصیل اور تعلیم تھا ۔ کھشتری کا کام انتظام سلطنت اور امور سلطنت کی طرف توجہ دینا ۔ ویش صنعت و حرفت اور تجارت کرتے تھے ۔ اور شودر دیگر تمام برنوں کی خدمت کرتے تھے ۔ برہمن اور کھشتری سنسکرت میں بات چیت کرتے تھے ۔ ویش اور شودر جن زبانوں میں بات چیت کرتے تھے ۔ وہ پراکرت کہلاتی تھیں ۔ سنسکرت زبان الٰہی (دیوبانی) خیال کی جاتی تھی ۔ اور پراکرت عوام کی زبان ۔ نچلے طبقے کے لوگوں کی زبان ۔ اس کی مثال موجودہ مہذب دور میں بھی ملتی ہے ۔ انگریز اپنی زبان انگریزی کو بہت اعلیٰ اور ارفع سمجھتے تھے ۔ اور عام لوگوں کی زبانوں کو

ورنیکلر (Vernacular) کہتے تھے ۔ لفظ (Verna) کے معنی غلام کے ہیں ۔ اور اس طرح ورنیکلر کے معنی غلاموں کی زبان ہے ۔

پراکرت میں سنسکرت کے بے شمار الفاظ تھے کچھ اپنی اصلی حالت میں اور کچھ بگڑی ہوئی صورت میں ۔ پھر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اس زبان کی صورتیں مختلف تھیں ۔ یہ صورت حال کئی سو برس رہی ۔ حتیٰ کہ ۳۳۶ ق ۔ م ۔ میں بدھ مذہب کے بانی سدھارتھ یا گوتم یا شاکیہ منی (یہ تینوں مہاتما بدھ کے نام ہیں) پیدا ہوئے ۔ وہ مگدھ دیس کے راجہ کے بیٹے اور ولی عہد تھے ۔ گوتم بچپن سے ہی سوچ بچار کے عادی تھے ۔ اور اسی عادت کی وجہ سے انہوں نے بیوی ، بچے اور راج پاٹ کو ترک کرکے جنگلوں میں بیٹھنا یا عبادت شروع کر دی ۔ اور اس عالم کون و فساد کی ابتدا و انتہا اور اس کی پیدائش کے مقصد پر غور کرتے کرتے نروان (نجات) حاصل کر لیا ۔ اب انہوں نے اپنے ہموطنوں اور عام لوگوں کو نار دوزخ سے بچانے کے لئے اور دنیا کے دکھوں سے نجات دلانے کے لئے مگدھی زبان میں پرچار (وعظ) شروع کر دئے ۔ گوتم کی زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ بدھ مت دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا ۔ اس مذہبی جوش کا اثر مگدھی زبان پر یہ پڑا ۔ کہ وہ کل دفتروں اور درباروں کی زبان ہوگئی ۔ اور رفتہ رفتہ سنسکرت زبان روپوش ہوتے ہوتے صرف چند مقدس کتابوں میں چھپ کے بیٹھ گئی ۔

زمانے کی گردش نے آہستہ آہستہ بدھ مت کی مقبولیت کو بھی کم کرنا شروع کر دیا ۔ برہمنوں نے ایک بار پھر زور پکڑا ۔ لیکن وہ اپنی مقدس زبان کو دوبارہ زندہ نہ کر سکے ۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قدرتی اسباب سے مختلف زبانیں جڑ پکڑ چکی تھیں ۔ گیارھویں صدی عیسوی

سے شمالی ہندوستان میں جو زبان بولی جاتی تھی ۔ آسے بھاشا یا برج بھاشا (برج کے علاقے کی زبان) کہتے تھے ۔ دفعتہً زمانے نے ایک اور رنگ بدلا ۔ یعنی اسلام کا قدم ہندوستان میں آیا ۔ اسلام نے پھر ملک و مذہب کو نیا انقلاب دیا ۔ اور اسی وقت سے مسلمان فاتحین کی زبان کا اثر بھاشا پر پڑنا شروع ہوا ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال بعد عرب کے ایک مشہور شہر مکہ میں دین اسلام کے بانی ، نبی نوع انسان کے لئے ایک رحمت ، خدا وند تعالیٰ کے برگزیدہ اور افضل نبی ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے ۔ چالیس برس عام لوگوں کے ساتھ ایک مثالی زندگی بسر کرنے کے بعد دربار ایزدی سے خلعت نبوت سے سرفراز ہوئے ۔ اور خدا کے حکم سے لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دینے لگے ۔ آنحضور کی زبان پر برکت میں ایسی تاثیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے جوق در جوق اور گروہ در گروہ لوگوں نے خدا کے دین کو قبول کر لیا ۔ عرب کے وحشی لوگ دین اسلام کی برکت سے بہت ہی تھوڑے عرصے میں مثالی طور پر متمدن اور مہذب ہوگئے ۔ اور رسول اکرم کی زندگی میں ہی تقریباً تمام ملک عرب کا گوشہ گوشہ نور اسلام سے جگمگانے لگا ۔ پھر خدا کے دین کی تبلیغ قرب و جوار کے ممالک میں کی جانے لگی ۔ قرب و جوار کے ممالک نے اپنی اپنی عسکری قوتوں سے دین اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی ۔ مگر خدا کے نور کو پھونکوں سے نہیں بجھایا جا سکتا ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آہستہ آہستہ تمام قرب و جوار کے ممالک یکے بعد دیگرے حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے ۔ اور سب سے پہلے یہ سعادت ایران کے حصے میں آئی ۔ جو جاہلیت کے زمانے میں ایک بہت بڑی اور زبردست سلطنت تھی ۔

ایران فتح ہوا ۔ تو عربوں نے ایرانی علم و ادب کے مراکز پر اپنا تسلط جما لیا ۔ اور عربی زبان نے قدیم ایرانی زبان پر (جو سنکسرت کی ہی ایک بگڑی ہوئی صورت تھی ۔) اپنا اثر ڈالنا شروع کیا ۔ اور آہستہ آہستہ قدیم فارسی زبان میں عربی کے الفاظ داخل ہونے لگے ۔ مذہبی اصطلاحات مثلاً صلوٰۃ ، صوم ، حج ، زکوٰۃ وغیرہ اپنی اصلی حالت میں داخل زبان فارسی ہوئے ۔ لباس میں سے اس لباس کا نام جو عربوں سے مخصوص تھا ۔ فارسی میں داخل ہوا ۔ اسی طرح بعض رسومات کے نام ۔ کھانوں کے نام ۔ پیشوں کے نام وغیرہ وغیرہ ۔ عربی سے فارسی میں آ گئے ۔ اور سب سے بڑا انقلاب یہ آیا ۔ کہ زبان فارسی کا رسم الخط جاری ہوا ۔ پہلا رسم الخط قدیم سنکسرت سے ملتا جلتا تھا ۔ عرب میں اسلام سے قبل بھی شاعری اپنے انتہائی عروج پر تھی ۔ ایران میں بھی نئی زبان میں شعر گوئی شروع ہو گئی ۔ جس میں عربی شعر کی تمام خوبیاں منتقل ہو چکی تھیں ۔ آہستہ آہستہ اس نئی زبان کو ایرانی شعراء نے اپنے مزاج کے موافق بنا لیا ۔ شعر کے بحور میں زحافات سے تبدیلیاں پیدا کیں ۔ اور چند نئی بحریں ایجاد کیں ۔ پھر اصناف سخن میں اضافہ کیا ۔ غزل اور قصیدہ میں ردیف کی قید ایرانی شعراء کی یادگار ہے ۔ رباعی ۔ مستزاد ۔ ترکیب بند اور ترجیع بند ایجاد کئے قصیدہ کی تشبیب سے غزل کا قالب تراشا ۔ بعض استعارات و تشبیہات بھی عربی سے آئیں ۔ اور فتح

ایران کے دو سو سال کے اندر اندر قدیم فارسی بالکل بدل گئی اور موجودہ فارسی زبان ایران کے علم و ادب کی زبان بن گئی - جس میں رودکی کے زمانے سے لے کر آج تک گفت و شنید اور نوشت و خواند کی جاتی ہے -

ایران میں اسلام اور عربی زبان کی وجہ سے ملک اور ملک کی زبان میں ایک انقلاب آ چکا تھا - اور موجودہ فارسی زبان ایران اور افغانستان کے علم و ادب کی زبان بن چکی تھی- کہ زمانے نے اسی عادت کے مطابق ایک اور کروٹ لی - جس کا اشارہ ہم اوپر کر چکے ہیں - یعنی شمال مغربی دروں کی راہ سے مسلمانوں نے ہندوستان پر فاتحانہ قدم بڑھانے شروع کئے -

محمود غزنوی نے (۱۰۰۱ء سے ۱۰۲۶ء تک) ہندوستان پر سترہ بار حملے کئے - اور ہر حملے میں اُس کی فوج نئے نئے صوبے یا علاقے فتح کرتی چلی گئی - حتیٰ کہ اُس کا آخری حملہ سومنات پر ہوا - جو موجودہ کراچی سے بہت آگے ہندوؤں کا ایک مقدس شہر تھا - موجودہ جغرافیائی تقسیم کے مطابق یوں سمجھئے - کہ پہلے صوبہ سرحد پھر صوبہ پنجاب پھر صوبہ سندھ اور پھر کراچی کو پامال کرتے ہوئے محمود سومنات تک پہنچا تھا - اور وہ زمانہ ریل یا ہوائی جہاز کا نہ تھا - پیدل یا گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر سفر کیا جاتا تھا - اور لوگ کئی دنوں بلکہ مہینوں میں منزل تک پہنچ سکتے تھے- اندازاً یوں سمجھئے کہ مذکورہ بالا علاقوں میں محمود نے تقریباً بیس پچیس سال گزارے - ضروری ہے کہ مقامی باشندوں کے ساتھ فارسی آمیز بھاشا میں گفتگو کر کے بعض اہم معاملات طے کئے جاتے ہوں گے - اور مقامی باشندے بھی اپنی بھاشا میں فارسی کے الفاظ ملا کر عرض معروض کرتے ہونگے -

محمود غزنوی کی وفات کے بعد بھی ہندوستان کے شمال مغربی علاقے پر مسلمانوں کی آمد و رفت اور حملے جاری رہے ۔ شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۲ء اور ۱۱۹۳ء میں دہلی اور قنوج کے راجپوت ہندو راجاؤں کو شکست دی - اور ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی طرح ڈالی - شہاب الدین غوری نے اپنا ایک غلام ہندوستان کا انتظام سنبھالنے کے لئے مقرر کیا - جس نے اپنے آقا کی وفات پر ۱۲۰۶ء میں دہلی میں مسلمانوں کی باقاعدہ سلطنت قائم کی - اور خاندان غلاماں ، خاندان خلجی ، خاندان تغلق ، خاندان سادات اور خاندان لودھی نے شمالی اور شمال مغربی ہندوستان پر تین سو سال حکومت کی - پھر ظہیر الدین بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی - اور اس خاندان نے تقریباً دو سو سال بڑے ٹھاٹھ اور طمطراق سے حکومت کی - اور پھر مغلوں کو زوال آنا شروع ہوا - اور مرتے مرتے بھی ہندوستان کے بعض علاقوں میں مغلوں کی حکومت کوئی سو سال اور رہی - حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء میں مغلیہ خاندان کا ٹمٹماتا ہوا آخری چراغ بھی گل ہو گیا -

محمود غزنوی کے زمانے سے لے کر چودھویں صدی عیسوی کے آغاز تک ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں کی زبان پر فارسی زبان کا قدرتی طور پر غلبہ اور تصرف رہا - امیر خسرو (متوفی ۱۳۲۵ء) فارسی کے ایک ایسے زبردست شاعر ہوئے ہیں - جن کی زبان کو ایرانی اہل زبان بھی مستند مانتے ہیں - ان کے بے شمار دوہے ، دو سخنے ، پہیلیاں اور شعر اردو میں بھی ملتے ہیں -

چودھویں صدی عیسوی کے اواخر اور پندرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں شمالی ہندوستان میں ایک نئی مذہبی تحریک چلی - جسے بھگتی کی تحریک کہا جاتا ہے - اس تحریک کے علمبرداروں نے اسی نئی زبان

میں (جو ابھی نامکمل تھی) اپنے خیالات کا اظہار اور نثر شروع کر دی - بھگت کبیر سکندر لودھی کے زمانے میں پیدا ہوئے - ان کے اشعار اسی اردو زبان میں ہیں - جو ہندوستان میں جڑ پکڑ چکی تھی اور دن رات ترقی کر رہی تھی -

اسی زمانے میں گورو نانک پیدا ہوئے - ان کی تصنیفات زیادہ تر پنجابی زبان میں ہیں - لیکن ان کے کلام میں عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ آئے ہیں - ان کے کلام کا نمونہ آب حیات میں دیا ہوا ہے[1]-

اکبر اعظم کے زمانے (۱۵۵۶ تا ۱۶۰۵ عیسوی) میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں ملنے اور شیر و شکر ہونے کے زیادہ مواقع میسر آئے اور نئی زبان نے (جو نہ فاتحین کی تھی اور نہ مفتوحین کی) خوب ترقی کی - شاہجہان (۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۸ء) نے دہلی شہر کی از سر نو مرمت کروائی - شہر کے گرد شہر پناہ (فصیل) بنوائی - اور لشکر کے لئے لشکر گاہیں (چھاؤنیاں) بنوائیں - لشکر اور لشکر گاہ کو ترکی زبان میں اردو کہتے ہیں - فارسی میں بھی یہی لفظ رائج تھا - لشکریوں اور لشکر گاہوں کے دکانداروں ، ٹھیکداروں وغیرہ کے درمیان جس زبان میں بول چال ہوتی تھی وہ فارسی اور ہندی کے ملاپ سے پیدا ہونے والی یہی زبان تھی - جسے شاہ جہان نے زبان اردو کا نام دیا - یعنی لشکر کی زبان - خدا کی قدرت - کہ اس نام کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہے - کہ کوئی دوسرا نام ، ہندی ، ریختہ وغیرہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکا - مولانا محمد حسین آزاد ، اسی وجہ سے آب حیات میں بیان فرماتے ہیں :—

"تعجب ہوا کہ ایک بچہ شاہ جہانی بازار
میں پھرتا ملے - شعراء آسے اٹھا لیں - اور ملک

۱ - آب حیات (آزاد) مطبوعہ شیخ مبارک علی - پندرھواں ایڈیشن صفحہ ۱۹

سخن میں پال کر پرورش کریں - انجام کو
یہاں تک نوبت پہنچے - کہ وہی ملک کی
تصنیف و تالیف پر قادر ہو جائے -"
(احساس ، دیباچہ)

اردو زبان شاہ جہان بادشاہ کے زمانے سے لے کر آخری مغل بادشاہ (خواہ وہ برائے نام ہی بادشاہ تھا) سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے زمانے تک عربی اور فارسی زبانوں کے ذخائر سے اپنے خزانے بھرتی رہی - حتیٰ کہ آہستہ آہستہ تمام ہندوستان پر ایک نئی قوم انگریزوں کا قبضہ ہو گیا - اور اردو زبان کی وسعت قلبی دیکھئے - کہ اب انگریزی زبان سے اور انگریزی زبان کی وساطت سے دوسری مغربی زبانوں سے برابر استفادہ کر رہی ہے -

فارسی کا اردو شاعری پر اثر :

فارسی زبان کا اردو زبان پر اس قدر گہرا اثر پڑا ہے - کہ اردو شاعری تو فارسی شاعری کا ہی ایک ظلی بروز نظر آتی ہے - وہی اصناف سخن یعنی قصیدہ ، غزل ، مثنوی ، رباعی ، قطعہ ، ترکیب بند ، ترجیع بند، مستزاد ، درسوخت وغیرہ - شعر کے وہی اوزان و بحور ، وہی زحافات ، غزل، قصیدہ اور مثنوی کے وہی مضامین - رباعی فلسفہ و حکمت کے خیالات کے لئے فارسی رباعی کی مانند - رباعی کے اوزان کی وہی قیود - عشقیہ اور مدحیہ یا اخلاقی شاعری متحدالمضامین - تشبیہ و استعارہ بھی قریب قریب وہی - اردو کے اکثر اشعار فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں - قیاس یہ کہتا ہے کہ اردو کے اولین شاعروں نے فارسی شاعری کے اساتذہ کے دواوین مشق سخن کے لئے سامنے رکھے ہوں گے - اور مشق کرتے

کرتے اسی رنگ میں خود بھی رنگے گئے ہوں گے - چند ایک مثالیں اس قیاس کی تائید میں دیکھئے :—

ولی دکنی اردو شاعری میں سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر شمار ہوتا ہے - اسی اولیت کی فضیلت کی وجہ سے ولی کو اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں - ولی کی اکثر غزلیں اور متفرق اشعار فارسی شعراء کی تقلید ہیں - امیر خسرو کی ایک غزل اس شعر سے شروع ہوتی ہے

درد ہا دادی و درمانی ہنوز
جاں ز تن بردی و درجانی ہنوز

پھر اسی غزل میں یہ مشہور شعر آتا ہے :—

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ولی اردو میں اسی بحر ، اسی وزن اور اسی ردیف و قافیہ میں اپنی غزل مکمل کرتا ہے جس کا مطلع ہے -

تو ہے رشک ماہ کنعانی ہنوز
تجھ کو خوباں میں ہے سلطانی ہنوز

حسن دہلوی کے دو شعر ہیں :—

شب مرا تا بروز خواب نبود
در دو چشم بغیر آب نبود

ای حسن یار گر خطای کرد
ہم شکایت ازو صواب نبود

اب ولی کے ان دو شعروں کو دیکھئے ۔ کیا یہ حسن کے اشعار کا ترجمہ نہیں ؟

آج کی رین مجھ کو خواب نہ تھا
دونو انکھوں میں غیر آب نہ تھا

کہا سوچ اے ولی کردیا
پر کسی کن مجھے جواب نہ تھا

اظہار اور ابلاغ کے دیگر تمام ذرائع پر شعر کی برتری اور فوقیت کے لئے مرزا صائب کہتے ہیں ۔

اگر نہ زبدۂ شعر است از چہ روی صائب
ستادہ بر سر چشم است بیت ابرو را

ولی اس خیال کو یوں ادا کرتے ہیں :—

بیت شعر پر تو چشم حقارت سے کر نظر
مانند ابروؤں کے انکھاں پر ہے جائے بیت

مرزا بیدل کی ایک مشہور غزل اس مطلع سے شروع ہوئی ہے :—

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو و سمن درآ
تو ز غنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

ولی اس غزل کو سامنے رکھ کر اردو میں غزل کہتے ہیں :-

وہ صنم جبکہ بسا دیدۂ حیراں میں آ
آتش عشق پڑی عقل کے سامان میں آ

ناز دیتا نہیں گر رخصت گلگشت چمن
ای چمن زار حیا ، دل کے گلستاں میں آ

دیکھ اے اہل نظر سبزۂ خط میں لب لعل
رنگ یاقوت چھپا ہے خط ریحان میں آ

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سے آزاد
طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ

خاتم وقت ہے تجھ گھر میں رقیب بدخو
دیو مختار ہوا ملک سلیماں میں آ

شکوہ تجھ حال سے ہمراہ پریشانی ہے
درد کہنی ہے مرا ، زلف ترے کان میں آ

غم سے تیرے ہے ترحم کا محل حال ولی
ظلم کا چھوڑ سخن ، شیوۂ احسان میں آ

حافظ شیراز کا ایک شعر بہت مشہور ہے :—

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اب اس کے مقابلے میں سراج کا یہ شعر دیکھئے :—

وہ شیریں لب کی کڑوی بات امرت ہے میرے حق میں
تجھے معلوم کیا ہے لذت دشنام اے واعظ

امیر خسرو فرماتے ہیں :—

جام حکم شراب می خواہم
محتسب را کباب می خواہم

اور میر صاحب فرماتے ہیں :—

جام حکم شراب کرتا ہوں
محتسب کو کباب کرتا ہوں

غنی کاشمیری کا یہ مشہور شعر آپ کی نظر سے ضرور گزرا ہوگا :—

حسن سبزہ خط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

متقدمین میں سے ایک صاحب جن کا تخلص فدوی ہے - اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :—

خط سبز آفت جان تھا مجھے معلوم نہ تھا
دام سبزے میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا

فارسی زبان کے کسی شاعر کہا ہے :—

در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

میر درد کہتے ہیں :—

نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہو جائے
دوستو درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو

نظیری نیشاپوری کی ایک غزل ہے :—

چہ خوش است با دو یکدل سر حرف باز کردن
سخن نہفتہ گفتن ، گلہ را دراز کردن

ولی نے اسی زمین میں غزل کہی ہے جس کا مطلع ہے ۔

ہے نازنیں صنم کا زلفاں دراز کرنا
فتنہ کا عاشقاں پر دروازہ باز کرنا

حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں :—

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم
باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

اور میر تقی میر اسی خیال کو اردو کے قالب میں یوں ڈھالتے ہیں :

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی پوچھو کہ وہ کیوں اس قدر پیارے ہوئے

فارسی کا ایک مشہور شعر ہے :—

یاران ایں زمانہ مثل گل انار اند
در باغ آشنائی بوئے وفا ندارند

اب سودا کا یہ شعر دیکھئے :—

اے گل صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم

اسی سلسلہ میں علامہ اقبال کا یہ شعر بھی یاد آ جاتا ہے :—

ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

(حضور رسالتمآب میں)

نظیری کا مشہور شعر ہے :—

بوئے یار من ازیں سست وفا می آید
گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

سودا اس مضمون کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں ۔

کیفیت چشم اُس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

انسان کی بے بسی کا عالم ایک فارسی شاعر کی زبان سے سنیے :—

گل را چہ مجال است کہ گوید بکلال
کز بہر چہ می سازی ، چرا می شکنی

سودا اسی خیال کو ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں :—

شاکی نہیں خدا سے نبی گر یہ شکل زشت
ممکن نہیں کمہار کا ماٹی کرے گلا

ان مثالوں سے ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں ۔ کہ اردو شاعری پر سب سے زیادہ اثر فارسی شاعری کا ہوا ہے ۔ اردو زبان کے شاعر ولی دکنی سے لے کر اقبال کے زمانے تک فارسی شعراء کے تتبع پر فخر کرتے رہے ہیں ۔ انشاء اپنے ممدوح سے کہتے ہیں :—

سبح سعدی وقت ہے انشاء
تو ابوبکر سعد زنگی ہے

غالب اپنے اردو کلام کے متعلق فخر سے کہتے ہیں :—

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

غالب اور ذوق فارسی مشاہیر شعراء سے اپنا مقابلہ کرتے ہوئے فخر سے کہتے ہیں -

غالب - ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

ذوق - اُس کی نظر چڑھیں گر یہ تابدار گوہر
پھر نام تیرا روشن مانند انوری ہو

ذوق - ہر شعر غزل میں ترے معنی شفا ہیں
قرباں غزل کے تری دیوان سنائی

ذوق - مدح حاضر کے لئے حاضر دربار ہو ذوق
تو ہے خاقانی ہند اور وہ ہے خاقان زماں

ان چند مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے - کہ اردو شاعری پر فارسی کا بہت گہرا اثر پڑا - حتیٰ کہ اردو زبان کے شاعر ، نظیری ، ظہوری ، سنائی ، خاقانی ، سعدی اور انوری کی مانند ہونے پر فخر و ناز کرتے تھے - اور اردو شاعری کو فارسی کا ہم پایہ یا ہم پلہ بنانے کی کوشش کرتے رہے -

اردو تشبیہات پر فارسی کا اثر :

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ۔ کہ اردو زبان اور اردو شاعری پر سب سے زیادہ اور گہرا اثر فارسی کا پڑا ۔ اصناف سخن ، بحور و اوزان ، ردیف قافیہ ، مضامین شعر وغیرہ سب ہی فارسی سے لئے گئے ۔ ان حالات میں یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ تشبیہات و استعارات بھی زیادہ تر فارسی سے ہی لئے گئے ۔ گل و بلبل ، شمع و پروانہ ، شیریں فرہاد ، لیلیٰ مجنوں وغیرہ سب تشبیہات کا ماخذ فارسی شاعری ہے ۔ مولانا آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں[1] :۔

> ''ہندی مسلمان جو اکثر ایرانیوں یا ترکستانیوں کی اولاد تھے ۔ ہندوستان کو اپنا وطن اور اس زبان کو اپنی زبان سمجھنے لگے ۔ یہ بھی ظاہر ہے ۔ کہ جس طرح زمین بے روئیدگی کے نہیں رہ سکتی ۔ اسی طرح کوئی زبان بے شاعری کے نہیں رہ سکتی ۔ ان شرفاء کو خیال آیا ہو گا کہ جس طرح ہمارے بزرگ اپنی فارسی کی انشاء پردازی میں گلزار کھلاتے تھے ۔ اب ہماری یہی زبان ہے ۔ ہم بھی اس میں کچھ رنگ دکھائیں ۔ چنانچہ وہی فارسی کے خاکے اردو میں اتار کر غزل خوانیاں شروع کر دیں اور قصیدے کہنے لگے ۔ اور میں کوئی شک نہیں ۔ کہ جو کچھ قوت بیان یا لفظوں کی تراش یا ترکیبوں کی خوبصورتی یا تشبیہ و استعارہ کی رنگینی ، غرض جو کچھ ہمیں نصیب ہوا ۔ انہی شعرائے اردو کی بدولت ہوا ۔''

---

۱ ۔ آب حیات مطبوعہ شیخ مبارک علی ۔ پندراھواں ایڈیشن ۔

''اقسام اضافت میں تشبیہ و استعارہ کے رنگ سے
سیدھی سادی زبان رنگین ہو گئی ۔'' (صفحہ ۳۳)

''ان خیالوں نے اور وہاں (ایران) کی تشبیہوں نے
اس قدر زور پکڑا ۔ کہ ان کے مسایہ جو یہاں کی باتیں
تھی ۔ انہیں بالکل مٹا دیا ۔ غرضکہ اب ہماری انشاء
پردازی ایک برائی یادداشت ان تشبیہوں اور استعاروں
کی ہے ۔ کہ صد ہا سال سے ہمارے بزرگوں کی دستمال
ہو کر ہم تک میراث پہنچی ہیں ۔'' (صفحہ ۵۷)

ان اقتباسات کے بعد فارسی تشبیہات کی چند مثالیں دیکھئے ۔ اور پھر ان کے مقابلے میں اردو تشبیہات دیکھئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہی ایک بات ہے جو فارسی اور اردو کے شاعر اپنی اپنی زبان میں کہہ رہے ہیں ۔ اور وہی ایک تشبیہ ہے ۔ جو دونو کے کلام میں قدر مشترک ہے ۔

(الف) قد کے واسطے سرو کی تشبیہ قدیم فارسی شاعروں کے کلام میں ملتی ہے ۔ سرو کے بعد صنوبر شمشاد ۔ الف ۔ وغیرہ بے حساب تشبیہات ہیں ۔ آپ قد کی تشبیہات پہلے فارسی شعراء کے ہاں دیکھئے :

۱ ۔ نثار روی تو ہر برگ گل کہ در چمن است
قدای قد تو ہر سرو بن کہ برلب جوست (حافظ)

۲ ۔ شاہ شمشاد قداں ، خسرو شیریں دہناں
کہ بمژگاں شکنند قلب ہمہ صف شکناں (حافظ)

۳ - در نظرم آمد آن سرو سهی بالند
بر بود دلم ز دست و در پای فکند (سعدی)

۴ - تا کے بیاد سرو قدی گریہ ہم خوش است
تا کے بسوی سدرہ و طوبیٰ گریستن (عرفی)

۵ - ای صنم ای سرو بستان جمال
از تو بر آمد ثمر بے فائدہ (صائب)

۶ - پری پیکر نگارے سرو قدے لالہ رخسارے
سراپا آفت دل بود شب جائیکہ من بودم (خسرو)

۷ - ای راحت و آرام جان باقد چوں سرو رواں
زاینسو مرو دامن کشاں کآرام جانم می بری (خسرو)

۸ - ننگرد دیگر بسرو اندر چمن
ہر کہ دید آن سرو سیم اندام را (حافظ)

۹ - ندانم از چہ سبب رنگ آشنائی نیست
سہی قدان سیہ چشم ماہ سیما را (حافظ)

۱۰ - چندان بود کرشمہ و ناز سہی قدان
کاید بجلوہ سروِ صنوبر خرامِ ما (حافظ)

۱۱ - نیست بر لوح دلم جز الفِ قامتِ یار
چکنم حرف دگر یاد نداد استادم (حافظ)

۱۲ - ماہرویان ازان زمین چمن زاد
سرو قدان ازان چمن رویند
(ناصر خسرو)

اب قد کی انہی تشبیہات کو اردو میں دیکھئے —

۱ - سرو سا قد ہے تو گل سے رخسارے
سانے تارو بھرے بھرے سارے (علیم)

۲ - نور جہاں جو حسن میں تھی ہی نور کی
اور قد میں جیسے سرو ہے جوئبار ہو (بہادوں)

۳ قد ترا سرو رواں تھا مجھے معلوم نہ تھا
گلشن دل میں عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا (سراج)

۴ - ترے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں (غالب)

۵ - کبھو وہ سرو قد آیا تو ہوتا
کوئی دم گور پر سایا تو ہوتا (ظفر)

۶ - ترے اندام و روی و قد و زلف و خط سے ہے حجت
سمن کو ارغوان کو سرو کو سنبل کو ریحاں کو (ظفر)

۷ - عہد وصل سرو قد سے ہیں مرے گھر شادیاں
عالم بالا سے آتی ہیں مبارک بادیاں (سراج)

۸ - فندقیں میوہ ، ہاتھ ہیں شاخیں
گل ہیں رخسار قد یار درخت (ناسخ)

۹ - تعریف درے قد کی الف وار اے ساجن
جا سرو گلستاں کو خوش الحاں سے کہونگا (ولی)

۱۰ - سرو نے دعوی درے قد کا کیا ۔کیا پھل ملا
گلشن ہستی میں آخر بے ثمر پیدا ہوا (اثیم)

۱۱ - سایہ کی طرح ساتھ بھریں سرو و صنوبر
تو اس قد رعنا سے جو گلزار میں آوے (غالب)

۱۲ - وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند (اقبال)

۱۳ - قمریاں دیوانہ ہیں کیونکر گلے ڈالیں نہ طوق
باغ میں اک سرو مثل قامت دلجو نہیں (ناسخ)

۱۴ - وہ لب میگوں ۔ عارض گلگوں ۔ وہ قد موزوں چشم پر افسوں
برگ گل تر ۔ لالہ احمر ۔ سرو و صنوبر ۔ نرگس شہلا (ذوق)

۱۵ - جو ہیں پڑی بہتی ہیں جا دیکھ گلستاں میں
تجھ قد سے خجل ہو کر شمشاد بہت رویا (سودا)

قد کی تشبیہات کی جو چند مثالیں فارسی اور اردو شاعری سے پیش کی گئی ہیں ۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ اردو کے شاعروں نے ولی دکنی سے لے کر اقبال کے زمانہ تک وہی تشبیہات استعمال کی ہیں ۔ جو

فارسی شاعروں نے کبھی وضع کی تھیں ۔ تعجب کی بات ہے ۔ کہ قد کی عربی تشبیہات نہ فارسی میں رواج پا سکیں ۔ اور نہ اردو میں ۔ عرب قد کی تشبیہ کے لئے کجھور کا پودا یا نیزہ بطور مشبہ بہ لاتے ہیں ۔ راقم آثم کی یاد داشت کے خریطہ میں فارسی صرف ایک شعر ملتا ہے ۔ جس میں قد کی تشبیہ نیزے کے ساتھ دی گئی ہے ۔

گیسو کمند رستم و ابرو حسام سام
مژگاں خدنگ آرش و قد رمح قارنا

اُس (محبوب) کے گیسو رستم کی کمند کی مانند ہیں اور اُس کے ابرو سام کی تلوار کی مانند ۔ اُس کی پلکیں آرش کے تیروں کی طرح ہیں اور اُس کا قد قارن نامی جنگجو کے نیزے کی مانند ۔

(ب) اب آپ رخ و رخسار کی تشبیہات دیکھئے ۔ رخ یا چہرے کو آفتاب سے یا ماہتاب سے یا پھول سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ چہرے کی خوبصورتی کی وجہ سے حور یا پری کی تشبیہ بھی فارسی میں عام ہے ۔ رخسار کو چاند سے ، گلاب کے پھول سے یا لالہ و سمن کے پھولوں سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ کبھی محبوب کو ماہ پارہ (چاند کا ٹکڑا) کہا جاتا ہے ۔ اور کبھی شمع انجمن ۔

رخ و رخسار کی فارسی تشبیہات :

۱ ۔ ماہرویاں ازاں زمین خیز ند
سرو قداں ازاں چمن رویند
(درد صف سمر قند)

۲ - چه قیامتی است جانان که بعاشقاں نمودی
رخ ہمچو ماہ تاباں دل ہمچو سنگ خارا (حافظ)

۳ - باز گفتم ماہ من آں عارض گلگوں مپوش
ورنہ خواہی ساخت مارا خستہ و غمگیں غریب (حافظ)

۴ - آں ترک پری چہرہ کہ دوش از بر ما رفت
آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت (حافظ)

۵ - ما ز وصف گل رخسار تو تا دم زدہ ایم
ورق گل خجل است ز ورق دفتر ما (حافظ)

۶ - پری پیکر نگارے سرو قدے ، لالہ رخسارے
سراپا آفت دل بود شب جائیکہ من بودم (خسرو)

۷ - عذاری چو گل خاطر افروز دید
فرو زندہ چوں صبح نو روز دید (اسدی)

۸ - بنفشہ گوں شدہ پیراہن خد سمن پوشش
دل اندر خط حیرت ماند از خط و بنا گوشش (ابوبکر حمید)

۹ - عقل من پروانہ گشت و ہم ندید
چوں تو شمعی در ہزاراں انجمن (سعدی)

۱۰ - ریزم ز مژہ کوکب بے ماہ رخت شبہا
تاریک شبی دارم با ایں ہمہ کوکب ہا (جامی)

اب رخ و رخسار کی تشبیہات اردو میں دیکھئے :—

۱ - اک جھلک اپنی دکھا کر بام سے
پھر نہاں وہ ماہ تاباں ہو گیا (وفا)

۲ - آئینۂ رخسار تھا یا تھا وہ ماہ
دیکھ کر مں جس کو حیراں ہو گیا (وفا)

۳ - حلقۂ گیسو میں دیکھی کس کے رخسار کی تاب
شب مہ ہالہ نشیں سرور گریباں ہی رہا (ذوق)

۴ - فندقیں میوہ ، ہاتھ ہیں شاخیں
گل ہیں رخسار قد یار درخت (ناسخ)

۵ - سرو سا قد تو گل سے رخسارے
شانے بازو بھرے بھرے سارے (علیم)

۶ - نظر پڑا اک بت پری وش نرالی سج دھج نئی ادا کا
جو عمر دیکھو تو دس برس کی پہ تیر آفت غضب خدا کا (نظیر)

۷ - وہ چاندسا مکھڑا نام خدا وہ رنگ سنہرا صل علیٰ
وہ گول بدن سانچے میں ڈھلا وہ بیکا سراپا صل علیٰ (حیدری)

۸ - نقاب اُلٹ کے رخ رشک ماہ دکھلا دے
اندھیری رات میں ہے ایک ایک تارا چاند (آتش)

۹ - اے حور اپنے سیب ذقن کا مزا نہ پوچھ
جنت کا میوہ مغز سے ہے پوست تک لذیذ (آتش)

۱۰ - باد کے جھونکے کے لگنے سے ہیں میلے ہوتے
نازکی ختم ہے ان پھول سے رخساروں پر (آتش)

۱۱ - ایسا پروانہ زمانے میں کبھی دیکھا نہ شمع
طور کا شعلہ ہے پروانہ رخ جانانہ شمع (ناسخ)

۱۲ - تو ایسا ماہ لقا ہے کہ تیرے سامنے ہو
کتاں کی طرح گریباں ماہ کنعاں چاک (ناسخ)

۱۳ - سامنے تیرے روئے رنگیں کے
لالہ و گل سے بھی نہ پکڑا رنگ (آتش)

۱۴ - گل نظر آیا چمن میں اک عجب رشک چمن
گل رخ و گلگوں قباو گلعذار و گلبدن (نظیر)

۱۵ - کہے ہے دیکھ کے وہ عکس رخ بساغر مے
نزول ماہ ہوا آفتاب کے گھر میں
(نصیر دہلوی)

مندرجہ بالا مثالوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے - کہ اگر فارسی زبان کے شاعروں نے چہرے کو آفتاب یا ماہتاب سے یا گل و لالہ سے تشبیہ دی ہے - تو اردو زبان کے شاعروں نے بھی انہی کی تقلید کی ہے - اور اگر انہوں نے محبوب کو حور یا پری کہا ہے - تو اردو شاعروں نے بھی ان کا ہی تبتع کیا ہے - رخسار کو دونو زبانوں کے شاعروں نے گلاب ، لالہ یا سمن کے پھول سے تشبیہ دی ہے - اگر فارسی والوں نے مصحف رخ کہا ہے - تو اردو والوں نے بھی وہی تشبیہ استعمال کی ہے - رخ و رخسار کی تقریباً تمام تشبیہات فارسی سے اردو میں آئی ہیں -

(ج) چشم و ابرو :

اب چشم و ابرو ، اور مژگاں وغیرہ کی فارسی اور آردو تشبیہات کو دیکھئے - فارسی زبان میں آنکھ کو نرگس سے اور مخمور یا مست شراب

آدمی سے ، چشم غزال سے ، قاتل سے ، وغیرہ وغیرہ تشبیہات دی گئی ہیں۔ اور ابرو کو کمان ، قوس ، ہلال ، تیغ ، محراب ، طاق وغیرہ وغیرہ سے تشبیہات دی گئی ہیں ۔ مژگان کو خنجر سے ، دشنہ سے ، تیر سے ، وغیرہ وغیرہ تشبیہات دی گئی ہیں۔ ان تشبیہات میں سے چند ایک مثالیں دیکھئے۔ پہلے فارسی اشعار میں پھر آردو اشعار میں ۔ جو کچھ ایرانی شعراء نے کہا ہے ۔ آردو کے شعراء نے زیادہ تر انھی کی نقل کی ہے ۔

فارسی تشبیہات :

۱ - غلام نرگس مست تو تاجدارانند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند (حافظ)

۲ - کس بدور نرگست طرفی نہ بست از عافیت
بہ کہ بفروشند مستوری بہ مستان شما (حافظ)

۳ - ہر کس کہ بدید چشم او ، گفت
کو محتسبے کہ مست گیرد (حافظ)

۴ - سرشار بود بسکہ زمئی چشم مست یار
مژگان بہر دو دست گرفت ایں پیالہ را (لااعلم)

۵ - نخستیں بادہ کاندر جام کردند
ز چشم مست ساقی دام کردند (عراقی)

۶ - گردش چشم تو ہم می ہست و ہم پیانہ ایست
چشم گویای تو ہم خواب است وہم افسانہ ایست (لااعلم)

۷ - بنوزم ہندواں آتش پرستند
بنوزم چشم چون ترکان مستند (نظامی)

۸ - دو ابرو کمان و دو گیسو کمند
ببالا نکردار سرو بلند (فردوسی)

۹ - در فراق تو نہادم دین و دل
ہر دو برطاق خم ابروئے تو (حافظ)

۱۰ - شیدا ازاں شدم کہ نگارم چو ماہ نو
ابرو نمود و جلوہ گری کرد و رو بہ بست (حافظ)

۱۱ - از سنگ ہا دل دوست از عیش ہا غم اوست
از تیغہاست ابرو از دشنہ ہاست مژگاں (نشاط)

۱۲ - در استوائے قامت او گوئے ابرواں
ہمچو ہلال راست بسروے خمیدہ اند (لااعلم)

اُردو تشبیہات :

۱ - کب خوش آتا تھا نگہ میں اس کی ہر اک گلبدن
نرگسی آنکھوں کا تیری جو کوئی بیمار تھا (مستان)

۲ - مژگاں کی طرح گرد ہوں دیکھیں اگر طبیب
اتنی تو ہے وہ نرگس بیمار دل فریب (آتش)

۳ - زلف و اللیل ، رخ والفجر ، نرگس چشمہ کوثر
نمایاں ہے سواد خط کلام اللہ کی صورت (سودا)

۴ - تو وہ چمن آرا ہے کہ ہر دستۂ نرگس
دیکھے ہے ترا بن کے تماشا ہمہ تن چشم (سادہ تصویر)

۵ - ساتھ لائے ہیں ازل سے دید کا آزار ہم
گلشن عالم میں آیا ہیں نرگس بیمار ہم (ناسخ)

۶ - آنکھ نرگس کی ، دہن غنچے کا ، حیرت میری
سچ بتا دے تری تصویر میں تیرا کیا ہے (امیر)

۷ - کیفیت چشم اُس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں (سودا)

۸ - یہ لب ہلیں تو تڑپ جائیں سیکڑوں نغمے
یہ آنکھ اٹھے تو برس جائے کیف میخانہ (امیر مینائی)

۹ - مجھ لب کی صفت لعل بدخشاں سے کہونگا
جادو ہیں تیرے نین غزالاں سے کہونگا (ولی)

۱۰ - اُس کماں ابرو نے اک تیر نظارا مارا
جس کے لگتے ہی جگر ہو گیا پارہ پارا (سکندر)

۱۱ - قوس ابرو سے جو گردوں میں گیا تیر مژہ
اے میاں گو فلک کو وہیں قرباں دیکھا (فقیہ)

۱۲ - منتظر قوس قزح تھی آسماں پر دیر تک
کس نے کل اس کو دکھایا ابروئے خمدار تھا (مستان)

۱۳ - یار نے ابرو و مژگاں سے مجھے صید کیا
اُس کنے تیر و کماں تھا مجھے معلوم نہ تھا (سراج)

۱۴ - جس کی ہم تیغ نگہ کے ہوئے گھائل یا رب
چشم زخم اُس سے زمانے میں رہے دور سدا (سودا)

۱۵ - طاق ابرو میں صنم کے کیا خدائی رہ گئی
اب تو پوجیں گے اُسی کافر کو بتخانے میں ہم (نظیر)

۱۶ - روزہ داران جدائی کو خم ابروئے یار
ماہ عید رمضان تھا مجھے معلوم نہ تھا (سراج)

۱۷ - تیغ ابرو کو لئے شوخ اکڑتا ہے کھڑا
دیکھئے کس کو کرے قتل ستمگار جھکا (فرخ)

۱۸ - چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز ، دشنہ مژگاں کئے ہوئے (غالب)

۱۹ - موج نظارہ حوں رم آہو - آہوئے کعبہ نرگس جادو
جیں بہ جس محراب بہ کعبہ طاق دو ابرو مسجد اقصیٰ (ذوق)

۲۰ - حسیں بہ سکل مہ منور، عرق کے قطرے ہیں اُس میں اختر
ہلال ابرو ، نگاہ جادو ، خدنگ مژگاں و چشم فتاں (ذوق)

یہ تشبیہات صرف محبوب کی آنکھوں کی ہیں - عاشق کی آنکھیں پانی کے چشمے ہیں - کاسۂ دیدار ہیں ، بھیک کے ٹھیکرے ہیں - دریائے پرآب ہیں - ساون کے بادل ہیں - وغیرہ وغیرہ - لیکن ان تمام تشبیہات کا احاطہ کرنا ہمارے اس مضمون سے باہر ہے - ہمارا مقصد صرف چند مثالیں دے کر یہ ثابت کرنا ہے - کہ اردو شاعروں نے فارسی شاعروں کی کس قدر تقلید کی ہے -

(د) زلف :

زلف کو ایرانی شاعروں نے سانپ ، بنفشہ ، سنبل رات ، حلقہ ، زنجیر ، دام ، دام بلا ، شام غریباں ، عنبر ، کمند ، وغیرہ چیزوں سے تشبیہ دی ہے ۔ اور اُردو زبان کے شاعروں نے ان تمام تشبیہات کو اپنایا ہے ۔ چند ایک مثالیں دیکھئے :—

فارسی تشبیہات :

۱ ۔ دو زلف تابدار او بہ چشم اشکبار من
چو چشمہ کہ اندر آو شنا کنند مارہا (قاآنی)

۲ ۔ زلف او دام است و خالش دانہ آن دام و من
بر امید دانہ افتادہ ام در دام دوست (حافظ)

۳ ۔ خال تو دانہ دانہ و زلف تو دام دام
مرغیکہ دید دانہ گرفتار دام شد (حسن دہلوی)

۴ ۔ تا جہالت عاشقاں را زد بوصل خود صلا
جان و دل افتادہ انداز دام زلفت در بلا (حافظ)

۵ ۔ گفتم اے شام غریباں طرۂ شبرنگ تو
در سحرگاہاں حذر کن چوں بنالد ایں غریب (حافظ)

۶ ۔ ای آنکہ چوں دو زلف بر عارض بر افگنی
گوئی کہ بر شگوفہ ہمی عنبر افگنی (ابوبکر)

۷ ۔ بکمند سر زلفت نہ من افتادم و بس
کہ بہر حلقہ زلف تو گرفتارے ہست (سعدی)

۸ - دو ابرو کمان و دو گیسو کمند
بیالا بکردار سرو و بلند (فردوسی)

۹ - بنفشہ گرچہ بدیع رست از و چہ اندیشہ
کسیکہ بستہ آن زلف تابدار بود (امیر معزی)

۱۰ - بنقشہ طرۂ مفتول خود گرہ می زد
صبا حکایت زلف تو درمیان انداخت (حافظ)

اُردو تشبیہات :

۱ - بال زلف یار کے رخسار تک آنے لگے
چشمہ خورشید میں دو سانپ لہرانے لگے (جرأت)

۲ - مائل اب دل زلف جاناں ہو گیا
دام میں پھنس کر پشیماں ہو گیا (وفا)

۳ - ہے زلف یا دھواں ہے یہ ابر سیاہ کا
پیدا ہے یا کہ شام غریباں یہ برملا (لااعلم)

فارسی :

(۴) لب نہادی بلب جام و ندانم من مست
کہ لب لعل تو یا بادہ کدام است این جا
(جامی)

(۵) جاناں ! لب چون شراب داری
رخسار چون آفتاب داری

ای تافته زلف یار آخر
تا کی دل من بتاب داری
(رشید و طواط)

(۶) گرفت زلف گره گیر درمیان دو لب
جو خوشهٔ عنب اندر میانهٔ عناب
(امیر معزی)

دہن (۷) ہیچ است آن وہان کہ ندیدیم ازو نشان
موئیست آن میان کہ ندانم کہ این چہ موست
(حافظ)

دہن (۸) عنچہ را پیش دہان تو صبا خنداں یافت
آنچنان بر دہنش زد کہ دہن پر خون شد
(سلمان ساوجی)

دنداں (۹) عیاں است سی و دو در خوش آب از درج یا قوتش
نہاں یک گوشهٔ خورشید اندر طرف شب پوشش
(ابوبکر حمید)

زنخداں یا ذقن (۱۰) بہ بیں بہ سیب زنخداں کہ چاہ در راہست
کجا ہمی روی ای دل بدیں شتاب کجا
(حافظ)

کمر (۱۱) ہیچ است آن دہان کہ ندیدم ازو نشان
موئیست آن کمر کہ ندانم کہ این چہ موست
(حافظ)

کمر (۱۲) حدیث سرین و میانش چہ گویم
که دیدست کوہے معلق بکاہے
(قاآنی)

اب اسی ترتیب سے ان تشبیہات کو اردو میں دیکھئے :

لب (۱) یہ وہ لعل لب ہیں کہ حسرت سے جن کی
جگر آج تک خون ہے لعل یمن کا
(نظیر)

لب (۲) دیکھ اے اہل نظر سبزۂ خط میں لب لعل
رنگ یاقوت چھپا ہے خط ریحان میں آ
(ولی)

لب (۳) نازکی اُن لبوں کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
(میر)

لب (۴) تھا تو بہا میں بیش پر اُس لب کے سامنے
سب مول تیرا لعل بدخشاں بہہ گیا
(ذوق)

لب (۵) رنگ نیلم بھی نہیں رنگ مسی یہ نمود
لب بھی ہے غیرت لعل یمن سرخ تیرا
(نصیر)

لب (۶) وہ لب میگوں عارض گلگوں وہ قد موزوں چشم پر افسوں
برگ گل تر ، لالہ احمر ، سرو صنوبر ، نرگس شہلا
(ذوق)

لب و دہن (۷) وہ گوش پر زیب کنج ملائی جو دیکھو سی ہو یا الٰہی
دہن میں غنچہ، لبوں میں گلبرگ و روئے روشن میں مہر تاباں
(ذوق)

لب و دہن (۸) کھلنے میں تیرے منہ کی کلی پھاڑے گریباں
ہلنے میں تیرے ہونٹوں کے گلبرگ تر آوے
(میر تقی میر)

دہن (۹) ہو آس دہن سے روکش میلی صبا سے کھائی
غنچہ کے آہ منہ سے کس دن لہو نہ آیا
(نصیر)

دہن (۱۰) قبائے گل کو پھاڑا جب مرا گل پیرہن بگڑا
بن آئی کچھ نہ غنچہ سے جو وہ غنچہ دہن بگڑا
(ناسخ)

دنداں (۱۱) در دنداں نہ دکھا بزم میں یوں ہنس ہنس کر
چاٹ جائے کوئی ہیرے کی کنی خوب نہیں
(ذوق)

لب و دنداں (۱۲) لب و دنداں نے تیرے کر دیا بیقدر عالم میں
گہر کو لعل کو یاقوت کو ہیرے کو مرجان کو
(ظفر)

دنداں (۳) پھر در دنداں کا ان آنکھوں میں عکس آنے لگا
قطرہ ہائے رشک سے سلک گہر پیدا ہوا
(اثیم)

زنخداں یا ذقن (۴) بگڑ جاتا ہے سیب پختہ گر دس روز رکھتے ہیں
تعجب ہے کہ برسوں میں نہ وہ سیب ذقن بگڑا
(ناسخ)

(۵) خدا بھی ڈوبا بچاہ الفت بنا کے تیرے چہ ذقن کو
بزرگ لوگوں نے سچ کہا ہے کہ چاہ در پیش چاہ کندہ
(لا اعلم)

(۶) چاہ زنخداں آب زلال اور اسمہ تکلم چشمہ شیریں
ناصیہ روشن جوں کف موسی زلف شکن در خط چلیپا
(ذوق)

کمر (۷) کمر کو کہوں کیونکہ میں اس کی ہیچ
نہ آوے نظر تو ہے قسمت کا پیچ
(میر حسن)

کمر و دہاں (۸) بیت زلالی لب بہ تکلم فرد خیالی لب بہ تبسم
موئے میاں حوں معنی نازک تنگ دہاں مہر بستہ معا
(ذوق)

کمر و ناف (۹) کمر و ناف از پے دل زار
رشتہ کار و عقدۂ دشوار
(ذوق)

کمر (۲۰) فراق موکمراں سے میں یہ ہوا باریک
کہ ہو گئیں مری سوزن صفت ہزار انگشت
(مصحفی)

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تشبیہات کے سلسلہ میں اردو کے شاعروں نے ایرانی شاعروں کا حتی الامکان تتبع کیا ہے۔ محبوب کے قد و قامت، رخ و رخسار، چشم و ابرو، زلف و گیسو، خال و رخسار، لب و دہان و دندان، چاہ ذقن یا سیب زنخداں، کمرو ناف، وغیرہ وغیرہ ظاہری اوصاف میں اردو زبان کے شاعر فارسی شاعروں کے نقش قدم پر چلتے رہے ہیں۔ محبوب کے باطنی اوصاف بیان کرنے میں بھی ہندوستانی شاعروں کے پیش نظر ایرانی شاعروں کا کلام ہی رہا ہے۔ مثلاً اگر ایرانی شاعروں نے مجازاً محبوب کو بت یا صنم کہا ہے۔ تو اردو کے شاعروں نے بھی محبوب کو بت اور صنم کہہ کر پکارا ہے۔ اگر ایرانی شعراء نے محبوب کو قاتل، جلاد، صیاد، مکار، دغاباز، وغیرہ خطابات سے نوازا ہے۔ تو ہندوستانی شاعر بھی ان کی تقلید کرتے رہے ہیں۔ اور اگر فارسی شاعروں نے محبوب کو دلنواز، مہربان، شاہ حسن، اقلیم حسن کا تاجدار، غریبوں کا دل نہ توڑنے والا اور گاہے گاہے پرسش نہانی سے حوصلہ افزائی کرنے والا، وغیرہ وغیرہ، کہا ہے تو اردو شاعروں نے بھی ان کی تقلید کی ہے۔ یہاں تک کہ ہجر و فراق کے المناک مناظر دونو زبانوں کے شاعروں میں ایک جیسے ہیں۔ وصل کی خوشی کی خبر سن کر اگر ایرانی عاشق شادی مرگ ہو جاتا ہے۔ تو اردو زبان کے بولنے والے عاشق بھی۔

اپنے ایرانی بھائی سے پیچھے نہیں رہنے - غرض عشقیہ شاعری (غزل اور مثنوی) میں ہندوستانی شاعروں نے ایرانی شاعروں کے نمونہ کو سامنے رکھ کر شعر گوئی کی ہے - اور ایرانی شاعروں کے ہم پلہ ہونے پر فخر کیا ہے اور ریختہ کو رشک فارسی بنانے کی کوشش کرتے رہے ہیں - حد یہ ہے - کہ اگر ایرانی شاعروں نے نو عمر لڑکوں کو محبوب ٹھہرایا ہے - تو اردو کے شعرائے متقدمین نے بھی خوبصورت لڑکوں سے عشق کیا ہے - اور اس کوچے میں میر تقی میر جیسے بزرگوار بھی خوار ہو کر پھرتے رہے ہیں اور اس عشق میں انھوں نے عزت سادات کی پرواہ بھی نہیں کی - فارسی میں نوجوان لڑکوں کے سبزہ آغاز ہونے کی صورت میں سیکڑوں مضامین ہیں - اردو شاعری اس معاملہ میں بھی فارسی شاعری کے دوش بدوش چلتی رہی ہے - کسی نے کہا - کہ خط کے آنے پر "بازار دوست" سرد ہو گیا ہے - تو دوسرے نے یہ مضمون باندھا - کہ اس کا حسن اس قدر عالم فریب تھا - کہ ع خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا -

مدحیہ شاعری میں بھی ہندوستانی شاعروں نے ایرانی شاعروں کے کلام کو اپنا سر مشق اور نمونہ ٹھہرایا - فارسی قصیدہ کے چار حصے مشہور ہیں - تشبیب ، گریز ، مدح اور دعا - اور پھر مدح کے اندر عموماً تین چیزوں کی یعنی تلوار ، گھوڑا اور ہاتھی کی تعریف کی جاتی ہے - اردو قصیدہ بھی اسی طرح سے کہا گیا - پہلے تشبیب ، پھر گریز ، پھر مدح (ممدوح کی مدح ، اس کی تلوار کی مدح ، اس کے گھوڑے یا ہاتھی کی مدح اور آخر میں دعا - اور جب مضمون ایک ہو - تو اس کے لئے استعارات ، اور تشبیہات بھی ایک جیسی ہوتی ہیں - استاد ذوق نے

ایک قصیدہ محمد اکبر شاہ ثانی کی مدح میں لکھا - جو ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۷ء تک جبکہ مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا ، دہلی کے تخت پر رونق افروز رہے - یہ قصیدہ کئی وجوہ سے بہت اہم اور مشہور ہے - اس کے چند اشعار جو فارسی قصاید کی مکمل پیروی ہیں - دیکھئے

مطلع صبح سعادت نور ارادت تن برياضت دل بہ تمنا
حلوہ قدرت عالم وحدت چشم بصیرت محو تماشا

شاعر اطمینان سے اپنے گھر میں بیٹھا چین کی بنسری بجا رہا ہے - کہ خوبصورت محبوب اس کے پاس پہنچتا ہے - اس محبوب کی تعریف میں دس شعر - تشبیب کے ایسے ہیں - کہ جن کو پڑھ کر ہر پیر و جوان عش عش کر اٹھے - اس تشبیب کی تشبیہات خاص طور پر قابل تعریف ہیں -

تشبیب :

(۱) اک بت ترسا ، بادل سنگیں ، لعبت کافر با ہمہ تمکیں
صورت لات و شکل منات و رشک یعوق و غیرت عزے

(۲) کان ملاحت ، بحر صباحت ، جوئے فصاحت گلشن راحت
شور میں لیلیٰ ، نور میں سلمیٰ ، لہجہ میں شیریں جلوہ میں عذرا

(۳) وہ لب میگوں ، عارض گلگوں ، وہ قد موزوں چشم پر افسوں
برگ گل تر ، لالۂ احمر ، سرو صنوبر ، نرگس شہلا

(۴) خال بلب ہے نقطۂ مشکیں یا ہے ہلال و چشمہ شیریں
مردم دیدہ محو بدیدہ لالہ بداغ و دل بہ سویدا

(۵) فوج نظارہ حوں رم آہو آہوئے کعبہ نرگس جادو
چیں بہ جبیں محراب بکعبہ طاق دو ابر و مسجد اقصیٰ

(۶) جاہ زنخداں آب زلال اور اس پہ تکلم چشمۂ شیریں
ناصیہ روشن جوں کف موسیٰ زلف شکن در خط چلیپا

(۷) پان کی سرخی لب سے گلو تک دست و گریباں قوس قزح سے
دام برائے گردن عنقا چشم و چراغ دیدۂ حورا

(۸) بیت زلالی لب بتکلم فرد خیالی رنگ تبسم
موئے میاں جوں معنیٔ نازک تنگ دہاں سر بستہ معما

(۹) عارض گلگوں چشم پر افسوں سبزۂ تر سے طرز نظر سے
مایۂ ناز و غمزہ طراز و گلشن راز و راز بدلہا

(۱۰) فتنہ سراپا ، قہر سراسر سست وفا میں چست جفا میں
شرم سے ڈوبا بحر حیا میں ، ناصیہ رو در عالم بالا

تشبیب کے بعد گریز کا شعر ہے کہ ای شاعر شیوا بیان ۔ تو بھی بادشاہ عالم (محمد اکبر شاہ) کی شان میں زمزمہ پیرا ہو :

رمز سے ہو کر صرف تکلم ناز سے ہو کر لب بہ تبسم
مجھ سے کہا ہو زمزمہ پیرا تو بھی تو بول اے بلبل شیدا

پھر بادشاہ کی مدح شروع ہو جاتی ہے ۔ اور اس قدر تعریف کی جاتی ہے ۔ کہ بیان نہیں ہو سکتی ۔ خلاصہ اس مدح کا یہ ہے ۔ کہ محمد اکبر شاہ ایسا بادشاہ ہے ۔ کہ آج تک کوئی نہ ہوا اور نہ ہوگا ۔ تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں اسی بادشاہ کے لئے وقف تھیں ۔ ظل الٰہی کا لقب اگر

کسی کو زیب دیتا ہے ۔ تو اسی بادشاہ کو ۔ خلافت ارضی کا اگر کوئی اہل ہے ۔ تو یہی بادشاہ ۔ غرض مدح میں جو غلو ہے ۔ وہ بھی فارسی شاعری کی نقالی ہے ۔

پھر تلوار کی تعریف ہے :

تیغ سے تیری پیکر دشمن حلقہ بہ حلقہ جب ہو بجوش
پس حکیماں کب رہے ثابت عقل سے جزو لا یتجزیٰ

بھر گھوڑے کی تعریف ہے :

تیرا ہے توسن سایۂ ذوالمن بر سر جستن در دم رفتن
برق جہان و آب روان و شعلۂ آتش موجۂ دریا

باد بوقت تیز روانی ابر بوقت قطرہ فشانی
جب تو اڑا دے کوہ و جبل پر جب تو رواں ہو جانب صحرا

پھر ہاتھی کی تعریف :

فیل ہے تیرا ابر بہاراں پر بہ خیال بادہ گساراں
ہووے درخشاں برق بہ باراں دے جو ہلا زنجیر مطلا

بحر بوسعت کوہ برفعت پردۂ کوہ نور بہ ظلمت
اس پہ طلوع جلوہ طلعت طور پہ گویا نور تجلی

اور آخر میں دعا ہے :

تا کہ زماں منضم بزمیں ہو دور میں چتر چرخ بریں ہو
شاہ کا عالم زیر نگیں ہو سطح زمیں ہو عالم بالا

یہ اٹھاون شعروں کا قصیدہ ہے - جن میں سے سترہ اشعار یہاں پیش کئے گئے ہیں - اور اس حوالہ سے یہ وضاحت مطلوب تھی - کہ فارسی قصیدہ کی اُردو شاعروں نے ہو بہو نقل کی - وہی مضامین - وہی طرز ادا ، وہی تشبیہات اور وہی استعارات -

ہماری اخلاقی اور صوفیانہ شاعری کا بھی یہی حال ہے - وہ بھی فارسی شاعری کی تقلید کی ہر طرح سے ایک مکمل مثال ہے - اور اخلاقی اور صوفیانہ شاعری میں تشبیہات و استعارات بھی زیادہ تر وہی استعمال کئے گئے ہیں - جو فارسی شاعروں کا دستمال ہیں -

زلف کی لام کے ساتھ تشبیہ تو مشہور ہے :—

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوسخط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے (اس لام کے)

مگر فارسی میں زلف کی جیم کے ساتھ جو تشبیہ ہے - وہ اردو میں متقدمین اساتذہ کے کلام میں میری نظر سے نہیں گزری - فارسی میں جیم کی تشبیہ دیکھئے ۰

آفریں باد برآں عارض پاکیزہ چوسیم
وآں دو زلفین سیاہ نو بداں شکل دو جیم (ابوضیفہ اسکافی)

(ر) لب و دہان و دندان :

فارسی میں محبوب کے لبوں کو پھول کی پتیوں سے ، شکر اور شیرینی سے ، لعل اور یاقوت سے تشبیہ دی گئی ہے - دہن کو غنچہ' گل سے - نقطہ سے ، اور دانتوں کو موتیوں یا موتیوں کی لڑی سے تشبیہ

دی گئی ہے ۔ اردو زبان کے شاعروں نے اس معاملہ میں بھی پوری تقلید کی ہے ۔ سوائے اس کے کہ ہندوستان میں پان کھانے کا رواج قدیم زمانے سے ہے اور پان کی سرخی سے دانت جو سرخ ہو جاتے ہیں تو وہ سفید موتی نہیں رہتے ۔ بلکہ لعل بدخشاں کی مانند ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ ایک ہندوستانی شاعر کہتا ہے :—

پان کھا کھا یار کے ہیں سرخ دنداں ہو گئے
آگے تھے گوہر تو اب لعل بدخشاں ہو گئے

اب فارسی کی تشبیہات لب و دہن و دنداں دیکھئے :—

لب (۱) چوں سکندر حیات اگر طلبی
لب لعل نگار را دریاب (حافظ)

,, (۲) می کند حافظ دعای بشنو و آمیں بگو
روزی ما باد لعل شکر افشان شما

,, (۳) دقیقی چار خصلت برگزیده است
ز دنیا از ہمه خوبی و رشتی

لب یاقوت رنگ و نالهٔ چنگ
مئی خوشرنگ و دین زر دہشتی

(۴) پسند زلف کرے قیدی کمند کرے
پسند اُس کی ہے وہ جس طرح پسند کرے (میر تقی میر)

(۵) نہ کھینچ اے شانہ زلف یار یاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کا جھٹکا (سودا)

(۶) ذرا تم مار کاکل کو سرے لب سے لگا دیکھو
ہزاروں سانپ کاٹیں پھر اثر ہووے تو میں جانوں (سودا)

(۷) یوں زلف کے حلقہ میں پھنسا مصحفی اے وائے
جوں طوق میں ہووے کسی مجبور کی گردن (مصحفی)

(۸) دل لیتی ہے وہ زلف سیہ فام ہمارا
بجھتا ہے چراغ آج سر شام ہمارا (ناسخ)

(۹) امشب بری زلفوں کی حکایات ہے واللہ
کیا رات ہے کیا رات ہے کیا رات ہے واللہ (جرأت)

(۱۰) بلا اس زلف کی مصرع میں ہے مضمون پیچیدہ
اسی سے یہ کھلے جو معنیٔ ناز وادا سمجھے (ذوق)

ان اشعار میں ہم نے فارسی اور اردو کی زلف کی تشبیہات ، بلکہ مشہور تشبیہات کا ذکر کر کے اس بات کی وضاحت کی ہے - کہ اردو شعراء نے بہت حد تک ایرانی شعراء کا تتبع کیا ہے - لیکن اس سے یہ مطلب نہیں - کہ کل فارسی، تشبیہات اردو کا قالب اختیار کر چکی ہیں - یا اردو زبان کے شعراء نے خود ایجاد سے کام نہیں لیا - فارسی میں بعض تشبیہات ایسی ہیں - جن کی نظیر اردو میں نہیں ملتی :

مثلاً عکس رویش بزیر زلف بتاب (نظامی گنجوی)
چوں حواصل بزیر پر عقاب

حواصل ایک بحری پرندہ ہے سفید اور چمکدار - عقاب سیاہ رنگ مشہور شکاری پرندہ ہے - اس (محبوب) کا رخ روشن کالی کالی زلفوں :

نیچے یوں چمکتا ہے - جیسے کسی عقاب کے پروں کے نیچے حواصل پھڑ پھڑا رہا ہو - اردو میں ایک تشبیہ جو اس تشبیہ سے ملتی جلتی ہے - وہ یہ ہے -

عرق آلودہ گردن زیر کاکل یوں دمکتی ہے
اندھیری رات ہے برسات ہے بجلی چمکتی ہے

فارسی زبان کے اس غلبہ اور حاکمانہ تصرف کو دیکھ کر مولانا آزاد کہتے ہیں :—

''بھاشا میں بالوں کی تعریف میں ناگوں کے لہرانے اور بھونروں کے اڑنے سے تشبیہ دیتے تھے - فارسی میں زلف کی تشبیہ سانپ کے ساتھ آئی ہے - اس لئے اردو میں سانپ رہے اور بھونرے اڑ گئے - اور اس کی جگہ مشک ، بنفشہ ، سنبل اور ریحان آ گئے -''

''آنکھ کی تعریف میں یہاں مرگ کی آنکھ ، اور کنول کے پھول اور مولا کی اچپلاہٹ سے تشبیہ دیتے تھے- اردو میں آہو چشم رہے - مگر مولے ہوا ہو گئے - اور کنول کی جگہ ساغر لبریز اور نرگس شہلا آ گئی - جو کسی نے یہاں دیکھی بھی نہ تھی - بلکہ ترک چشم شمشیر نگاہ سے قتل کرنے لگے-''
''رفتار کے لئے بھاشا میں ہتھنی اور ہنس کی چال ضرب المثل ہے اب ہنس کے ساتھ ہاتھی بھی اڑ گیا - فقط کبک دری ، شور محشر اور فتنہ قیامت نے قیامت برپا کر رکھی ہے -''
(آبحیات ، صفحہ ۴۹ ، ایڈیشن پانز دہم)

فارسی شاعری کی اس زبردست نقالی پر مولانا الطاف حسین حالی بھی متاسفانہ انداز میں کہتے ہیں ۔

(۱) ''رہا وہ کلام جس میں نہ سادگی نہ جوش نہ اصلیت ، تینوں چیزیں نہ پائی جائیں سو ایسے کلام سے ہمارے شعراء کے دیوان بھرے پڑے ہیں ۔ کیونکہ ہماری شاعری زیادہ تر اب دو قسم کے مضامین پر منحصر ہے ۔ عشقیہ یا مدحیہ ۔ عشقیہ مضامین اکثر غزل ، مثنوی اور قصاید کی تشبیب میں باندھے جاتے ہیں ۔ اور مدحیہ مضامین زیادہ تر قصاید ہیں ۔ سو ان تینوں صنفوں میں شاعر کا کام یہ سمجھا جاتا ہے ۔ کہ جو مضامین قدیم سے بندھتے چلے آتے ہیں ۔ اور جو بندھتے بندھتے بمنزلہ اصول مسلمہ کے ہو گئے ہیں ۔ انہیں کو ہمیشہ بادنی تغیر باندھتا رہے ۔ اور ان سے سر مو تجاوز نہ کرے ۔''

(مقدمہ شعر و شاعری صفحہ ۱۰۳ ، ۱۰۴)

(۲) ''غزل کے ساتھ جو الفاظ (تشبیہات ، تلمیحات اور استعارات) مخصوص ہیں وہ بھی ایک نہایت تنگ دائرے میں محدود ہیں ۔ مثلاً معشوق کی صورت کو حور ، پری ، چاند ، سورج ، گل ، لالہ ، باغ اور جنت وغیرہ سے ، اس کی آنکھ کو نرگس ، آہو ، بادام ، ساحر ، مست ، بیمار وغیرہ سے ۔ زلف کو سنبل ، مشک ، عنبر ، کافر ، جادو گر ، رات ، ظلمات ، دام ، زنجیر ، کمند وغیرہ سے ۔ نگاہ و مژہ و غمزہ و ادا کو تیر و سنان و شمشیر وغیرہ سے ۔ ابرو کو کمان سے ۔ ذقن کو کنوئیں سے ۔ دانتوں کو موتیوں سے ۔ ہونٹوں کو لعل ، یاقوت ۔ گلبرگ ، نبات ، آب حیات وغیرہ سے ۔ منہ کو غنچہ سے ، کمر کو بال سے ، یا دونو کو عدم سے ۔ قد کو سرو ، صنوبر ، شمشاد نیاسب وغیرہ سے ۔ رفتار کو فتنہ قیامت ۔ بلا ۔

آفت ۔ آشوب ۔ وغیرہ سے اور اسی طرح اور بعض اعضا
کو چند خاص خاص چیزوں سے تشبیہ دینا ۔ معشوق کے سامان
آرائش میں سے مشاطہ ۔ شانہ ۔ آئینہ ۔ حنا ۔ سرمہ ۔ کاجل ۔
غازہ ۔ مسی ۔ پان ۔ کبھی بند قبا ۔ کلاہ ۔ چیرہ روستا ۔
اور کبھی برقع ۔ نقاب ۔ محرم ۔ چادر ۔ چوٹی ۔ چوڑیاں اور
خاص خاص زیوروں کا ذکر کرنا اور ان کو خاص خاص
چیزوں سے تشبیہ دینا ۔،، (مقدمہ شعر و شاعری)

اُردو تشبیہات کا جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں سب سے بڑا ماخذ فارسی تشبیہات ہیں ۔ عربی تشبیہات نے اگر اپنا کچھ اثر ڈالا بھی ہے ۔ تو وہ بھی فارسی کے توسط سے ، عربی تشبیہات کا براہ راست اُردو پر بہت کم اثر پڑا ہے ۔ اُردو تشبیہات کا فارسی تشبیہات ہی صحیح معنوں میں ماخذ اور منبع ہیں ۔ تیسرا ماخذ ہندی شاعری ہے ۔ اور چوتھا ماخذ انگریزی شاعری ۔ انگریزی زبان نے ہندو پاکستان میں بڑی مقبولیت حاصل کی ۔ یہ غیر ملکی حاکموں کی زبان تھی ۔ اور بادشاہوں کی زبان زبانوں کی بادشاہ ہوتی ہے ۔ لیکن اس کے باوجود انگریزی تشبیہات زیادہ مقبول نہیں ہو سکیں ۔ قدیم ہندی شاعری نے اُردو شاعری پر نمایاں اثر ڈالا ہے ۔ اور ہندی تشبیہات نے بھی اُردو شاعری میں اپنا مقام یوں پیدا کیا ہے ۔ کہ کسی کو اجنبیت یا مغائرت محسوس ہی نہیں ہوتی ۔ بلکہ ان تشبیہات سے شعر کی دلکشی اور تاثیر بہت زیادہ ہو جاتی ہے ۔ اُردو شاعروں میں سے میر حسن ، میر تقی میر ، سودا ، انشا اور نظیر اکبر آبادی کے کلام میں ہندی تشبیہات کی جھلک کہیں کہیں نظر آ جاتی ہے ۔ ورنہ عام شاعروں نے ان کی طرف بہت کم توجہ دی ہے ۔ ان تشبیہات کی کچھ مثالیں دیکھئے ۔

وہ رو رو کے دو ابر غم یوں ملے
کبھی تو کہ ساون سے بھادوں ملے — میر حسن

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ نین وہ ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے — سودا

ترکش الینڈ سینہ عالم کا چھان مارا
مژگاں کے بان نے تو ارجن کا بان مارا — سودا

ابروئے کج ہیں موج کوئی چشم ہے حباب
موتی کسو کی بات تو سہی کسو کے گوش — میر تقی میر

اسرار معرفت کیا ہیں ؟

بات بات میں بات ہے بات بات میں بات
جیوں کیلے کے پات میں پات پات میں پات

ہو کے اُس کے شربتی لب سے جدا
کچھ بتاشا سا گھلا جاتا ہے جی — میر تقی میر

ہوا دھوپ میں بھی نہ کم حسن یار
کنھیا بنا وہ جو سنولا گیا — بحر

رات دن ہے پکار میں داؤد
جیوں پپیہا پیا پیا تجھ بن — داؤد

اقبال کے ابتدائی کلام میں تشبیہات کا رنگ :

علامہ اقبال کی عالمگیر شہرت کا آغاز اُن نظموں سے ہوا جو انہوں نے انجمن حمایت اسلام ، لاہور کے سالانہ جلسوں میں یکے بعد دیگرے خود پڑھ کر سنائیں - ان میں سے پہلی نظم ''نالہ یتیم،، کے عنوان سے ۱۹۰۰ء میں پڑھی گئی - پھر ۱۹۰۱ء میں "یتیم کا خطاب ، ہلال عید سے،، ۱۹۰۲ء میں ''اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب سے -،، ۱۹۰۳ء میں ''ابر گہر بار،، جو ''فریاد است،، کے نام سے معروف ہوئی ۱۹۰۴ء میں "تصویر درد،، پڑھی گئی - ۱۹۰۵ء میں اقبال اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان چلے گئے - تین سال بعد ۱۹۰۸ء میں واپس آئے - تو اعلیٰ علمی اعزاز کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی ایک عالمگیر شہرت ساتھ لائے -

''بانگ درا،، کی ترتیب و طباعت کے وقت اقبال نے اپنے ابتدائی دور کے کلام کا بہت سا حصہ اس خیال سے قلمزد کر دیا - کہ وہ ان کے اپنے مخصوص معیار کے مطابق نہیں تھا بلکہ ایک محدود طبقہ کی نمائندگی کرتا تھا - اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ایک مخصوص طبقہ کے لئے ہی معرض وجود میں لایا گیا تھا - اقبال چاہتے تھے کہ اُن کا صرف وہی کلام محفوظ رکھا جائے - جو تمام نوع انسانی کے لئے یکساں طور پر مفید ہو - جس میں آفاق گیر وسعت اور عالمگیر رہنمائی ہو - اس وجہ سے ''نالہ یتیم،، - ''یتیم کا خطاب ہلال عید سے -،، ''اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب سے،، - ''فریاد امت،، - اور کئی نظمیں ''بانگ درا،، کے مجموعہ میں شامل نہ کی جا سکیں - البتہ اس دور کی ''تصویر درد،، اور کئی اور نظمیں جن میں ہمہ گیری اور آفاقیت کے جوہر ہیں - ''بانگہ درا،، میں شمولیت کا اعزاز پا گئیں -

اقبال کی وہ نظمیں بھی جو "بانگ درا" کے مجموعہ میں اشاعت پذیر نہ ہو سکیں کوئی معمولی نظمیں نہیں کہ ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا جائے۔ یا ان میں کسی قسم کی حک و اصلاح کی گنجائش ہو۔ بلکہ اپنے محاسن صوری و معنوی کے لحاظ سے بعض اس قدر بلند پایہ اور وقیع ہیں۔ کہ شاعر کے لئے سرمایۂ فخر و ناز ہیں۔ اگرچہ اقبال نے انہیں یہ کہہ کر کہ ع آنچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است۔ قلمزد کر دیا۔ تاہم بلا خوف تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان نظموں میں بھی اس قدر دل کشی، دل نشینی اور تاثیر ہے۔ کہ یہ نظمیں ایک عالم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ "نالۂ یتیم" شمس العلماء مولوی نذیر احمد خاں کی صدارت میں پڑھی گئی۔ اس کے متعلق انجمن کی رو داد بابت ۱۹۰۰ء کے یہ اقتباسات قابل غور ہیں:—

> "شیخ محمد اقبال صاحب نے "نالہ یتیم" جو چھپا ہوا تھا پڑھنا شروع کیا۔ اس نظم کے ہر شعر پر تحسین و آفرین کے نعرے چاروں طرف سے بلند ہو رہے تھے۔ اور سینکڑوں آنکھیں تھیں جو دریائے اشک بہا رہی تھیں یہ نظم ایسی مقبول ہوئی کہ چار چار روپے کو بھی ایک کاپی بکی[۱]۔

مولانا نذیر احمد خاں شاعروں کی حوصلہ افزائی کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہ نظم سن چکنے کے بعد انہوں نے فرمایا۔ "میں نے دبیر اور انیس کی بہت سی نظمیں سنی ہیں۔ مگر واقعی ایسی دل شگاف نظم کبھی نہیں سنی[۲]۔

۱۔ رو داد انجمن حمایت اسلام لاہور صفحہ ۳۱
۲۔ " " " " " ایضاً " " صفحہ ۳۶

ابتدائی دور کی ان نظموں میں سے ہم یہاں صرف دو نظموں (یتیم کا خطاب ہلال عید سے اور "ہمالہ") کی تشبیہات کی لطافت و ندرت پر بحث کریں گے - صرف ان دو نظموں کی تشبیہات پر تبصرہ کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے - کہ اہل ذوق حضرات اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ اقبال ابتدائی دور سے ہی اپنے لئے ایک الگ راستہ تجویز کر چکے تھے - اور یہ کہ وہ شاعری میں کورانہ تقلید کے قائل نہ تھے - بلکہ اس میدان میں غیر مقلد اور مجتہد تھے - پھر ان ابتدائی دور کی نظموں سے یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے - کہ جس شاعر کی ابتدا اتنی شاندار ہو اُس کی انتہا کا کیا عالم ہوگا - جس طائر لاہوتی کی اٹھان یوں ہو اُس کی پوری اڑان کیا ہوگی - اور اس کے پر پرواز تخیل کی رسائی تا کجا ہو گی -

"ہمالہ" وہ نظم ہے جو سب سے پہلے کسی ادبی جریدہ میں چھپی - یہ نظم اپریل ۱۹۰۱ میں "مخزن" کی پہلی جلد کے پہلے شمارہ میں چھپی تھی - اور بقول شیخ عبدالقادر یہاں سے گویا اقبال کی اردو شاعری کا پبلک طور پر آغاز ہوا[۱] - "یتیم کا خطاب ہلال عید سے" اور "ہمالہ" دونو نظمیں بندش الفاظ ، جدت اظہار و ابلاغ ، ندرت خیالات اور عمدہ و دلنشیں تراکیب کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہیں - ان صفات کے ساتھ ساتھ ان نظموں میں تشبیہات و استعارات کی بھی ایسی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جن کی نظیر متقدمین کے کلام میں ملتی ہے اور نہ متاخرین کے کلام میں - فارسی شاعری میں اور نہ اردو شاعری میں -

"یتیم کا خطاب ہلال عید سے" - اس نظم کا پہلا بند تقریباً تمام کا تمام عمدہ و دلنشیں - نادر اور اچھوتی تشبیہات پر مشتمل ہے - ملاحظہ فرمائیے :—

---

۱ - دیباچہ بانگ درا - طبع بست و ہفتم - لاہور، ۱۹۷۰ء ص (ی)

اے مہ عید بے حجاب ہے تو
حسن خورشید کا جواب ہے تو

اے گریبان جامۂ شب عید
شاہد عیش کا شباب ہے تو

اے نشان رکوع سورۂ نور
نقشۂ کلک انتخاب ہے تو

اے جواب خط جبین نیاز
طاعت صوم کا ثواب ہے تو

ہائے اے حلقۂ پر طاؤس
قابل ذالک الکتاب ہے تو

فوج اسلام کا نشان تو ہے
چشم نصرت کا انتخب ہے تو

طوف منزلگہ زمیں کے لئے
ہمہ تن پائے در رکاب ہے تو

یہ ابھرتے ہی آنکھ سے چھپنا
روشنی کا مگر حباب ہے تو

تو کمند غزال شادی ہے
لذت افزائے شور طفلی ہے

ہلال عید حسن خورشید کا جواب ہے ، جامۂ شب عید کے گریبا
کی مانند ہے ، سورۂ نور کے رکوع کا نشان ہے ۔ خط جبیں نیاز کا جوا

ہے - پرِ طاؤس کے حلقہ کی مانند ہے - فوج اسلام کا نشان ہے - زمین کا طواف کرنے کے لئے ہمہ تن پائے در رکاب ہے - روشنی کا ایک حباب ہے جو ابھرتے ہی آنکھوں سے غائب ہو جاتا ہے - یا خوشی کے غزالوں کا شکار کرنے کے لئے ایک کمند ہے -

ہلال عید کی کئی تشبیہیں اردو اور فارسی شعراء کے کلام میں موجود ہیں - اردو کے شاعروں نے ہلال کو زیادہ تر ناخن سے تشبیہہ دی ہے - مثلاً

کاٹ کر پھینکئے ناخن تو بانداز ہلال
قوت نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار (غالب)

ہلال عید جو پیدا ہوا ہے
صنم کا ناخن انگشت پا ہے (وزیر)

بعض شاعروں نے ہلال کو ابرو سے ، ابروئے یار سے ، یا ابروئے پیر زال سے تشبیہہ دی ہے :—

بوجھو ہلال چرخ کو ابروئے پیر زال
اس کے بھواں کے خم پہ اگر یک نظر کرو (ولی دکنی)

جبیں بشکل مہ منور، عرق کے قطرے ہیں جسمیں اختر
ہلال ابرو، نگاہ جادو ، خدنگ مژگاں و چشم فتاں (ذوق)

دی بہنگامۂ ہنگام فرو رفتن مہر
روی ابروی نمود از افق چرخ ہلال (غالب)

شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں ہلال عید دیکھ رہے تھے - شہنشاہ نے چاند دیکھا تو یہ مصرع سوزوں بے اختیار اُس کے منہ سے نکلا:

ع ہلال عید بر روج فلک ہویدا شد

ملکہ نور جہاں نے ، جو حسن صورت ، حسن سیرت اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے یکتائے روزگار تھی ، فوراً اس مصرع پر گرہ لگائی اور کہا

ع کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

یعنی ہلال عید کو کلید میکدہ سے تشبیہہ دی - ظاہر ہے کہ جہانگیر جیسے بادہ خوار کو اپنی محبوبہ کے منہ سے یہ مصرع سن کر کتنی مسرت ہوئی ہو گی -

حافظ شیرازی نے ہلال کو ایک درانتی سے تشبیہہ دی ہے اور تاروں بھرے آسمان کو کھڑی فصل والی ایک کھیتی سے تشبیہہ دے کر ضمناً اپنے اعمال کا احتساب بھی کیا ہے -

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو
یادم از کشتۂ خویش آمد و ہنگام درو

ہلال عید کے متعلق امیر معزی کی ایک رباعی بہت مشہور ہے - کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان ملک شاہ سلجوق عید کا چاند دیکھنے کے ارادے سے باہر نکلا - ندیمان خاص اور مقربان بارگاہ ساتھ تھے - اتفاق کی بات کہ بادشاہ نے چاند پہلے دیکھ لیا - اور بہت خوش ہوا - اس موقع پر درباری شاعر معزی بھی موجود تھا - جونہی بادشاہ نے ہلال عید دیکھا - امیر معزی نے فی البدلیہ یہ رباعی سلطان کی نذر کی :—

ای ماہ چو ابروی یاری گوئی
یا نی چو کمان شہر یاری گوئی
نعلی زدہ از زر عیاری گوئی
در گوش سپہر گوشواری گوئی

اس وقت تک امیر معزی کا ملک بادشاہ کے دربار سے تعلق ہو چکا تھا ۔ لیکن اتنا تقرب حاصل نہ ہوا تھا ۔ یہ رباعی سلطان کو اس قدر پسند آئی کہ اس نے امیر معزی کو انعام و اکرام سے بھی نوازا ۔ اور اسے ندیمان خاص کے حلقہ میں بھی شامل کر لیا ۔ اس رباعی میں ماہ نو (ہلال) کو ابروئی یار ، کمان شہر یار ، خالص سونے کا لعل ۔ اور آسمان کے کان کی بالی سے تشبیہیں دی گئی ہیں ۔

خاقانی شروانی نے ماہ نو کو نیمۂ قندیل عیسیٰ ، نشان مہر نامہ ، اور عین عنوان نامہ سے تشبیہیں دی ہیں ۔

۱ ۔ ماہ نو را نیمۂ قندیل عیسیٰ یافتہ
دجلہ را پر حلقۂ زنجیر سطران دیدہ اند

۲ ۔ ماہ نو در سایۂ ابر کبوتر فام راست
چو نشان نامہ یا چو عین عنوان دیدہ اند

ماہ نو کے خمیدہ قامت ہونے کی وجہ سے بھی ہمارے شاعروں نے مختلف تشبیہات اور استعارات وضع کئے ہیں ۔ مثلاً

تجھ ابروں کو دیکھ کے کیا ہے رے صنم
تجھ حق منے ، ہلال نے دست دعا بلند (ولی دکنی)

جھکانے ہے سر تسلیم ماہ نو ہر وہ
غرور حسن سے کس کا سلام لیتے ہیں (ذوق)

ہاں مہ نو ! سنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام (غالب)

قصہ مختصر اردو اور فارسی زبان کے شاعروں نے ، اپنے اپنے ذوق ، قابلیت اور بساط کے مطابق ہلال کی بے شمار تشبیہیں وضع کی ہیں - کہیں ہلال مشبہ ہے اور کہیں مشبہ بہ - کہیں نور اور روشنی وجہ تشبیہہ ہیں اور کہیں ہلال کی ظاہری شکل و صورت - کسی نے اس کی خمیدگی کو وجہ مشابہت بنایا اور کسی نے اس کی لاغری کو ، اور اسے ناخن صنم ، ابروئے یار ، لب ساغر - لب کاسہ ، لب نان ، کان کی بالی ، شہر یار کے گھوڑے کی رکاب یا نعل ، کہان شہر یار ، کمند سلطان ، خنجر ، شمشیر براں ، کلید در میکدہ ، کلید در عیش ، درانتی ، حرف عین (ع) ، چاندی کا زیور ، بالا ، ماتھے کا جھومر وغیرہ وغیرہ بے شمار چیزوں سے تشبیہہ دی گئی ہے - کہ ان سب کا احاطہ کرنا فرصت طلب کام ہے - لیکن جہاں تک راقم آثم کی واقفیت یا مطالعہ کی حد ہے - ہلال کے لئے اقبال کی سی تشبیہات کسی اور شاعر کے دام خیال میں نہیں آ سکیں - اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ محولہ بالا نظم اقبال کے بالکل ابتدائی دور کی ہے - جب اقبال ابھی نو مشق اور نو آموز تھے - یہ نظم اور اسی زمانے کی دوسری نظمیں گلزار اقبال میں آنے والی بہار کے طائر پیش رس ہیں - یہ اقبال کے روشن مستقبل کی پیشگوئی کر رہی ہیں کہ یہ ہونہار نوجوان ایک دن اردو نظم کو تحت الثرے سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچایا دے گا - اور زمین شعر کو آسمان بنا دے گا -

اب ذرا ان تشبیہات پر ایک بار پھر غور فرمائیے ۔ ''گریبان جامہ شب عید،، بالکل اچھوتی تشبیہ ہے ۔ ماہ نو کی ظاہری شکل بالکل ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کسی کرتے کا گریبان ۔ اور بالخصوص ایسے کرتے کا گریبان جو پر تکلف ہو اور عید کے مبارک موقع پر پہننے کے لئے تیار کروایا گیا ہو ۔ اور نئے کپڑوں میں ویسے بھی چمک دمک ہوتی ہے ۔ اور گلے اور کندھوں کے لیس فیتے اور بھی چمک دار ہوتے ہیں ۔ ان وجوہ مشابہت کی بنا پر یہ تشبیہہ عین موزوں بھی ہے اور جدت کی حامل بھی ہے ۔

ہلال کی حرف ''ع،، سے مشابہت کی مثالیں کئی اور شاعروں کے کلام میں بھی ملتی ہیں ۔ جیسا کہ ہم خاقانی کے ایک شعر کے حوالہ سے اوپر ذکر کر آئے ہیں ۔ لیکن ''نشان رکوع سورۂ نور،، جیسی عمدہ ، لطیف ، نادر اور بلیغ تشبیہہ کا پیدا کرنا اردو شاعروں میں سے اقبال کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہو سکا ۔ اردو شاعروں میں بڑے بڑے بلند پرواز شاعر بھی ہو گزرے ہیں ۔ لیکن یہ تشبیہہ ان کے پرواز تخیل کی حد سے بالاتر رہی ہے[1] ۔

مغربی تعلیم کے پرستار اور مغربی ادب سے بات بات پر حوالے دینے والے لوگ جو مذہب سے بقدر فرض کفایہ کے آشنا ہیں اور قرآن مجید کی ترتیب و تحریر اور کتابت کے لوازم سے نا آشنا ہیں ۔ وہ ''صاحب لوگ،، اس تشبیہہ کو نہ تو سمجھ سکتے ہیں ۔ نہ اس سے لطف اندوز ہو سکتے

---

۱ ۔ یہ دعویٰ ممکن ہے کہ میری عدم واقفیت پر محمول کیا جائے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے ۔ کہ میں نے اس تشبیہ کی تلاش میں مشاہیر اساتذہ کے دواوین کی کافی حد تک ورق گردانی کی ہے ۔ لیکن ''نشان رکوع'' اور ''حلقہ پر طاؤس'' کی تشبیہیں کہیں نظر نہیں آئیں ۔ اس لئے مذکورہ بالا رائے کے اظہار کی جسارت کر رہا ہوں ۔ مولف ۔

ہیں اور نہ ہی اس تشبیہ، کی تخلیق پر شاعر کے رفعت تخیئل اور قوت مشاہدہ کی داد دے سکتے ہیں ۔

قرآن مجید کی کتابت و طباعت میں جہاں کئی اور رموز و علائم اور اوقاف ترتیل و تلاوت کا خیال رکھا جاتا ہے ۔ وہاں ایک اور علامت کی پابندی بھی روز اول سے لازمی قرار دی گئی ہے ۔ اور وہ یہ کہ چند آیات کے خاتمے پر وقف سالم کے دائرے کے اندر اور اس کے مقابل میں حاشیہ پر حرف "ع" لکھا جاتا ہے ۔ یہ رکوع کہلاتا ہے ۔ (نماز میں جھکنے کی حالت کو بھی رکوع کہا جاتا ہے ۔ مگر اس تشبیہہ میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ۔) رکوع ایک قسم کا پیرا گراف ہے ۔ اس کے لئے آیات کی تعداد مقرر نہیں ۔ اسی وجہ سے کبھی تو رکوع کی علامت سات آیات کے بعد آ جاتی ہے ، کبھی نو کے بعد ۔ اور کبھی پندرہ یا اس سے بھی زیادہ آیات کے بعد ۱ ۔ اس تشبیہہ میں سورۂ نور کی تخصیص محض رعایت لفظی ہے ۔ ورنہ قرآن مجید کی تمام سورتوں کی علامات رکوع رتبہ ، درجہ اور فضیلت کے لحاظ سے برابر ہیں ۔ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد دیکھئے کہ اس تشبیہہ سے ہلال عید کا درجۂ احترام و تقدس کس قدر ارفع واعلی ہو جاتا ہے ۔ ہلال کیا ہے ؟ سورۂ نور کے رکوع (ع) کی مانند ہے ۔

اس بند میں دوسری نادر اور اچوتی تشبیہہ "حلقۂ پر طاؤس" کی ہے۔ طاؤس کے پروں میں قدرت کے رنگریز نے مختلف رنگ اس ہنر مندی سے

---

۱ ۔ سورۂ فاتحہ میں رکوع کی علامت سات آیات کے بعد ھے۔ سورۂ بقرہ میں پہلا رکوع سات آیات کے بعد ارو دوسرا تیرہ آیات کے بعد ۔ تیسرا نو آیات کے بعد اور چوتھا دس آیات کے بعد ۔ سورۂ علق میں رکوع کی علامت انیس آیات کے بعد ھے۔ سورۂ نور چوبیسویں سورۃ ھے۔ اس میں چونسٹھ آیات اور نو رکوع ھیں۔

باہم ملائے ہیں کہ انہیں دیکھ کر منہ سے بے اختیار ''واہ وا'' اور ''سبحان اللہ'' نکل جاتا ہے - عقل دنگ رہ جاتی ہے اور انسانی کوشش اس رنگ آمیزی کے مقابلہ میں ہیچ اور عاجز نظر آتی ہے - طاؤس کے پروں کے درمیان ایک نیلگوں دائرہ سا ہوتا ہے - اس مرکزی حلقے یا دائرے کے گرد دوسرے رنگوں کے نصف دائرے یا قوسیں ہوتی ہیں - ان میں سے ایک سفید رنگ کی قوس بالکل ہلال کی مانند ہوتی ہے - شاعر نے ہلال عید کو پر طاؤس کے اس حلقہ سے تشبیہہ دے کر اردو تشبیہات میں ایک عمدہ ، نادر اور بلیغ تشبیہہ کا اضافہ کیا ہے - یہ تشبیہہ شاعر کی قوت مشاہدہ ، باریک بینی ، قوت یاد داشت اور قوت استحضار کی ایک واضح دلیل ہے - اقبال نے پر طاؤس کو جب بھی دیکھا ہوگا سرسری نظر سے نہیں دیکھا ہوگا - بلکہ صانع ازل کی اس صنعت گری کو بنظر غائر دیکھ کر اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیا ہوگا - یہ تشبیہہ بھی دوسرے شعراء کے کلام میں کہیں نظر نہیں آتی -

اس تشبیہہ میں لطافت و ندرت کے ساتھ ساتھ ایک تلمیح بھی ہے - اس میں قدیم وضع کے مسلمان گھرانوں کی ایک رسم یا رواج کی طرف بھی اشارہ ہے - آج سے چالیس پچاس سال پہلے (اور آج بھی کہیں کہیں) یہ بات عام مشاہدہ میں آتی تھی - کہ قرآن مجید کی روزانہ تلاوت کرنے والے اپنی یاد داشت کے لئے اختتام تلاوت کے بعد وہاں پر طاؤس رکھ لیا کرتے تھے - موجودہ زمانے میں طباعت کی ترقی کے دوش بدوش جلد سازی نے بھی ترقی کی ہے - اور اب قرآن مجید کی جلد بندی کے وقت ایک فیتہ سا پشتے کے ساتھ سی دیتے ہیں - جسے یاد داشت کے لئے پرطاوس کی بجائے تلاوت کے آخری صفحہ پر رکھ لیتے ہیں - اور اگلے دن ورق گردانی نہیں کرنی پڑتی -

لیکن آج سے چالیس پچاس سال پہلے جب جلد بندی میں یہ سہولت مہیا نہیں تھی - عام گھروں میں یہ رواج تھا - کہ یاد داشت کے لئے طاؤس کے پر کو ہی کلام پاک میں رکھا جاتا تھا - ''ذالک الکتاب'' قرآن مجید کی طرف ایک واضح اشارہ ہے - سورۂ بقرہ کے شروع میں آتا ہے ''ذالک الکتاب لا ریب فیہ'' (یہ وہ کتاب ہے - جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں) - تشبیہہ سادہ الفاظ میں یہ ہے - کہ ہلال عید پر طاؤس کے ایک حلقہ کی مانند ہے - اور پر طاؤس بھی وہ جو قرآن مجید میں رکھا جائے - یہ نادر تشبیہہ بھی قدیم شاعروں کے کلام میں کہیں نظر نہیں آتی -

ہلال کی تشبیہہ کمند اور کمان سے فارسی شعراء کے کلام میں کثرت سے ملتی ہے تاہم اردو شاعری میں یہ تشبیہہ بھی ایک نئی چیز ہے - اسی بند میں ایک اور عمدہ اور اچھوتی تشبیہہ ''روشنی کا حباب'' ہے - پانی کا بلبلہ (حباب) بہت جلد پھٹ جاتا ہے - اور نیست و نابود ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے - یعنی حباب کی زندگی چند لمحوں کی ہوتی ہے حباب کی اس صفت کی بنا پر ہمارے شعرائے کرام بہت سی تشبیہات وضع کی ہیں -

میر کے کلام سے یہ مثالیں ملاحظہ کیجئے :—

(۱) اس بحر موج خیز میں تو ہے حباب سا
آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہے خواب سا

(۲) اس موج خیز دہر میں ہم کو قضا نے آہ
پانی کے بلبلے کی طرح سے مٹا دیا

(۳) نمود کر کے وہیں بحر غم میں بیٹھ گیا
کہے تو میر بھی اک بلبلا تھا پانی کا

اگرچہ بعض شاعروں نے حباب سے اور تشبیہیں بھی پیدا کی ہیں ۔ مثلاً غرور و تکبر کی ہوا انسان کو بلبلے کی مانند پھلاتی ہے ۔ لیکن جلد ہی تکبر و غرور کا بلبلا پھٹ جاتا ہے ۔ لیکن جس مشبہ کا بھی حباب مشبہ‌بہ ہو گا ۔ اس کی وجہ تشبیہہ عام طور پر کمزوری ، نا پائیداری اور بے ثباتی ہوگی ۔

اس بند کے ایک شعر میں ہلال کو روشنی کے حباب سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔ تو ساتھ ہی وجہ مشابہت بھی بیان کی گئی ہے ۔ کہ ادھر ہلال عید نظر آتا ہے ۔ اور اُدھر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔ اس کا ابھرتے ہی آنکھوں سے اوجھل ہو جانا یوں ہے گویا یہ کوئی ''روشنی کا حباب،، تھا ۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے غائب بھی ہو گیا ۔ یہ تشبیہہ بھی نہایت اعلیٰ اور موزوں ہے اور عام شاعروں کے کلام میں مشکل ہی سے ملے گی ۔

تیسرے بند میں ہلال کو ''ساغر بادۂ ملال،، ۔ ''لب مقال،، اور ''کاسۂ سوال،، سے تشبیہیں دی گئی ہیں ۔ یہ تشبیہات تو فارسی شاعری میں ملتی ہیں ۔ لیکن ہلال کا ''گدائے شعاع پرتو مہر،، ہونا اور اس گدائی کی رعایت سے اس کا ''کاسۂ سوال،، کی مانند ہونا --- نئی تشبیہات ہیں ۔ جدید مغربی تعلیم کی بدولت ہر تعلیم یافتہ شخص یہ جانتا ہے ۔ کہ چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں[1] ۔ وہ روشنی کے لئے سورج کا محتاج ہے اور سورج

---

۱ - اب چونکہ انسان کے قدم چاند پر پہنچ چکے ہیں ۔ اور وہاں کی مٹی پر مغربی تجربہ گاہوں میں مختلف تجربات کر کے اہم نتائج اخذ کئے جا رہے ہیں ۔ یہ خیال حق الیقین کے درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں ۔ اس کی روشنی سورج کی روشنی کا انعکاس ہے ۔

کی روشنی کا گدا ہے ۔ یہ حقیقت جاننے کے بعد اس تشبیہہ کی وجہ تشبیہ بخوبی روشن ہو جاتی ہے ۔ ماہ نو کو گدائے شعاع پرتو مہرا کہہ کر اُسے ہمہ تن کاسۂ سوال کہنا کس قدر موزوں تشبیہہ ہے ۔

چوتھے بند میں تین نئی تشبیہیں ہیں ۔ یتیم کا وجود گرد کارواں کی طرح ہے ۔ یتیم زندگی کے دسترخوان پر ناخوانده میہماں کی مانند ہے ۔ یتیم اس شہر کی مانند ہے حو برباد ہو چکا ہو اور اب اس کے کھنڈر ہی باقی رہ گئے ہوں ۔

قافلے گزرتے ہیں تو راستے کی گرد بھی اٹھتی ہے ۔ قدم دو قدم ساتھ چلتی ہے پھر وہیں رہ جاتی ہے ۔ کیونکہ گرد کی کوئی منزل نہیں ہوتی ۔ یتیم بھی اسی طرح اٹھتا اور آگے بڑھنے کی ہمت کرتا ہے ۔ لیکن بے شمار موانع ہیں جو اسے آگے بڑھنے نہیں دیتے ۔ اس لئے وہ مجبوراً ہمت ہار کے بیٹھ جاتا ہے ۔ یعنی اس کا وجود بھی گرد کارواں کی مانند ہے ۔ جس کی کوئی منزل معین نہیں ۔

بن بلائے کسی کے گھر جانا کوئی بھی غیرت مند انسان گورا نہیں کرتا ۔ بفرض محال اگر کوئی شخص کسی کے ہاں بن بلائے مہمان ہو کر جاتا ہے ۔ تو اس کی دلی کیفیت یہ ہوتی ہے ۔ کہ وہ اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتا ۔ بار بار اسے عزت نفس اور خوداری مجبور کرتی ہے ۔ کہ وہ اٹھ کر چلا جائے ۔ اگر نہیں جا سکتا ۔ تو بچارے کو کئی قسم کے بہانے تراشنے پڑتے ہیں ۔ وہ بار بار معذرت کرتا ہے ۔ یتیم کو ایک

---

۱ ۔ اگر واقعی یقین ہو کر ماہ نو گدائے شعاع پر تو مہر ہے۔ تو یہ حقیقت ہو جاتی ہے۔ تشبیہہ نہیں رہتی۔ لیکن ''کاسۂ سوال'' ہر حالت میں تشبیہہ ہے۔

ناخوانده میہمان کے ساتھ تشبیہہ دینا کس قدر موزوں ہے کہ وہ زندگی کے دسترخوان کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ باطمینان قلب اس پر بیٹھ سکتا ہے۔

یتیم کو ایک مٹے ہوئے شہر سے تشبیہہ دینا بھی ندرت خیال ہے۔ یہ تشبیہہ بھی ہر لحاظ سے نہایت موزوں و مناسب ہے۔ جب کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ تو گویا ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ یہ شہر، شہر آرزو ہے۔ بیٹا بڑا ہو جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ شہر آرزو بھی آباد سے آباد تر ہوتا جاتا ہے۔ ذرا شعور کی آنکھیں کھلتی ہیں تو یہ شہر اور بارونق ہو جاتا ہے۔ ماں باپ کے سایہ میں بیٹے کو اپنا مستقبل بڑا روشن نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن باپ کی اچانک وفات سے شہر آرزو کی ساری عمارت دھڑام سے گر پڑتی ہے۔ اور شہر کھنڈر میں بدل جاتا ہے۔ یہ تشبیہہ بھی ہر لحاظ سے عمدہ اور موزوں تشبیہہ ہے۔ میر نے اسی طرح کی تشبیہہ سے کام لے کر کہا ہے :—

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

بند پنجم میں ہلال کو نشتر سے تشبیہہ دی ہے۔ ایسا نشتر جو یتیم کے دل میں چبھا ہے اور جس کی خلش نے دل کی آرزوؤں کا خون کر دیا ہے۔ بند ششم میں شام کی تشبیہات ہیں۔ شام کی تشبیہات فارسی، اردو اور ہندی شاعری میں کثرت سے ہیں۔ شام غریباں کو کون نہیں جانتا۔ صبح کو امید اور مسرت کا پیامبر کہتے ہیں اور شام کو غم کے ساتھ نسبت دیتے ہیں۔ لیکن اس بند میں شام کی تشبیہات اپنا جدا گانہ رنگ رکھتی ہیں۔ شام ایک ایسے سبو کی مانند ہے جو مئے شفق سے پر ہے، شام ایک کاشتکار کی مانند ہے جو وقت مقررہ پر آسمان کی کھیتی میں

تاروں کے دانے ہونے کے لئے آتی ہے - شام سرمہ کی مانند ہے جو دیدۂ افق میں لگا دیا جاتا ہے اور افق کی آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں۔ یہ ساری تشبیہات بھی شاعر کی رفعت تخیئل پر دال ہیں -

بند ہفتم میں ہلال کو "لب نان مفلسی،، سے تشبیہہ دے کر ایک انوکھی توجیہہ بھی کی گئی ہے - ہلال کئی دنوں کے بعد نظر آتا ہے - اور مفلس کو بھی مدت کے بعد ہی روٹی کا ٹکڑا نصیب ہوتا ہے - اس لئے گاہے ماہے نظر آنے والا ہلال "لب نان مفلسی،، ہی تو ہے - اس بند کے آخری شعر میں بھی بڑی پر تاثیر تشبیہہ ہے - یتیم کا وجود اُس سفینے کی مانند ہے - جو طوفان حوداث سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہو اور اب بحر زندگی میں سفر کے قابل نہ رہا ہو -

بند نہم کے تیسرے شعر میں ہلال کو قدیم شعراء کی طرح ناخن سے تشبیہہ دی گئی ہے لیکن ایک تخصیص کے ساتھ کہ یہ ''صنم کا ناخن انگشت پا،، نہیں بلکہ "سینہ کاوی کو ناخن غم ہے -،، چونھے شعر میں اشک یتیم کو پھول سے تشبیہہ دی ہے - بظاہر یہ نامانوس تشبیہہ ہے - لیکن اس میں ''رونق خانۂ محرم،، کی قید لگا کر اسے بھی مانوس اور موزوں بنا لیا ہے - پھول خوشی کے موقع پر ہار اور سہرا بنتے ہیں - اور قبروں پر بھی چڑھائے جاتے ہیں - اشک یتیم کے پھول ماتم خانہ کی رونق بنتے ہیں -

بند یازدہم میں دنیا کو مختلف تشبیہات کے رنگ میں ظاہر کیا ہے - یہ دنیا ایک ایسے باغ کی مانند ہے جس میں کانٹے ہوں - یہ دنیا خون صد نو بہار ہے - یہ دنیا موت کے انتظار کے لئے ایک قسم کی

''انتظار گاہ،، ہے - اس دنیا کی نسیم بہار بھی خزاں کا ہی پیغام دیتی ہے - یہ دنیا دولت زیر مار ہے -

بند دوازدہم کے آخری شعر میں ماہ نو کی خمیدگی سے پھر ایک نئی تشبیہہ پیدا کی ہے -

عید کا چاند اضطراب بنا
طاق آتش گہ عذاب بنا

''طاق آتشگہ عذاب،، بالکل اچھوتی تشبیہہ ہے اور یتیم کے عین حسب الحال ہے - آخری بند میں یتیم کی خاموشی کو ''شمع خانۂ مفلس،، سے تشبیہہ دی ہے - ''شمع مفلس،، یا ''چراغ مفلس،، کی تشبیہہ میر کے ہاں بھی موجود ہے :-

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہے گویا چراغ مفلس کا

یہ نظم یتیم کے احساسات و خیالات کی آئینہ دار ہے - یتیم کی زبان سے کہی گئی ہے - اور یتیم کے دل کی کیفیتوں کا بیان ہے - اس لئے ہلال عید کی تمام تشبیہات ایسی ہیں - جو یتیم کے حسب حال ہوں - اس قید یا شرط کے باوجود ہلال کے لئے ''نشان رکوع سورۂ نور،، - ''حلقہ پر طاؤس،، - ''روشنی کا حباب،، - ''کاسۂ سوال،، - ''گریبان جامۂ شب عید،، - ''گدائے شعاع ہر تو سہر،، - ''ہمہ تن پائے در رکاب،، - ''طاق آتشگہ عذاب،، - ''ساغر ملال،، کتنی عمدہ اور دلنشیں تشبیہات ہیں - اور اس طرح یتیم کے لئے موجۂ گرد کارواں - خوان زندگی پر ناخواندہ میہاں - اور مٹے ہوئے شہر کا نشان - بھی نہایت ارفع اور برمحل تشبیہات ہیں -

اسی ابتدائی دور کی ایک اور نظم ماہ نو ہے[1] - اس نظم میں اقبال نے ''ماہ نو'' (ہلال) کے لئے جو تشبیہات تخلیق کی ہیں - اُن پر اُردو ادب اور اُردو شاعری ہمیشہ ہمیشہ فخر کرے گی :-

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل

طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب

چرخ نے بالی چرا لی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی

''ماہ نو'' خورشید کی کشتی کا ایک ٹوٹا ہوا ٹکڑا ہے - جو روئے آب نیل تیرتا پھرتا ہے یا یہ قدرت کا ایک نشتر ہے - جس نے فصد آفتاب کھولی ہے - اور اب شفق کا خون ناب طشت گردوں میں ٹپک رہا ہے - یا یہ عروس شام کی ایک بالی ہے - جو چرخ عیار نے چرا لی ہے - یا ماہ نو خالص چاندی کی ایک مچھلی ہے - جو نیل کے پانی میں تیر رہی ہے -

ان اشعار میں استعارات و تشبیہات با ہمدگر یوں یکجان ہیں - جیسے شیر اور شکر - جیسے ارتباط جان و تن - ان اشعار کو پڑھ کر دل وہی کیفیت محسوس کرتا ہے جو ''تاج محل'' کو پہلی بار دیکھ کر - بلا شبہ یہ شاعری نہیں ساحری ہے -

---

۱ - بانگ درا - صفحہ ۴۴ -

"یتیم کا خطاب ، ہلال عید سے"۔ اقبال کے ابتدائی دور کی ابتدائی نظم ہے۔ لیکن تشبیہات ، استعارات ، باریک بینی اور رفعت تخئیل کے لحاظ سے اس قدر ارفع ہے۔ کہ ہم اس کی نظیر اقبال کے پیشرو شاعروں کے کلام میں بھی نہیں پاتے۔

ھمالہ :

ھمالہ اقبال کی اردو نظموں میں سب سے پہلی نظم ہے۔ جو کسی ادبی جریدہ میں چھپی ہو۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں یہ نظم مخزن کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں ، جو اپریل ۱۹۰۱ء میں شیخ عبدالقادر کی زیر ادارت نکلا ، شائع ہوئی۔ موضوع کی جدت ، خیالات کی بلندی ، ندرت و عمدگی اور شکوہ الفاظ و تراکیب کے لحاظ سے اس نظم کی بڑی تعریف ہوئی۔ ہم یہاں اس نظم کی صرف تشبیہات (یا ضمناً کہیں کہیں استعارات) پر تبصرہ کریں گے۔

اس نظم کے آٹھ بند ہیں۔ ہر بند مسدس کی طرح چھ مصرعوں پر مشتمل ہے۔ پہلے بند میں ھمالہ کو "فصیل" سے تشبیہ دی ہے۔ یہ تشبیہ عام ہے اور عام فہم ہے۔ دوسرے بند میں پھر پہلی تشبیہ کا اعادہ ہے۔ لیکن یہاں ھمالہ کو دیوار یا فصیل سے تشبیہ دیتے ہوئے آسے ہندوستان کا "پاسبان" ٹھہرایا ہے۔ ھمالہ ہندوستان کے شمال میں فی الحقیقت ایک فوجی پاسبان کی طرح کھڑا ہوا پہرہ دے رہا ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے۔ کہ شمال کی طرف سے اس پاسبان کی ہی وجہ سے ، ہندوستان پر آج تک کوئی دشمن حملہ آور نہیں ہو سکا۔ تاہم پاسبان کی تشبیہ بھی عام اور عام فہم ہے۔ تشبیہ و استعارہ وہی زیادہ قابل تعریف ہوتے ہیں جو

کچھ توجہ اور تامل کے بعد ہی اپنی پوری لطافتوں کا راز کھولیں - جس کی مثالیں اس نظم میں بکثرت موجود ہیں -

دوسرے بند میں ہی دو تشبیہیں نہایت ارفع و اعلیٰ ہیں - پہلی یہ کہ ہمالہ کو کسی شاعر کے دیوان سے تشبیہ دی ہے - دیوان ایک شعری اصطلاح ہے - کسی شاعر کے مجموعہ کلام کو دیوان کہتے ہیں - دیوان میں عام طور پر غزلیات ، رباعیات ، قطعات وغیرہ ہوتے ہیں - قصاید اور مثنویاں عموماً اس میں شامل نہیں کی جاتیں - اور اگر کسی شاعر کا تمام کلام ایک ہی کتاب میں شائع کیا گیا ہو- تو وہ کتاب ''کلیات،، کہلاتی ہے - مثلاً کلیات غالب ، کلیات مومن ، وغیرہ وغیرہ - مطلع شعری اصطلاح میں غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو کہتے ہیں - اس تشبیہ کی پہلی خوبی تو یہ ہے کہ جس طرح ایک دیوان مختلف اصناف شعر اور موضوع و معانی کے لحاظ سے مختلف اشعار کا مجموعہ ہوتا ہے - اور اشعار گوناگوں کیفیات کے حامل ہوتے ہیں - اسی طرح ہمالہ بھی قدرت کا ایک دیوان ہے - جس میں اصناف شعر اور عام اشعار کی طرح ایسے ایسے مناظر ہیں - جن کو دیکھ کر دل یوں محسوس کرتا ہے - گویا وہ نہایت بلند پایہ اور دلکش اشعار کا مزہ لے رہا ہے - یہ مناظر دل پر نہایت دیرپا ، پرلطف اور دلکش اثرات مترتب کرتے ہیں - اشعار سے لطف اندوز ہونا بھی ذوق سلیم پر منحصر ہے اور دلفریب قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کا انحصار بھی ذوق سلیم پر ہے - وہ لوگ جن کو مبداء فیاض سے ذوق سلیم کا بہرہ وافی و کافی عطا ہؤا ہے - وہ قدرتی مناظر سے بھی اسی طرح بہرہ اندوز ہوتے ہیں - جیسے کسی بلند پایہ مسلم الثبوت شاعر کے دیوان سے -

ثانیاً اس تشبیہ کی غرض یہ ہے ۔ کہ ہمالہ کی بلندی کو ظاہر کیا جائے ۔ اور وہ اس لطیف تشبیہ سے ظاہر کی گئی ہے ۔ کہ اس دیوان کا مطلع اول ''فلک،، ہے ۔ اور پھر یہ بات آپ کے قیاس پر چھوڑ دی گئی ہے ۔ کہ آپ خود اندازہ لگائیں کہ جس دیوان کا مطلع اول فلک ہو۔ اس کا مطلع ثانی یا دوسرے اشعار کس قدر بلند مقام ہوں گے ۔

اسی خیال کو اگر کوئی اور شاعر ادا کرتا ۔ تو کہتا ۔ کہ ''ہمالہ آسمان سے باتیں کرتا ہے،، ۔ ''اس کی چوٹیاں آسمان سے ٹکراتی ہیں،، ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ لیکن اقبال نے اسے ایسے دیوان سے تشبیہ دے کر جس کا مطلع اول فلک ہے ۔ جدت بھی پیدا کی ہے اور ندرت بھی۔ پھر ''مطلع،، کے لفظ میں صنعت ایہام بھی ہے ۔ جس سے یہ تشبیہ اور بھی زیادہ دلکش ہو گئی ہے ۔

برف کی ''دستار فضیلت،، سے تشبیہ بھی اعلیٰ تشبیہات میں سے ایک ہے ۔ یہ تشبیہ خالص مشرقی بلکہ ہندوستانی اور اسلامی تشبیہ ہے ۔ مغربی ممالک میں چونکہ پگڑی نہیں باندھی جاتی وہاں دستار کی تشبیہ بھی مفقود ہے ۔ البتہ وہاں برف کو ٹوپی یا سفید لباس سے تشبیہ دینا عام ہے ۔ ہندوستان اور بعض اسلامی ممالک میں دستار باندھنے کا رواج اب بھی ہے ۔ اور ''دستار فضیلت،، کی اصطلاح تو خالص اسلامی ہے ۔ آجکل اعلیٰ علمی اعزاز پانے والے اپنی فضیلت کی سند (ڈگری) حاصل کرتے ہیں ۔ تو جلسۂ تقسیم سندات میں شمولیت کے لئے ایک خاص قسم کا گاؤن اور ایک خاص ٹوپی پہنتے ہیں ۔ اسلامی دور حکومت اس گاؤن اور ٹوپی کی جگہ جبہ و دستار ہوتے تھے ۔ پھر درباریوں کے مراتب کو ظاہر کرنے کے لئے بھی مختلف رنگ و وضع کی دستار مخصوص تھی ۔ سفید دستار

یا عمامہ عالموں کے لئے مختص تھا ۔ یہی سفید عمامہ "دستار فضیلت،، کہلاتا تھا ۔ اس تشبیہ میں ایک لطیف بات یہ بھی ہے ۔ کہ برف تہ بہ تہ جمتی ہے ۔ اور اس کی تہیں بالکل دستار کے پیچ و خم سے مشابہ ہوتی ہیں ۔ اس لحاظ سے اس تشبیہ کی بلاغت کا درجہ اور بھی ارفع ہو جاتا ہے ۔

ہمالہ کو دیوان سے تشبیہ دینے میں ایک خوبی اور بھی ہے کہ جس طرح کسی عظیم شاعر کے دیوان کا مطالعہ کریں ۔ تو کئی اشعار ایسے ملتے ہیں جو ہمیں اس عظیم شاعر کے احساسات ، جذبات اور خیالات سے متعارف کرتے ہیں ۔ ان میں ایسے حقائق کی طرف واضح اشارات ہوتے ہیں ۔ جن کی صداقت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی ۔ ہم ان عالمگیر صداقتوں پر غور و فکر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ اور نئی حقیقتوں سے آشنا ہو جاتے ہیں ۔ ہمالہ بھی خلوتگاہ دل کی طرف انسان کا دامن کش ہے ۔ اور انسان جب اپنی خلوت گاہ دل میں پہنچتا ہے تو تفکر و تحیر کے عالم میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔ کہ خالق کائنات نے کس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز چیزیں پیدا کی ہیں ۔ یہ زمین ۔ یہ وسیع کرۂ ارض ۔ یہ دریا ۔ یہ سمندر ۔ یہ بڑے بڑے پہاڑ کہ جن کی چوٹیوں تک پہنچنا محال ہے ۔ یہ بڑے بڑے تناور درخت ۔ یہ مختلف اقسام کے پھول اور پھل ۔ یہ طرح طرح کے رنگدار پروں والے پرندے ۔ مختلف قسم کے جانور ۔ پھر پہاڑوں میں قدرتی چشمے اور دلکش مناظر ۔ اور ہمالہ کے دامن میں بے شمار ارضی جنتیں ۔ تو اس سوچ کے عالم میں انسان کو خدائے قدوس کی عظمت کے ساتھ ساتھ اپنی بے بسی اور عجز کا ادراک بھی حاصل ہوتا ہے ۔ اور دل کی خلوت گاہ سے

بے اختیار سبحان اللہ کی آواز اٹھتی ہے ۔ اور یہ صدا چاروں طرف گونجتی سنائی دیتی ہے ۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلاء

سورج کو اس کی گولائی اور چمک دار کرنوں کی وجہ سے کلاہ یا تاج شاہی سے تشبیہہ دینا قدیم ایام سے شاعروں کا شعار رہا ہے ۔ لیکن اقبال نے مہر عالمتاب کو کلاہ سے تشبیہہ دے کر یہاں ایک رعایت لفظی کا الزام بھی کیا ہے ۔ مہر عالمتاب جو روشنی ، زندگی اور نمو کا سر چشمہ ہے ۔ اس کی کلاہ کا رتبہ بہت بلند ہے ۔ مگر ہمالہ کی دستار فضیلت کا فخر و ناز اتنا بلند پایہ ہے ۔ کہ وہ مہر عالمتاب کی کلاہ پر خندہ زن ہے ۔ یعنی اسے بھی خاطر میں نہیں لاتی ۔ یہاں کنایتہً یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ہمالہ کی دستار فیضیلت اپنی سفیدی ، نور اور چمک دمک میں سورج کی شعاعوں سے بھی زیادہ منور ہے ۔ اگرچہ یہ مبالغہ ہے لیکن ایسا مبالغہ بھی مقبول ہوتا ہے ۔ جس پر شاعر کے زور استدلال سے سامعین یا قارئین یقین کر لیں ۔

تیسرے بند میں ہمالہ کے چشمۂ دامن کو "آئینۂ سیال،، سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔ آئینہ کو وقتاً فوقتاً صاف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس لئے اس قدرتی آئینہ کو صاف رکھنے کے لئے "دامن موج ہوا،، کو رومال سے تشبیہہ دے کر قدرت کے اہتمام صفائی کی بھی توضیح کر دی گئی ۔ آئینے میں اپنا عکس نظر آتا ہے ۔ اور پانی میں بھی ۔ آئینہ کو صاف رکھنے کے لئے رومال ضروری ہے ۔ اور چشمہ کے آئینہ سیال کو صاف رکھنے کے لئے موج ہوا رومال کا کام دیتی ہے ۔ ہوا کے تیز چلنے سے سطح آب سے تنکے پتے وغیرہ ایک طرف ہٹ جاتے ہیں ۔ اس لئے "دامن موج ہوا،، کو ایک "رومال،، سے تشبیہہ دینا ایک عین موزوں تشبیہہ ہے ۔

تیز ہواؤں کا چلنا۔۔۔بادلوں کا جھوم جھوم کے آنا۔۔۔اور گاہے گاہے کڑک اور چمک کا پیدا ہونا ۔ برق کا چمکنا اور غائب ہو جانا ۔ یہ سب ایسے مناظر ہیں ۔ جو ہر شخص اپنی زندگی میں بار بار مشاہدہ کرتا ہے ۔ ہمارے شعراء نے فرداً فرداً ایسے ہر منظر کو الفاظ کے قالب میں ڈھالا ہے ۔ اور ہوا ، بادل ، رعد اور برق سے کئی تشبیہات پیدا کی ہیں ۔ لیکن مجموعی طور پر ایک ہی شعر میں یہ ساری منظر کشی کرنا اقبال کا ہی کام ہے ۔ دیکھئے :-

ابر کے ہاتھوں میں رہوار ہوا کے واسطے
تازیانہ دے دیا برق سر کہسار نے

ہوا گھوڑا ہے ۔ ابر اس پر سوار ہے ۔ اور اس گھوڑے کو تیز سے تیز دوڑانے کے لئے ابر کا سوار کبھی کبھی برق کا تازیانہ بھی استعمال کرتا ہے ۔ یہ مرکب تشبیہ ہے ۔ اور مرکب تشبیہ یوں بھی مفرد تشبیہ سے برتر ہوتی ہے ۔ لیکن اس مرکب تشبیہ کے کیا کہنے ۔ اس کی مثال بھی مشکل سے کہیں ملے گی ۔

چوتھے بند میں ابر کی تشبیہہ ''فیل بے زنجیر،، کے ساتھ ایک ایسی تشبیہہ ہے ۔ جو اقبال کے پیشرو شاعروں کے کلام میں بھی پائی جاتی ہے ۔ چھٹے بند میں ندی کو ''مسافر،، سے تشبیہہ دی ہے ۔ یہ بھی اردو شاعری میں ایک نئی تشبیہہ ہے ۔ ساتویں بند میں رنگ شفق کو ''غازہ،، سے تشبیہہ دی ہے ۔ اور اس تشبیہہ سے منظر کے حسن کے عالم کو بیان کیا ہے ۔ کہ جس طرح ایک حسین غازہ کے استعمال سے اور زیادہ حسین نظر آتا ہے ۔ اسی طرح ہمالہ کا منظر شفق کے غازہ سے اور زیادہ خوشنما اور دلکش ہو جاتا ہے ۔

ان تشبیہات کے علاوہ اس پہلی اشاعت پذیر ہونے والی نظم میں کئی دلکش استعارات بھی ہیں ۔ مثلاً آسمان کا جھک کر ہمالہ کی پیشانی کو چومنا --- کالی گھٹاؤں کا وادیوں میں خیمہ زن ہونا --- چوٹیوں کا ثریا سے سرگرم سخن ہونا --- نشۂ ہستی میں ہر کلی کا جھومنا --- لیلائے شب کا زلف رسا کھولنا --- وغیرہ وغیرہ ۔

ان دو نظموں کی تشبیہات پر تبصرہ کرنے سے ہمارا مقصد اس امر کا واضح کرنا ہے ۔ کہ ہر شاعر کے ابتدائی کلام میں کچھ نہ کچھ خامیاں یا بندش کی کمزوریاں ضرور پائی جاتی ہیں ۔ الا ماشاء اللہ ۔ لیکن اقبال کا ابتدائی کلام بھی زبان و بیان کے مقررہ قواعد اور فصاحت و بلاغت کے مروجہ معیار پر ویسا ہی پورا اترتا ہے ۔ جیسا ان کے دوسرے یا تیسرے دور کا کلام ۔ ہاں تھوڑا سا فرق ضرور محسوس ہوتا ہے ۔ اور وہ یہ کہ آخری دور کے کلام میں تشبیہات ، استعارات یا محسنات شعر کی طرف اقبال کا رجحان بتدریج کم ہوتا چلا گیا ہے ۔ اور اثر آفرینی اور دل نشینی کی طرف بتدریج زیادہ ۔

"بانگ درا" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ گیسوئے اردو جو ابھی منت پذیر شانہ تھا ۔ اقبال اس کی مشاطگی کر رہے ہیں ۔ اور "غنچہ دلی" کو "گل شیراز" پر خندہ زن ہونے کی صلاحیت بخش رہے ہیں ۔ پھر "بال جبریل" کو دیکھئے --- ایک فلسفی اور حکیم اپنے زور طلاقت سے ایک پیغام کی اہمیت اور صداقت ذہن نشیں کرا رہا ہے ۔ پھر آخری دور کا کلام ہے ۔ جس کے مطالعہ سے یہ نقش ابھرتا نظر آتا ہے کہ ایک پیام بر اپنا مقدس فرض پورا کر چکا ہے اسے اطمینان قلب حاصل ہوچکا ہے ۔ تاہم اس کے لبوں پر کچھ الفاظ ہیں ۔ تلقین کے الفاظ ۔ تاکید کے الفاظ ۔ "و ما علینا الا البلاغ" کے آخری الفاظ ۔

تیسرا باب

قدیم تشبیہات میں تصرفات اقبال :

گزشتہ باب میں ہم نے مختصر طور پر یہ بیان کیا ہے ۔ کہ اقبال کی ابتدائی نظموں (نالۂ یتیم ، یتیم کا خطاب ہلال عید سے اور ہمالہ) میں زبان و بیان کے وہ تمام محاسن موجود ہیں جو کسی کہنہ مشق شاعر کی قادر الکلامی پر دال ہوتے ہیں ۔ اور بڑی ریاضت اور جگر کاوی کے بعد حاصل ہوتے ہیں ۔ اس ابتدائی دور کی نظمیں ، خیالات کی جدت اور اسلوب کی ندرت کے لحاظ ایک قسم کی پیش گوئی کرتی ہیں کہ اس نوجوان شاعر کا مستقبل کس قدر درخشندہ ہوگا :—

بالائے سرش ز ہوشمندی

می تافت ستارۂ بلندی (سعدی)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ اقبال کے کلام میں ایسی ایسی عمدہ ، موزوں ، دلکش اور جدید تشبیہات ہیں ۔ کہ اُن کی نظیر کلاسکی دور کے مسلم الثبوت اور مستند اساتذہ کے کلام میں بھی نہیں ملتی ۔ اس خاص امتیاز کی ایک وجہ یہ ہے ۔ کہ اقبال عام شعراء کی مانند غزل گو شاعر نہیں ۔ ان کا طرز کلام منفرد اور جدا گانہ ہے ۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے

عشق کے درد مند کا طرز کلام اور ہے

آن کی منزل مقصود دوسروں سے مختلف تھی ۔ اور اس منزل تک لے جانے والا راستہ بھی شاعروں کے عام پامال راستے سے جدا تھا ۔ اس وجہ سے آن کی شاعرانہ روش اور انداز بیان میں دوسرے شاعروں سے مقابلہ کرتے وقت ایک نمایاں اختلاف نظر آتا ہے ۔ اقبال بڑے واضح الفاظ میں شکایت کرتے ہیں کہ لوگ ان کو غزل خواں شاعروں میں شمار کرتے ہیں اور آن کی منفرد روش کو نہیں پہچانتے ۔

بآں رازی کہ گفتم پے نبردند
ز شاخ نخل من خرما نہ خوردند

من ای میر اُمم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

پھر ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ۔ کہ مجھے دوسرے شاعروں کی مانند ، افسانے کہنے والا ، رقیب و قاصد و درباں کی باتیں کرنے والا اور ہجر و فراق کے شدائد بیان کرنے والا شاعر نہ سمجھا جائے ۔

نہ پنداری کہ من بے بادہ مستم
مثال شاعراں افسانہ بستم

نہ بینی خیر ازاں مرد فرو دست
کہ برمن تہمت شعر و سخن بست

بجبریل امیں ہم داستانم
رقیب و قاصد و درباں ندانم

پھر ایک اور مقام پر اپنی شاعری کے متعلق یوں اظہار خیال فرماتے ہیں :—

~ نغمہ کجا و من کجا ، ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

یعنی میں کون اور میری شاعری کیا ! یہ شاعری تو ایک ذریعہ ہے - جس سے میں ناقۂ بے زمام (بکھرے ہوئے اور منتشر مسلمانوں) کو ایک قطار (رشتۂ وحدت) کی طرف کھینچ کھینچ کر لا رہا ہوں -

غالباً یہی تاثیر پیدا کرنے کے لئے انھوں نے سب سے پہلے اپنا فارسی کلام ''مثنوی اسرار خودی،، کے عنوان سے ۱۹۱۵ء میں شائع کیا - یہ مثنوی ایک خاص پیغام اور ایک خاص فلسفۂ حیات کی حامل ہے - پھر مثنوی ''رموز بیخودی،، جو موضوع کے لحاظ سے اسرار خودی کی مانند ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے - ۱۹۱۸ء میں شائع کی - پھر ۱۹۲۲ء میں ''پیام مشرق،، شائع کیا گیا - یہ شعری مجموعہ جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے ''دیوان مغرب،، کا جواب ہے - اور بانگ درا جو ان کے اردو کلام کا پہلا مجموعہ ہے - ستمبر ۱۹۲۴ء میں پہلی بار اشاعت پذیر ہوا -

بانگ درا کی اشاعت کے وقت بعض نظموں کو اور کئی مختلف اشعار کو اس مجموعہ میں ناقابل اشاعت خیال کرتے ہوئے علامہ اقبال نے انہیں قلمزن کر دیا - بانگ درا کی اشاعت میں دیدہ و دانستہ تاخیر کی گئی تاکہ اہل علم و فضل لوگ اُن کی شاعری کا اندازہ اُن کے فارسی کلام سے اور اُس خاص پیام سے کریں جو اشعار کے لباس میں اُن تک پہنچایا گیا ہے انہوں نے اپنے اردو کلام کے مجموعہ میں بھی وہ اشعار ، غزلیں یا نظمیں شامل نہ کیں - جو اُن کے مذاق اور معیار کے مطابق نہ تھیں - اس محتاط انتخاب سے اُن کی غرض بظاہر یہی تھی - کہ لوگ ان کو غزل گو شاعر نہ سمجھ لیں اور اُن کو عام ''سخن وران زمانہ،، کے ساتھ

شمار نہ کریں ۔چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں لوگ ان کے کلام کی لطافت کے ساتھ ساتھ اُن کے پیغام سے بھی آشنا ہو گئے ۔ اور آج اُس پیغام کی وجہ سے ان کے کلام کی شہرت مشرق و مغرب کے گوشہ گوشہ تک پہنچ چکی ہے ۔ اور اُن کے کلام کے تراجم کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں ۔

کوئی شاعر ، خواہ وہ کتنا ہی عظیم ہو ، اُسے اپنے خیالات و احساسات کے اظہار و ابلاغ کے لئے ، زبان و بیان کے وہی پیمانے ، استعمال کرنے پڑتے ہیں جو اُس کے خاص زمانے میں مروج اور متداول ہوں ۔ اور عموماً وہی الفاظ ، وہی تراکیب ، وہی تلمیحات ، وہی تشبیہات اور وہی استعارات استعمال میں لانے پڑتے ہیں ۔ جو شعرائے سلف کے استعمال میں آتے رہے ہیں ۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں :۔

''انیسویں صدی کے آخر تک اردو کی شعری روایت کے تمام علائم و رموز معین ہو چکے تھے ۔ اصطلاحات واضح تھیں ۔ استعارات ، تشبیہات ، اور تلمیحات کا بہت قیمتی ذخیرہ دیوانوں میں موجود تھا ۔ شعری روایت میں وہ محاسن سخن بھی موجود تھے ۔ جن سے کام لے کر اپیج والا صناع ابلاغ و اظہار کی منزلیں بڑی خوبی سے طے کر سکتا تھا ۔ بالفاظ دیگر اردو کی کلاسیکی شعری روایت کے دامن میں تلمیحات تشبیہات ، استعارات ، علامات ، اصطلاحات اور کنایات کا اتنا وسیع ذخیرہ تھا ۔ کہ فنکار جو واردات زندگی کی بجائے خارجی زندگی کی تصویر کشی کرنا چاہتا تھا ۔ اقبال نے اردو کلاسیکی شعری روایت کے تمام علائم و رموز اور اور تمام اصطلاحات سے استفادہ کیا ۔،،

(شعر اقبال ، صفحہ ۳۴ ، ۳۵)

ہم سید عابد علی عابد کے اس خیال سے پورا پورا اتفاق رائے نہیں رکھتے - ہمارا خیال ہے کہ اقبال نے اردو کی کلاسیکی شاعری اور شعری روایت سے ایک حد تک استفادہ تو ضرور کیا ہے - لیکن اپنی ضرورت اور ذوق کے موافق الفاظ و تراکیب ، اور تشبیہات و استعارات میں تصرف بھی کیا ہے - الفاظ و تراکیب کی بحث ہمارے موجودہ موضوع سے خارج ہے البتہ تشبیہات و استعارات کے متعلق ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان میں اقبال کا تصرف چار طرح سے ہوا ہے -

(۱) اقبال نے کئی قدیم تشبیہات و استعارات کو ترک کر دیا -

(۲) بعض تشبیہات و استعارات کو قدماء کے طریق پر انہی معنوں میں استعمال کیا - جن کے لئے وہ وضع کئے گئے تھے -

(۳) کئی تشبیہات میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے انہیں اپنے مطلب کے اظہار و ابلاغ کے لئے موزوں بنا لیا -

(۴) کئی نئی تشبیہات اور نئے استعارات وضع کئے - جو اردو شاعری کے سرمایۂ حسن میں اضافہ اور فخر کا باعث ہیں -

اب ہم فرداً فرداً ان چار امور کا قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں -

۱ - متروکات اقبال

اردو کی کلاسیکی شاعری کا زیادہ تر سرمایہ عشقیہ شاعری ہے - مشہور ترین اصناف سخن قصیدہ ، غزل ، مثنوی اور رباعی ہیں - قصیدہ

مدحیہ شاعری ہے ۔ غزل اور مثنوی عشیہ شاعری ہے ۔ اور رباعی بالعموم صوفیانہ یا فلسفیانہ خیالات کے اظہار کے لئے وقف سمجھی جاتی ہے ۔ قصیدہ اگرچہ مدحیہ مضامین پر مشتمل ہوتا ہے ۔ تاہم اُس کی تشبیب زیادہ تر عشقیہ مضامین کی ہی حامل ہوتی ہے ۔ اس طرح اگر اُردو شاعری کو سرسری نظر سے دیکھا جائے ۔ تو اُس میں عشقیہ مضامین کی ہی کثرت نظر آئے گی ۔ یہ مضامین بالعموم مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں ۔

(الف) محبوب کا حسن صورت : یعنی قد ، رخ ، چہرہ ، چشم و ابرو ، لب و رخسار ، گیسو ، زلف و کاکل ، خال ، چاہ غبغب ، دست و بازو ، ساعدہ ساق سیمیں ، گردن ، گلو ، گوش ، بنا گوش ، پائے نازک رفتار و گفتار کی تعریف میں رطب اللسان ہونا ۔

(ب) مندرجہ بالا موضوعات کے مناسبات و لوازمات کا ذکر اور موزوں تشبیہات کی تلاش ۔ مثلاً قد کی مناسبت سے سرو ، صنوبر ، شمشاد ، گلبن ، بوٹا ، شاخ گل ، شاخ تر ، وغیرہ وغیرہ ۔ رخ کی مناسبت سے پھول، گل ، گلشن ، آفتاب ، ماہتاب ، چندے آفتاب ، چندے ماہتاب ، ماہ پارا ، چاند ، چاند کا ٹکڑا ، جنت نگاہ ، حور ، پری ، پری چہرہ ، خورشید درخشاں ، ماہ منور ، وغیرہ وغیرہ ۔ زلف کی مناسبت سے دام ، سلسلہ ، زنجیر ، لام ، وغیرہ ۔ خال کی مناسبت سے دانہ ، حافظ قرآن ۔ رخ روشن کو چشم بد سے محفوظ رکھنے کے لئے سیاہی کا ایک دھبہ ، وغیرہ ۔ لب کی مناسبت سے لعل ، لعل بدخشاں ، غنچہ ، گلاب کی پنکھڑی ، برگ گل ، برگ لالہ ، یاقوت ، وغیرہ ۔ دانتوں کی مناسبت موتیوں کی لڑی، در دنداں ، ہیرا ، الماس ، گوہر ، ہیرے کی کنی ، وغیرہ وغیرہ ۔ رخسار

کی مناسبت سے گل ، بیاض عارض ، صفحۂ قرآن ، مصحف رخ ، پھول ، چاند کا ٹکڑا ، چاند ، چاندی ، وغیرہ وغیرہ ۔ آنکھ کی مناسبت سے غزال ، نرگس ، چشم آہو ، محراب ابرو ، ہلال ابرو ، کمان ابرو ، تیر نگاہ ، صف مژگاں ، وغیرہ وغیرہ ، گردن اور گلو کے مناسبات صراحی ، قوس قزح ، بلور ، وغیرہ ۔ رفتار کی مناسبت سے صبا ، نسیم ، کبک دری ، رقص طاؤس ، فتنۂ محشر ، وغیرہ نئی نئی تشبیہات کا پیدا کرنا ۔

(ج) دل ۔ عشقیہ شاعری میں دل ایک ایسی دلکش ، مبسوط اور مفصل کتاب ہے ۔ جس میں ہر قسم کے بے شمار مضامین کی بھرمار ہے ۔ کبھی دل ایک مال تجارت ہوتا ہے اور محبوب اس مال کا خریدار ۔ دل کا مالک متوقع خریدار یعنی محبوب کے دروازے پر جا کر صدا لگاتا ہے ۔ کہ ع من سی پارۂ دل سی فروشم ۔ محبوب باہر نکلتا ہے ۔ اس مال تجارت کو ٹھوک بجا کر دیکھتا ہے ۔ پسند آ جائے تو جھگڑ جھگڑ کر قیمت چکاتا ہے ۔ مال بیچنے والا بھی زیادہ سے زیادہ رعایت دیتا ہے ۔

بگفتا قیمتش ، گفتم نگاہے
بگفتا کمترک ، گفتم کہ گاہے (غنیمت)

اور کبھی کساد بازاری ہوتی ہے ۔ دل متاع کا سد خیال کیا جاتا ہے ۔ محبوب اس کی خرید کا ارادہ کرتا ہے ۔ مگر سودا نہیں ہو پاتا ۔ اور عاشق اپنا دل اُٹھا کر اپنے گھر کی راہ لیتا ہے ۔

اُس نے جب مال بہت رد و بدل میں مارا
ہم نے دل اپنا اٹھا ، اپنی بغل میں مارا (ذوق)

کبھی دل ایک پرندے یا صید یا نخچیر کی مانند ہوتا ہے ۔ محبوب اُس کو شکار کرنے کے لئے زلفوں کا دام پھیلاتا ہے ۔ اس میں خال کا

دانہ ڈالتا ہے ۔ دانے کی ہوس مرغ دل کو دام میں پھنسا دیتی ہے ۔ کبھی دل ایک مضبوط قلعہ کی مانند ہوتا ہے ۔ محبوب (ایک دشمن کی طرح) اس قلعہ کو مسخر کرنے کے لئے پلکوں کی پلٹن لے کر آتا ہے ۔ کمان ابرو سے تیر نگاہ کے پے در پے وار کرتا ہے ۔ اور اس قلعہ کا محاصرہ کر لیتا ہے ۔ قلعہ والوں سے پہلے صبر و طاقت کی رسد ختم ہو جاتی ہے ۔ وہ ہتھیار ڈال دیتے ہیں ۔ اور محبوب دل کی دلی لوٹ کر آخرکار وہاں اپنا سکہ چلاتا ہے ۔ کبھی دل ایک نگر کی مانند ہوتا ہے ۔ جو تاخت و تاراج کیا جاتا ہے ۔ پھر آباد ہوتا ہے ۔ پھر لوٹا جاتا ہے ۔ اور دیکھنے والے کہتے ہیں ۔

دل کے ویرانے کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

کبھی دل ایک عالیشان عمارت کی مانند ہوتا ہے ۔ لیکن غم و الم آہستہ آہستہ اس عمارت کو کھنڈر بنا دیتے ہیں ۔ ع کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے ۔

کبھی دل ایک دیوانے کی مانند ہوتا ہے ۔ اسے زلف کی زنجیریں باندھ کر رکھا جاتا ہے ۔ کبھی یہ دیوانہ ایسا اسیر ناتواں ہو جاتا ہے ۔ کہ زنجیر کا جھٹکا برداشت نہیں کر سکتا ۔ کبھی دل ایک ضدی بچے کی مانند ہوتا ہے ۔ اسے کوئے جاناں میں جانے سے منع کیا جاتا ہے ۔ یہ پھر دوڑ کر اسی کوچے میں پہنچ جاتا ہے ۔ پھر اسے سمجھا بجھا کر واپس لاتے ہیں ۔ لیکن یہ پھر ٹھوکریں کھاتا ہوا اسی کوچے میں جا پہنچتا ہے ۔ غرض ایک دل ہے اور اس کے ساتھ ہزاروں مضامین وابستہ ہیں ۔

(د) محبوب کو حال دل سے آگاہ کرنے کے لئے نسیم ، صبا ، ہوا ، قاصد ، کبوتر ، کاغذ ، خط ، مکتوب ، برگ حنا وغیرہ کی منت کشی ۔ عاشق پیغام رسانی کے دیگر ذرائع سے مایوس ہو کر برگ حنا پر ہی اپنا حال دل لکھ آتا ہے ۔ اور اس امید پر جیتا رہتا ہے ۔ کہ شاید یہ برگ حنا رفتہ رفتہ محبوب کے ہاتھ لگ جائے ۔

برگ حنا پہ جا کے لکھوں درد دل کی بات
شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دلربا کے ہات

پھر اظہار محبت کے لئے نئی نئی تشبیہات سے کام لیا جاتا ہے ۔ اسی ضمن میں مے ، میخانہ ، میکدہ ، پیرمغاں ، مغبچہ ، ساقی ، ساغر و پیمانہ ، جام ، خم ، بادہ ، بادہ نوش ، بادہ فروش ، وغیرہ کئی مضامین اور کئی تشبیہات معرض ظہور میں آئے ۔ حتیٰ کہ تصوف کے مضامین کے لئے بادہ و ساغر کہے بغیر بات نہیں بن سکی ۔

(ہ) ہجر و وصال ، امید و بیم ، تڑپنا پھڑکنا ، طول شب فراق ، فراق کی رات میں موت کا بار بار آنا ۔ عاشق کا سخت جان ہونا یا اتنا کمزور اور لاغر ہونا کہ "اجل جست و نیافت"، کا مصداق ہونا ۔ وصال کی خواہش ، وصال و ہجر کی لفظی موشگافیاں ، محبوب کا ایک نظر سے زندہ کرنا اور دوسری نظر سے قتل کرنا ، کئی بار مرنا اور کئی بار جینا قبر میں بھی آرام نہ پا سکنا ، اور ہر بار آواز پا کے ساتھ چونک اٹھنا ۔ وغیرہ وغیرہ صدہا خیالی مضامین باندھنا اور ان کو موزوں تشبیہات سے ادا کرنا ۔

(و) محبت کے موانعات ۔ محبت کے راستے میں مشکل مقامات کا آنا سینکڑوں رکاوٹوں کا پیدا ہونا ۔ رقیبوں کی سازشیں ، زمانے کی سختیاں ،

دشمنوں اور بد باطنوں کی مخالفت ، محبوب کا بالعموم بے وفا ہونا اور "مرے کو مارے شاہ مدار" کا مصداق ہونا - اور اسی قسم کے سینکڑوں خیالات کے اظہار کے لئے تشبیہات سے کام لینا -

یہ چند ایک اشارات ہیں - جن سے عشقیہ شاعری کے خد و خال نمایاں کرنا مقصود تھا - اسی قسم کے ہزاروں اور مضامین ہیں - جن میں باریکیاں پیدا کرتے کرتے ہمارے شاعروں نے اپنی زندگیاں صرف کر دی ہیں - کسی نے ایک مضمون باندھا - تو دوسرے نے الفاظ کے معمولی تغیر سے اسی کو نقل کیا - یا کسی نے کوئی نیا نکتہ پیدا کیا - تو دوسرے نے نکتہ در نکتہ پیدا کر کے اس "ایجاد بندہ" پر فخر کیا - کسی نے ایک حالت یا کیفیت کا ذکر کیا - تو دوسرے نے اس میں مبالغہ کر کے نقالی کی اور تیسرے نے مبالغہ کو غلو تک پہنچایا - اور ایسی کیفیت بیان کی جو عقلاً اور عادةً دونو طرح سے ممتنع ہو - اور اس طرح عشقیہ شاعری میں فرضی اور خیالی مضامین کی نقل در نقل سے کذب و افترا اور گناہ بے لذت کا اتنا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ الامان و الحفیظ - اس شاعری کو دیکھ کر اسمٰعیل میرٹھی نے ایک نظم لکھی - جس میں شاعران زمانہ کے حال پر رونا روتے ہوئے آخر میں کہا ہے - کہ

سوائے عشق نہیں سوجھتا کوئی مضموں
یہ ان کی نور بھری شاعری ، خدا کی مار !

اور مولانا حالی نے تو نہایت فیصلہ کن انداز میں اور واضح الفاظ میں کہا ہے - کہ

برا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے
عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے

تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے
مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے (مسدس حالی)

یہ تمام مضامین جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔ اور اسی قبیل کے بے شمار اور مضامین جو عشق مجاز کے متبذل محور کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں ۔ اقبال کی شاعری میں کہیں نظر نہیں آتے ۔ کہ

ع عنقا را بلند است آشیانہ

اقبال طائر سدرہ نشین ہے ۔ جو دانۂ خال کی طمع میں دام زلف میں گرفتار ہو ہی نہیں سکتا ۔ وہ غالب کی طرح مذبذب بھی نہیں ۔ کہ ایمان اسے اپنی طرف کھینچتا ہو اور کفر اپنی طرف یا کعبہ اُن کے آگے ہو اور کلیسا اُن کے پیچھے ۔ اور دونو اپنی اپنی طرف بلا رہے ہوں ۔ یا وہ تھوڑی تھوڑی دور ہر ایک راہرو کے ساتھ چلتے ہوں ۔ اور راہبر کو نہ پہچانتے ہوں ۔اقبال کی منزل معین ہے ۔ اور راہ منزل متعین ۔ اُن کی شاعری کسی اور محور کے گرد گردش کرتی ہے ۔ عشقیہ شاعری اور غزل گوئی کے مقام سے اُن کا مقام بہت بلند ہے ۔ اُن کی شاعری پیغمبری کا ایک جزو ہے ۔ اس لئے عشق کے سفلی جذبات سے پاک ہے ۔ اور وہ تمام تشبیہات و استعارات جو عشقیہ پامال مضامین کی وضاحت کے لئے دوسرے شاعروں نے استعمال کئے ہیں ۔ اقبال کی بارگاہ خیال میں بار نہیں پا سکے ۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں ۔ کہ وہ متروکات اقبال ہیں ۔ بے شک اقبال کی شاعری بھی عشق و محبت کی چاشنی سے خالی نہیں ۔ لیکن اُن کا عشق ایک فطری

پاکیزہ جذبہ ہے - جو ہر طرح کی نفسانی آلائشوں سے پاک ہے - اور جس سے تمام مرد و زن ، بوڑھے یا جوان ، باپ اور بیٹے بیٹیاں ، بہنیں اور بھائی سب بقدر ظرف و استعداد لطف اندوز ہو سکتے ہیں - اقبال کا کلام الہام کی مانند ہے - جسے سننے اور سنانے میں ہر شخص فخر محسوس کرتا ہے -

۲ - تشبیہات میں قدماء کا تتبع :

شاعر خواہ کسی زمانے اور کسی ماحول میں پیدا ہو اُسے زبان و بیان کے مروجہ ذرائع اظہار سے ہی کام لینا پڑتا ہے - اُس کا تخاطب اُسی زبان میں ہوتا ہے جو اُس کے مخاطب روزانہ بولتے اور سنتے ہیں - وہ انہی محاورات ، انہی تلمیحات اور انہی تشبیہات و استعارات سے کام لیتا ہے - جو رائج الوقت ہوتے ہیں یا اُس نے بزرگوں سے سنے ہوتے ہیں - یا اُس نے شعرائے سلف کے کلام میں پڑھے ہوئے ہوتے ہیں - وہ نئے پیمانے بھی وضع کرتا ہے - نئی تشبیہات بھی پیدا کرتا ہے - لیکن اُس کا زیادہ تر انحصار قدیم پیمانوں پر ہی ہوتا ہے - جن لوگوں کو نت نئی باتیں کہنے کا دعویٰ ہوتا ہے - وہ بھی ہمیشہ نئی بات نہیں کہہ سکتے - اور ان کو بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے - کہ ہر روز اور ہر وقت نئی بات کہنا ناممکن ہے - ناسخ نے دعویٰ کیا - کہ

سب زمینیں ہیں نئی باتیں ہیں اے یار نئی
روز یاں ریختے کی اٹھتی ہے دیوار نئی

اور وہ اس غزل کو اختتام تک بھی نہ پہنچانے پائے تھے - کہ مجبور ہو کر بول اٹھے :-

نہیں ممکن کہ نئی ساری غزل ہو ناسخ
باتیں دو چار پرانی ہیں تو دو چار نئی

اقبال بھی اس عالمگیر اصول سے مستثنیٰ نہیں ۔ چنانچہ ان کے کلام میں کئی ایسی قدیم تشبیہات ہیں ۔ جن سے شعرائے سلف کام لیتے رہے ہیں ۔ اور جو شاید زبان اردو کے ساتھ ہمیشہ زندہ و پایندہ رہیں گی ۔ مثلاً قدماء نے اس دنیا کو یا ہستی انسان کو ایک شرارے کی مانند قرار دیا ہے ۔ کہ ایک لمحہ بھر اپنی چمک دکھا کر مٹ جاتا ہے ۔ یا برق ہے کہ لمحہ بھر چمکتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے ۔

عمر برق و شرار ہے دنیا
کتنی بے اعتبار ہے دنیا

اقبال بھی بہ تغیر الفاظ اس تشبیہہ کو بار بار استعمال میں لاتے ہیں ۔ مثلاً

آیا ہے تو جہاں میں مثال شرار دیکھ
دم دے نہ جائے ہستیٔ نا پائیدار دیکھ (غزلیات)

اے ہوس خوں رو کہ ہے زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تبسم یہ خس آتش سوار
(گورستان شاہی)

مزرعۂ زندگی یا مزرعہ ہستی یا کشت عمر :

بزرگوں نے کہا ہے ۔ یہ زندگی آخرت کی کھیتی ہے ۔ یہاں جو کچھ بوؤ گے آخرت میں وہی کاٹو گے ۔ اس وجہ سے فارسی اور اردو کے قدیم

شاعروں نے زندگی یا ہستی کو ایک کھیتی سے تشبیہہ دی ہے۔ اقبال بھی اس تشبیہہ میں اُن کا تتبع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

۱۔ ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب
جل گئی مزرعہ ہستی تو اگا دانۂ دل (دل)

۲۔ بادشاہوں کی بھی کشت عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور
(گورستان شاہی)

۳۔ شاعر دلنواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اُس کے فیض سے مزرعہ زندگی ہری (شاعر)

ساز ، مضراب ، رباب ، بربط ، نوا :

قدماء نے زندگی کو ، اور کبھی دل کو ایک ساز سے تشبیہہ دی ہے اور غم کو مضراب سے ، رباب اور بربط بھی ساز ہیں۔ اس لئے زندگی کو رباب اور بربط سے بھی تشبیہہ دی گئی ہے۔ ان سازوں سے جو آواز یا نوا نکلتی ہے۔ اُسے کبھی شاعر کے کلام سے یا کسی بزرگ کے مقولہ سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ اور کبھی نوا کو غم کی آواز کہا جاتا ہے۔ اقبال بھی اس تشبیہہ کو قدماء کے انداز پر استعمال میں لاتے ہیں۔

۱۔ زندگانی ہے مری مثل رباب خاموش
جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش

۲۔ آہ ! امید محبت کی بر آئی نہ کبھی
چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی (نوائے غم)

۳ - مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے (شکوہ)

۴ - چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تار حیات
جس سے ہوتی ہے رہا روح گرفتار حیات (نوائے غم)

۵ - غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطف خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے
غم نہیں غم ، روح کا ایک نغمۂ خاموش ہے
جو سرود بربط ہستی سے ہم آغوش ہے (فلسفہ غم)

٦ - جس کی نادانی صداقت کے لئے بیتاب ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لئے مضراب ہے
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

اشک یا آنسو :

قطرات اشک کو قدماء نے موتیوں سے یا شبنم کے قطروں سے یا تاروں سے تشبیہہ دی ہے ۔ دانہ کی مانند قرار دیا ہے ۔ خون آلود اور گلگوں کہا ہے ۔ اور مسلسل قطرات اشک کو ہار سے تشبیہہ دی ہے ۔ کثرت گریہ کو ساون کی بارش کی مانند قرار دیا ہے ۔ اقبال بھی ان تشبیہات میں قدماء کی پیروی کرتے ہیں ۔ دیکھئے :-

اشک (موتیوں کی مانند) :

دکھلائے ہم نے آنکھ سے لے کر جو در اشک
قائل ہماری آنکھ کے سب جوہری ہوئے (سودا)

ہے رگ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سورج کی کرن شبنم میں ہے الجھی ہوئی (اقبال)
(گورستان شاہی)

اشک (شبنم کی مانند) :

جوں گل تو ہنسے ہے کھلکھلا کر
شبنم کی طرح مجھے رلا کر (میر اثر)

شبنم کی طرح پھولوں پہ رو اور چمن سے چل
اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے (اقبال)
(غزلیات)

گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہے طوفان اشک
شبنم افشاں تو کہ بزم گل میں ہو چرچا ترا (اقبال)
(شمع اور شاعر)

اشک (تاروں کی مانند) :

تارے سے میری پلکوں پہ قطرے سرشک کے
دیتے رہے ہیں میر دکھائی تمام رات (میر)

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے
پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا ہے
(راسخ عظیم آبادی)

اقبال — (تارے کی زبان سے کہلواتے ہیں)

اشک بن کر سر مژگاں سے اٹک جاؤں میں
کیوں نہ اس بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں میں
جس کا شوہر ہو رواں ہو کے زرہ میں مستور
سوئے میدان وغا، حب وطن سے مجبور (اقبال)
(صبح کا ستارا)

اشک (دانہ کی مانند) :

سینہ را بشگاف و در وی دانہ اشکے فشاں
ایں کہ شوری خاک و کاری دانہ را بے حاصل است (نظیری)

اشک کے دانے زمین شعر میں بوتا ہوں میں
تو بھی رو اے خاک دلی، داغ کو روتا ہوں میں (داغ)

اشک (ہار کی مانند) :

در اشک ہیں موتیوں کی طرح
تو یہ ہار کب تک پروتا رہے گا (میر)

جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار (اقبال)
(ماں کا خواب)

اشک (خون آلود ہونے کی وجہ سے گلگوں یا عنابی) :

لوہو لگتا ہے ٹپکنے جو پلک ماروں ہوں
اب تو یہ رنگ ہے اس دیدۂ اشک افشاں کا (میر)

خون جگر ہو بہنے لاگا
پلکوں پر ہی رہنے لاگا (میر)

شب بھر اس دیدۂ خونبار سے خوں ٹپکا ہے
ہم تو سمجھے تھے کہ اے میر یہ آزار گیا (میر)

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھونگا کہ دو شمعیں فروزاں ہو گئیں (غالب)

خوابگہ شاہوں کی ہے یہ منزل حسرت فزا
دیدۂ عبرت، خراج اشک گلگوں کر ادا (اقبال)
(گورستان شاہی)

قضانے عشق پر تحریر کی ایسی نوا اس نے
میسر جس سے ہیں آنکھوں کو ابتک اشک عنابی (اقبال)
(عرفی)

گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
آنکھ میری مایہ دار اشک عنابی نہیں (اقبال)
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

اشک (طوفان یا سیلاب کی مانند) :

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے (غالب)

میں نے روکا رات غالب کو وگر نہ دیکھتے
اس کے جوش گریہ سے گردوں کف سیلاب تھا (غالب)

آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں (اقبال)
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

ضبط کی جا کے سنا اور کسی کو ناصح !
اشک بڑھ بڑھ کے یہ کہتا ہے کہ طوفان ہوں میں (اقبال)
(ابر گہر بار)

ارم ، فردوس :

کسی خوبصورت ، دلکش یا فرحت افزا مقام کو جنت ، فردوس یا ارم سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ اقبال بھی اس تشبیہ کو انھی معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں (غالب)

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار (اقبال)

کشمیر کی تعریف میں کسی شاعر کا یہ شعر بہت مشہور ہے ۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمیں است و ہمین است

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند (اقبال)
(بال جبریل)

پربت اور رائی :

کسی مشکل کام کو پربت یا پہاڑ سے تشبیہ دینا یا کسی آسان کام کو رائی سے تشبیہ دینا قدماء کا شعار رہا ہے ۔ اقبال بھی بڑی اور مشکل مہم کو پربت سے اور آسان کام کو رائی سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ یا پربت کے برعکس رائی کی مثال دیتے ہیں ۔ مثلاً

محبت کے کروں بھجبل کی میں تعریف کیا یارو
ستم پربت ہو تو اس کو اٹھا لیتا ہے جوں رائی (سودا)

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی (اقبال)
(بال جبریل)

رائی زور خودی سے پربت
پربت ضعف خودی سے رائی (اقبال)
(بال جبریل)

شمع :

قدماء کے کلام میں شمع کی تشبیہ عام ہے ۔ شمع کی کئی صفات ہیں جو وجہ تشبیہہ بنتی ہیں ۔ مثلاً خود جلنا اور دوسروں کو روشنی دینا ۔ گھلنا اور پگھلنا ، اس کی زندگی کا مختصر ہونا ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ مثلاً

چو شمع از پے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت (شیخ سعدی)

شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے
رشتۂ الفت تمامی عمر گردن میں رہا (میر)

شمع کی طرح جلا میں ، پھنکا بھی لیکن
عمر بھر رشتۂ الفت مری گردن میں رہا (امیر مینائی)

نام روشن تجھے کرنا ہے تو کر لے غافل
شمع ساں بزم جہاں میں ہے تجھے مہلت شب (صبا)

شمع کی مانند ، ہم اس بزم میں
چشم تر آئے تھے دامن تر چلے (میر درد)

اب شمع کی تشبیہات کو کلام اقبال میں دیکھئے ۔ بالکل قدماء کا انداز ہے ۔

۱ ۔ لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری (بچے کی دعا)

۲ ۔ شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں ، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں
(عبدالقادر کے نام)

۳ ۔ جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں (جگنو)

۴ - شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے
(شمع اور شاعر)

۵ - ملا محبت کا سوز مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
مثال شمع مزار ہے تو تری کوئی انجمن نہیں ہے (غزلیات)

۶ - شمع تو محفل صداقت کی
حسن کی بزم کا دیا ہوں (عقل و دل)

۷ - یہ تلاش متصل شمع جہاں افروز ہے
تو سن ادراک انساں کو خرام آموز ہے (گل رنگیں)

۸ - پھر یہ انساں آنسوئے افلاک ہے جسکی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر

۹ - جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسماں اک نقطہ جسکی وسعت فطرت میں ہے
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

پروانہ :

پروانے کو شمع کا عاشق کہا جاتا ہے۔ یہ شمع پر دیوانہ وار کرتا ہے۔ جل جاتا ہے۔ لیکن شمع سے جدا ہو کر رہنا گوارا نہیں کرتا۔ پروانے کو ایک مثالی عاشق قرار دیا گیا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ کہ عشق کرنا کوئی پروانے سے سیکھے۔ جل جائے گا۔ لیکن حرف شکایت زبان پر نہ لائے گا :-

اے مرغ سحر ! عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد[1] (سعدی)

آغا شرف کہتے ہیں ۔

بھلا ہوا نہ ہوا آن کی انجمن میں گزر
کسی چراغ پہ پروانہ ہو کے جل جائے

ناسخ کہتے ہیں :۔

ایسا پروانہ زمانے میں کبھی دیکھا نہ شمع
طور کا شعلہ ہے پروانہ رخ جانانہ شمع

کچھ فقط تو ہی نہیں ناسخ دل و جاں سے نثار
بزم میں پروانے ہیں سب اور صاحب خانہ شمع

ذوق اپنی حسرت کا یوں اظہار کرتے ہیں :۔

بلبل ہوں ، صحن باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں ، چراغ سے دور اور شکستہ پر

اب کلام اقبال میں پروانے کی تشبیہات دیکھئے :۔

۱ - زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب (بچے کی دعا)

۲ - اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے
برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے (شکوہ)

---

۱ - کاں دل زدہ را جاں شد و آواز نیامد ۔

بلبل یا عندلیب :

بلبل کو شعراء نے پھول کا عاشق ٹھہرایا ہے اور اسی بنا پر عاشق کو بلبل سے تشبیہ دی جاتی ہے - بلبل پھول پر چہچہاتی ہے - اس کی آواز کو نالہ غم سے یا فریاد سے تشبیہ دی جاتی ہے - خزاں میں بلبل باغ میں آتی ہے - تو نشان گل کا کہیں پتہ نہیں پاتی - تو پامال خزاں گلبن پر بیٹھ کر روتی ہے - اس قسم کی تشبیہات آردو اور فارسی میں بے شمار ہیں - دو چار مثالیں دیکھئے :—

نہ من برآں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزارانند — حافظ

تنہا تو ہی خراب نہیں گلرخوں کے ہاتھ
تاباں بھی ہے اسی طرح سن خوار عندلیب — تاباں

جام مے لبریز ہیں ساقی فقط مطرب نہیں
گل کھلے ہیں باغ میں خالی ہے جائے عندلیب — ناسخ

ہوں وہ بلبل جو کرے ذبح خفا تو ہو کر
روح میری گل عارض میں ہے بو ہو کر — (وزیر)

اب کلام اقبال میں بلبل یا عندلیب کی تشبیہات کی چند صورتیں ملاحظہ کیجئے :-

۱ - نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر — (صقلیہ)

۲ - بلبل دلی نے باندھا اس چمن میں آشیاں
ہمنوا ہیں سب عنادل باغ ہستی کے جہاں — (داغ)

۳ - میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے (دعا)

۴ - چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں (شکوہ)

۵ - اور بلبل مطرب رنگیں نوائے گلستاں
جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے گلستاں
عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خامہ قدرت کی کیسی شوخ یہ تصویر ہے
(گورستان شاہی)

۶ - عہد گل ختم ہوا، ٹوٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پرداز چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم ابتک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا طلاطم ابتک (شکوہ)

۷ - چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
(تصویر درد)

۸ - کہا حضور نے، اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمئی نوا سے گداز
(حضور رسالتمآب میں)

برق (تیزی ، چمک ، جلا ڈالنا) :

بجلی یا برق کی تین صفات ، تیزی ، چمک اور جلانا ، وجہ تشبیہہ بنتی ہیں ۔ اقبال اس تشبیہہ میں بھی قدماء کی پیروی کرتے ہیں ۔ چند مثالیں دیکھئے :-

۱ - صفِ برق چمکتا ہے مرا فکر بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی (بال جبریل)

۲ - عہد نو برق ہے آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے (جواب شکوہ)

۳ - رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر (شکوہ)

۴ - ہنگامہ آفریں نہیں اس کا حرام ناز
مانند برق تیز ، مثال ہوا خموش (موٹر)

۵ - ہاں نمایاں ہو کے برق دیدۂ خفاش ہو
اے دل کون و مکاں کے راز مضمر فاش ہو (نوید صبح)

شبنم :

شبنم کو موتی اور قطرۂ اشک سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ وجہ تشبیہہ عیاں ہے ۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا (انیس)

رویا کٹے ہیں غم سے ترے ہم تمام رات
پڑتی رہی ہے زور سے شبنم تمام رات (میر)

۱ - گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہے طوفان اشک
شبنم افشاں تو کہ بزم گل میں ہو چرچا ترا (اقبال)
(شمع اور شاعر)

۲ - برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن (بال جبریل)

۳ - تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا
ہے نہاں تیری اداسی میں دل ویراں مرا
(گل پژمردہ)

۴ - شبنم کی طرح پھولوں پہ رو اور چمن سے چل
اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے (غزلیات)

۵ - جب تلک باقی ہے تو دنیا ہیں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں
(بلاد اسلامیہ)

شیر :

شیر کی طاقت اور شجاعت مشہور ہے - قدماء نے دلیر - شجاع اور بہادر شخص کو ہمیشہ شیر سے تشبیہہ دی جاتی ہے - انیس حضرت امام حسین کے متعلق بطور استعارہ کہتے ہیں :-

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف ، چرخ کہن کانپ رہا ہے

اقبال نے بھی جوان مردوں کو "اللہ کے شیر" کہا ہے۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (بال جبریل)

اس سلسلہ میں ایک تعجب کی بات یاد رکھنے کے قابل ہے - کہ اقبال نے اپنے کلام میں اس تشبیہہ کا بہت ہی کم استعمال کیا ہے - حالانکہ قدماء کو دلیری اور شجاعت کے لئے اس سے بہتر کوئی تشبیہہ نظر نہیں آئی - اقبال نے شیر کے مقابلہ میں "شاہین" کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ خود ہی بیان کی ہے :-

"شاہین کی تشبیہہ محض شاعرانہ نہیں - اس جانور میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں - (۱) خود دار اور غیرت مند ہے کہ اور کے ہاتھ کا مارا ہوا نہیں کھاتا - (۲) بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا - (۳) بلند پرواز ہے - (۴) خلوت پسند ہے - (۵) تیز نگاہ ہے -

(بحوالہ علیگڈھ میگزین - اقبال نمبر - صفحہ ۴۰۱)

چراغ :

روشنی اور نور کی وجہ سے ایسے اشخاص کو چراغ سے تشبیہہ دی جاتی ہے - جو روشنی اور ہدایت کا نور پھیلانے والے ہوں - بیٹے کو نور

نظر کہا جاتا کے - اور نور کی مناسبت سے "نور نظر" کو "گھر کا چراغ" یا "چشم و چراغ" کہا جاتا ہے - اقبال کے کلام میں یہ تشبیہہ بھی قدماء کی تقلید میں نظر آتی ہے - مثلاً

(ا) چراغ :

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا (حالی)
(مرثیۂ غالب)

اے ہمایوں ! زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری ، چراغ انجمن افروز تھی (ہمایوں)

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ (ضرب کلیم)

(ب) چراغ سحر :

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا (میر)

کوئی دم کا میہماں ہوں اے اہل محفل
چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں (غزلیات)

(ج) چراغ مصطفوی :

دریں چمن گل بے خار کس نچید آری
چراغ مصطفوی باشرار بولہبی است (حافظ)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی (اقبال)
(ارتقا)

(د) چراغاں :

دل نہیں ورنہ دکھاتا تجھ کو داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا کار فرما جل گیا (غالب)

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے (غالب)

کچھ نہ کچھ گور غریباں کا بھی ساماں ہوگیا
چار تارے عرش سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا (نامعلوم)

جلاتا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کرکے چھوڑونگا (اقبال)

(ہ) چراغ راہ یا چراغ راہگزر :

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے ، منزل نہیں ہے (اقبال)
(بال جبریل)

خرد سے راہرو ، روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ رہگزر ہے (اقبال)

درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رہگزر کو کیا خبر ہے (اقبال)
(بال جبریل)

شعلۂ آواز :

مومن دہلوی کا ایک شعر ہے :

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

کلام مومن کے پرکھنے والوں نے اس تشبیہ کی بڑی تعریف کی ہے ۔ کہ آواز کو شعلہ سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ جو فقید المثال ہے ۔ لیکن اقبال نے بھی آواز کو شعلہ سے تشبیہ دی ہے اور شاید زیادہ مناسب الفاظ ہیں ۔

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمن باطل جلا دے شعلۂ آواز سے
(سید کی لوح تربت)

خرمن کو جلانے کے لئے شعلہ کا ہونا ضروری اور لازمی چیز ہے ۔ اور خرمن باطل کو جلانے کے لئے صرف شعلہ نہیں بلکہ شعلۂ آواز درکار ہوتا ہے ۔ اس لئے شعلۂ آواز کی تشبیہ یہاں زیادہ موزوں نظر آتی ہے ۔

نقش :

خداوند تعالیٰ کو تشبیہاً ''نقاش ازل،، کہا جاتا ہے ۔ اور اس نسبت سے انسان اُس نقاش ازل کا بنایا ہوا ایک "نقش،، کہلاتا ہے ۔ غالب کہتے ہیں ۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

اور اقبال غالب کے تتبع میں کہتے ہیں :۔

مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا
نقش ہوں اپنے مصور سے گلا رکھتا ہوں

(عاشق ہرجائی)

خضر : (رہنمائی ۔ تنہائی ۔ طوالت عمر)

آب حیات جا کے کسو نے پیا تو کیا
مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا (حاتم)

کام دنیا میں رہبری ہے مرا
مثل خضر خجستہ‌پا ہوں میں (اقبال)

(عقل و دل)

رہنما ہے وادی عالم میں تو مثل خضر
تو تو ہے اک مظہر شان کریمی سر بسر (اقبال)

(نالہ یتیم)

حور کی چوٹی :

گھٹا کیا ہے ۔ گویا کسی حور نے اپنی چوٹی کھول دی ہے ۔ یہ تشبیہ قدماء کے کلام میں النادر کالمعدوم کی حیثیت رکھتی ہے ۔ امیر مینائی کے کلام میں یہ تشبیہ اس صورت میں ملتی ہے ۔

گھٹا کی سیر حجرے سے نکل کر دیکھ اے زاہد
نہانے کو یہ چوٹی حور نے جنت میں کھولی ہے

اقبال بھی اس تشبیہ کو پسند فرماتے ہوئے اس کو یوں استعمال کرتے ہیں ۔

آٹھی اول اول گھٹا کالی کالی
کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی
(عشق اور موت)

گلشن ، گلزار ، ریاض ، چمن :

اس دنیا کو ایک باغ ، گلشن ، گلزار ، ریاض یا چمن سے تشبیہہ دی جاتی ہے ۔ جس میں انسانی زندگی ایک پھول کی مانند کھلتی ہے اور بالآخر یہ پھول اپنی عمر طبعی گزار کر (جو بہت مختصر ہوتی ہے) مرجھا جاتا ہے ۔ اسی بنا پر موت کو خزاں سے یا خزاں کو موت سے تشبیہہ دی جاتی ہے ۔ یا زندگی کو ایک باغ سے اور انسان کو ایک طائر خوشنوا سے تشبیہہ دی جاتی ہے ۔ زندگی کا باغ ہرا بھرا ہے ۔ طائر شاخ گل پر بیٹھ کر چہچہاتے ہیں ۔ اور آخرکار یہ باغ پامال خزاں ہو جاتا

ہے ۔ اور طائران خوشنوا اُڑ جاتے ہیں ۔ یہ تشبیہات اردو اور فارسی شاعری میں کثرت سے استعمال ہوئی ہے ۔ کسی نے کہا ہے ۔

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

کلام اقبال میں اس تشبیہہ کو مختلف صورتوں میں جلوہ گر دیکھئے :۔

۱ ۔ اس چمن میں ہونگے پیدا بلبل شیراز بھی
سینکڑوں ساحر بھی ہونگے ، صاحب اعجاز بھی (داغ)

۲ ۔ گلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھو (غزلیات)

۳ ۔ آہ ! کیا آئے ریاض دہر میں ہم کیا گئے
زندگی کی شاخ سے پھوٹے ، کھلے ، مرجھا گئے
(گورستان شاہی)

۴ ۔ باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا
ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا (آفتاب)

۵ ۔ یہ حکم تھا کہ گلشن کن کی بہار دیکھ
اک آنکھ لے کے خواب پریشاں ہزار دیکھ (شمع)

۶ ۔ ہے ترے نور سے وابستہ مری بود و نبود
باغباں ہے تری ہستی پےِ گلزار وجود
(انسان اور بزم قدرت)

۷ - چھوڑ کر مانند بو تیرا چمن جاتا ہوں میں
رخصت اے بزم جہاں اپنے وطن جاتا ہوں میں
(رخصت اے بزم جہاں)

۸ - ریاض دہر میں نا آشنائے بزم عشرت ہوں
خوشی روتی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں (تصویر درد)

۹ - ریاض ہستی کے ذرے، ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقت گل کو تو جو سمجھے تو یہ ہے پیماں رنگ و بو کا
(غزلیات)

۱۰ - گلشن دہر میں اگر جوئے مے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو کلی نہ ہو سبزہ نہ ہو چمن نہ ہو (شاعر)

بزم ، محفل ، معمورہ ، بستی وغیرہ :

اقبال کے پیشرو شاعروں نے اس دنیا کو یا اس ہستی کو ایک بزم، ایک محفل ، ایک معمورہ یا بستی سے تشبیہیں دی ہیں ۔ اقبال بھی ان کا تتبع کرتے ہیں ۔ مثلاً

۱ - یوں تو اے بزم جہاں دلکش تھے ہنگامے ترے
اک ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی (غزلیات)

۲ - رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں
آہ اس آباد ویرانے سے گھبراتا ہوں میں
(رخصت اے بزم جہاں)

۳۔ صبح خورشید درخشاں کو جو دیکھا میں نے
بزم معمورۂ ہستی سے یہ پوچھا میں نے
(انسان اور بزم قدرت)

۴۔ چمکنے والے مسافر، عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے (ستارہ)

۵۔ اوج گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے (غرہ شوال)

۶۔ بزم ہستی، اپنی آرائش پہ تو نازاں نہ ہو
تو تو اک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہوں میں (غزلیات)

۷۔ ہے محفل وجود کا ساماں طراز تو
یزداں ساکنان نشیب و فراز تو (آفتاب)

۸۔ بزم جہاں میں میں بھی ہوں اے شمع دردمند
فریاد در گرہ صفت دانۂ سپند (شمع)

۹۔ بزم ہستی میں ہے سب کو محفل آرائی پسند
ہے دل شاعر کو لیکن کنج تنہائی پسند
(رخصت اے بزم جہاں)

۱۰۔ محفل ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہسار (مرزا غالب)

دل :

دل کی بہت سی تشبیہات بھی قدماء کی تقلید کو ظاہر کرتی ہیں ۔ مثلاً

۱ - عرش کا ہے کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی مرا کاشانۂ دل (دل)

۲ - جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کرکےچھوڑونگا (تصویر درد)

۳ - طائر دل کے لئے غم شہپر پرواز ہے
راز ہے انساں کا دل غم انکشاف راز ہے (فلسفہ غم)

۴ - ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثال جام جم
(سید کی لوح تربت)

۵ - دل کی بستی عجیب بستی ہے
لوٹنے والے کو ترستی ہے (سرود رفتہ)

۶ - عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے (دل)

۷ - لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
تھی تہہ میں کہیں دُرد خیال ہمہ دانی
(زہد اور رندی)

اوپر کی مثالوں میں دل کو (۱) کاشانہ سے (۲) شمع سے (۳) طائر سے (۴) جام جم سے اور شیشہ سے (۵) بستی سے (۶) ایک نخل سے (۷) ایک صراحی سے تشبیہہ دی گئی ہے -

نقش پا :

چلتے وقت زمین پر پاؤں کا نشان رہ جاتا ہے - جسے نقش پا کہا جاتا ہے - ہمارے شاعروں نے اس سے بے بسی اور مجبوری کی تشبیہات وضع کی ہیں - نشان نقش پا کسی منزل کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے - دونو تشبیہیں قدماء کے کلام میں یوں آتی ہیں -

۱ - بسان نقش پائے رہرواں کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں (انشا)

۲ - فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقش پا کو راہنما (سودا)

اقبال کہتے ہیں :-

کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے (تصویر درد)

یہ تشبیہات "مشتے نمونہ از خروار" کی مصداق ہیں - اقبال نے بے شمار اور تشبیہات میں قدماء کی تقلید کی ہے - اور قدیم تشبیہات کو قدیم انداز میں استعمال کیا ہے - مثلاً مے ، میکدہ ، میکشی ، ساقی ، جام ، بادہ وغیرہ کی تشبیہات - بحر ، دریا ، قطرہ ، موج ، طوفان ، ساحل ، آبجو وغیرہ کی تشبیہات - تیر ، تلوار ، شمشیر و خنجر ، سپر ، سنان ، کمان وغیرہ کی تشبیہات - بت ، بتکدہ ، بت تراش ، بت شکن وغیرہ کی تشبیہات - صبا ، نسیم ، سموم وغیرہ کی تشبیہات - آسمان ، فلک ، آفتاب ، مہتاب ،

ستارہ ، کہکشاں وغیرہ کی تشبیہات اور کئی اور تشبیہات جن کا ذکر ہم "فارسی تشبیہات" کے عنوان سے ایک علیحدہ باب میں کریں گے ۔

۳ ۔ قدیم تشبیہات میں تصرف کی صورتیں :

اب ہم ان تشبیہات کی چند ایک مثالیں پیش کرتے ہیں ۔ جن میں تھوڑا تصرف کیا گیا ہے ۔ یعنی ان میں لفظی یا معنوی رد و بدل کر کے یا ان میں کچھ اضافہ کرکے ان کو اپنے مطالب کے اظہار و ابلاغ کے لئے زیادہ موزوں بنا لیا گیا ہے ۔ مثلاً سعدی کا ایک مشہور قطعہ ہے ۔ جس میں شاعر نے تمام بنی آدم کو ایک دوسرے کے اعضاء کی مانند قرار دیا ہے ۔ اور کہا ہے ۔ کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے ۔ تو دوسرے اعضاء بھی بیقرار ہو جاتے ہیں۔ اور جو شخص دوسروں کے غم میں شریک نہیں ہوتا ۔ ایسے آدمی نہیں کہنا چاہئے ۔ وہ آدمی کہلانے کا مستحق نہیں ۔

اس تشبیہہ میں اقبال کی کارگہ فکر میں تھوڑا سا رد و بدل کیا گیا۔ اقبال کہتے ہیں ۔ قوم ایک جسم کی مانند ہے ۔ افراد اُس جسم کے مختلف اعضاء ہیں ۔ صناع ، تاجر ، کاریگر اور پیشہ ور لوگ اس جسم کے ہاتھ پاؤں کی مانند ہیں ۔ ارباب حکومت اس جسم کا چہرۂ زیبا ہیں ۔ مگر شاعر اُس جسم میں آنکھ کی مانند ہے ۔ دیکھ لو ۔ جب بھی کوئی عضو مبتلائے درد ہوتا ہے ۔ تو آنکھ ہی اس پر آنسو بہاتی ہے ۔ یہ آنکھ (یعنی شاعر) قوم کی کس قدر ہمدرد ہوتی ہے ۔ اب یہ دونوں قطعات ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے ۔ کہ اقبال نے اس تشبیہہ میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے اسے کس قدر زیادہ موزوں و دلکش اور دل نشیں بنا دیا ہے ۔ اور بالخصوص

شاعر کا فرض منصبی متعین کر کے اسے کس طرح ساری قوم سے ممتاز کر دیا ہے۔

قطعہ سعدی :

بنی آدم اعضائے یکد یگراند
کہ در آفرینش ز یک جوہراند

چو عضوی بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہا را نماند قرار

تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

قطعہ اقبال (بانگ درا) :

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم

محفل نظم حکومت، چہرہ زیبائے قوم
شاعر رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

حضرت شیخ سعدی کا ایک اور قطعہ دیکھئے :۔

شبی یاد دارم کہ چشمم نخفت
شنیدم کہ پروانہ با شمع گفت

که من عاشقم گر بسوزم رواست
ترا گریہ و سوز باری چراست

اس مضمون کو اقبال نے یوں وسعت آشنا کیا ہے ۔ کہ پروانے اور شمع کی گفتگو کی بجائے شمع اور شاعر کو باہم سوال و جواب کرتے ہوئے دکھایا ہے ۔ (بانگ درا ۔ شمع اور شاعر)

دوش می گفتم به شمع منزل ویران خویش
گیسوی تو از پر پروانه دارد شانهٔ

در جهاں مثل چراغ لالهٔ صحراستم
نے نصیب محفلے ، نے قسمت کاشانهٔ

مدتے مانند تو من هم نفس می سوختم
در طواف شعله ام بالے نزد پروانهٔ

می تپد صد جلوه در جان امل فرسود من
بر نمی خیزد ازیں محفل ، دل دیوانهٔ

از کجا ایں آتش عالم فروز اندوختی
کر مک بے مایه را سوز کلیم آموختی

اور شمع کا جواب :-

میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمر مری فطرت میں سوز
تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا ترا

گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہے طوفان اشک
شبنم افشاں تو کہ بزم گل میں ہو چرچا ترا

یوں تو روشن ہے مگر سوز دروں رکھتا نہیں
شعلہ ہے مثل چراغ لالۂ صحرا ترا

اس سوال و جواب میں اقبال نے کئی دلنشیں تشبیہات پیدا کیں ۔ جو ان کے خاص مطالب کی وضاحت کے لئے نہایت موزوں ہیں ۔

شاہین بجائے شیر :

ایک بیباک ، نڈر ، بہادر ، دلیر اور شجاع جوانمرد کو اس کی بیباکی ، بے خوفی ، دلیری اور شجاعت کی وجہ سے قدیم زمانے سے ہی شیر سے تشبیہہ دی جاتی رہی ہے ۔ اور آج تک یہ تشبیہہ اسی طرح سے مستعمل ہے ۔ لیکن اقبال نے شیر کی تشبیہہ کو بہت ہی کم استعمال کیا ہے ۔ ایک شعر میں جوانمردوں کو "اللہ کے شیر،، کہا گیا ہے :-

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (بال جبریل

شاید ایک آدھ اور مقام پر یہ تشبیہہ کام میں لائی گئی ہو ۔ حالانکہ اقبال کا کلام قوت و شوکت کا پیغام دیتا ہے ۔ اور قوت و شوکت کا سب سے زیادہ مظہر شیر ہے ۔ عربی ، فارسی اور اردو شاعری میں قوت ، دلیری بے خوفی اور شجاعت کے لئے ہمیشہ "شیر،، کی تشبیہہ سے کام لیا گیا ہے لیکن اقبال نے ایسے مقام پر جوانمردوں کو شیر کی بجائے شاہین سے تشبیہ دینا زیادہ بہتر سمجھا ہے ۔ اور قوت و شوکت کے مظہر کے طور پر شاہ

یا شہباز کا ہی ذکر کیا ہے ۔ کلام اقبال شاہین یا شہباز کی تشبیہات سے ہی مزین ہے ۔ چند ایک مثالیں دیکھئے :-

۱ - نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں (بال جبریل)

۲ - شکایت ہے مجھے یا رب خدا وندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا (بال جبریل)

۳ - وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی
(استعارہ ۔ بال جبریل)

۴ - ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل
شاہیں گدائے دانۂ عصفور ہو گیا
(محاصرہ ادرنہ)

۵ - نگاہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکار مردہ سزاوار شاہباز نہیں (بال جبریل)

۶ - اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیر دام آیا
(بال جبریل)

۷ - فقیران حرم کے ہاتھ اقبال آ گیا کیونکر
میسر میر و سلطاں کو نہیں شاہین کافوری (بال جبریل)

۸۔ تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں (بال جبریل)

۹۔ ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو

ترے صید زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو (بال جبریل)

۱۰۔ گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو (بال جبریل)

۱۱۔ ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ (بال جبریل)

۱۲۔ پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا (بال جبریل)

شاہین کو شیر سے افضل و برتر جاننے کی وجوہات علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں یوں بیان کی ہیں :۔

"شاہین کی تشبیہہ محض شاعرانہ تشبیہہ نہیں۔ اس جانور میں اسلامی فقر کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ (۱) خود دار اور غیرت مند ہے کہ اور کے ہاتھ کا مارا ہوا نہیں کھاتا۔ (۲) بے تعلق ہے کہ

آشیانہ نہیں بناتا ۔ (۳) بلند پرواز ہے (۴) خلوت
پسند ہے اور (۵) تیز نگاہ ہے ۔،،
(علیگڈھ میگزین ۔ اقبال نمبر صفحہ ۴۰۱)

"شاہین،، کے عنوان سے اقبال نے ایک نظم بھی لکھی ہے ۔ (بال جبریل صفحہ ۲۱۸ ، ۲۱۹) جس میں شاہین کی متذکرہ بالا صفات کو واضح کیا گیا ہے :-

۱ - کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ

۲ - بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ

۳ - نہ باد بہاری ، نہ گلچیں نہ بلبل
نہ بیماری نغمہ عاشقانہ

۴ - خیابانیوں سے ہے پرہیز لازم
ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ

۵ - ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
جواں مرد کی ضربت غازیانہ

۶ - حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ

۷ - جھپٹنا ، پلٹنا ، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

۸ - یہ پورب یہ پچھم چکوروں کی دنیا
مرا نیلگوں آسماں بے کرانہ

۹ - پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

حباب :

پانی کے بلبلے یا حباب کی مدت حیات بہت ہی قلیل ہوتی ہے - ادھر بلبلا بنا اور ادھر ٹوٹ پھوٹ گیا - اس لئے زندگی کی بے ثباتی کو ظاہر کرنے کے لئے اسے حباب سے تشبیہ دی جاتی ہے - مثلاً

کیا بھروسا ہے زندگانی کا
آدمی بلبلا ہے پانی کا

نمود کر کے وہیں بحرِ غم میں بیٹھ گیا
کہے تو میر بھی اک بلبلا تھا پانی کا (میر)

نظیر اکبر آبادی :-

وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور !
وہ طرب ، وہ عیش ، کچھ جس کا نہیں حد و حساب

وہ جو سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر
رہ گئے حیرت زدہ وہ قصر ویراں و خراب

ان سب مثالوں میں حباب کو دم بھر کی زندگی یا مختصر سی زندگی کے لئے مشبہ‌بہ بنایا گیا ہے - البتہ سودا نے حباب سے ایک نئی تشبیہ وضع کی ہے -

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ
کہ جوں حباب وہی پیرہن وہی ہو کلاہ

اقبال بہت سے اشعار میں حباب کو مختصر سی زندگی کے لئے مشبہ بہ ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً

۱ - بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی
نفس حباب کا ، تابندگی شرارے کی (اختر صبح)

۲ - قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی (خضر راہ)

لیکن حباب ایک اوندھے پیالے کی سی بھی شکل رکھتا ہے۔ قدماء میں میر اثر نے حباب کو ایک پیالے سے تشبیہ دی ہے۔ اور وہ یوں ہے۔

ساقی مئے جلوہ سے انہیں کیجئے معمور
ہیں خالی پڑے مثل حباب آنکھوں کے پیالے

اقبال نے حباب کو اپنا پیالہ اوندھا رکھنے سے ایک ایسی تشبیہ پیدا کی ہے۔ جو کہیں اور مشکل سے نظر آئے گی۔ اقبال چاہتے ہیں۔ کہ کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کیا جائے۔ اپنی مدد آپ کی جائے۔ دوسروں کا سہارا کبھی نہ لیا جائے۔ استغناء اور بے نیازی کی شان یہ ہے۔ کہ عین دریا میں رہتے ہوئے بھی پانی کے لئے اس کا احسان مند ہونا ناگوارا نہ کیا جائے۔ اب حباب کی اس تشبیہ کو دیکھئے۔ جو اقبال کے مخصوص رنگ کو ظاہر کرتی ہے۔

تو اگر خود دار ہے منت کش ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر
(شمع اور شاعر)

یا یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئیے مثل حباب آبجو رہنا (تصویر درد)

حباب کا لفظ وہی قدیم لفظ ہے ۔ حباب کی ہیئت اور ماہیت بھی وہی قدیم الایام والی ہے ۔ شعراء قدیم اسے نزاکت اور ہلاکت (مختصر زندگی اور جلد فنا ہونے والی چیز) کی تشبیہات میں مشبہ‌بہ بناتے رہے ہیں ۔ اقبال بھی پہلے قدماء کی روش پر گامزن رہے لیکن بعد ازاں اسی حباب سے جو کمزوری اور ناپائیداری کا مظہر تھا ایک ایسی تشبیہ پیدا کی کہ حباب کو قابل رشک زندگی عطا کر دی ۔ اسے کہتے ہیں باریک بینی اور معنی آفرینی ۔ سودا نے آسمان کو دیکھا کہ ایک اوندھے پیالے کی سی شکل رکھتا ہے ۔ تو اُسے "کاسۂ واژوں" سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا ۔

نہیں ہوں طالب رزق آسمان سے کہ مجھے
یقیں ہے کاسۂ واژوں میں کچھ نہیں ہوتا

ان معنوں کا اقبال کے پیدا کئے ہوئے معنوں سے مقابلہ کیجئے ۔ اور دیکھئے کہ میزان میں کس کا پلہ بھاری ہے ۔ سودا کا یا اقبال کا— کونسی تشبیہ ہے جو دل میں ایک خاص برقی رو دوڑا دیتی ہے ۔ سودا کی یا اقبال کی ۔ یہی تشبیہ ہے ۔ جو اقبال کے مخصوص رنگ (خودی) کی حامل ہے ۔ اور خودی کی تربیت کرتی ہے ۔

شبنم :

شبنم کی تشبیہات کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ۔ شبنم کو موتیوں سے اور اشکوں سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ اور یہ تشبیہ آج تک انہی معنوں کے اظہار کے لئے استعمال ہوتی ہے ۔ لیکن اقبال نے اس تشبیہ میں بھی ایک نئے معنی پیدا کئے ہیں ۔ اور وہ ''تنک بخشی،، اور ''سک مایگی،، کے معنی ہیں ۔ مثلاً

فیض ساقی شبنم آسا ، ظرف دل دریا طلب
تشنۂ دائم ہوں آتش زیر پا رکھتا ہوں میں
(عاشق ہرجائی)

یا
ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے (بال جبریل)

یا
تنک بخشی کو استغنا سے پیغام خجالت دے
نہ ہو منت کش شبنم نگوں جام و سبو کر لے (پھول)

گل :

قدماء نے پھول (گل) کو نفاست ، نزاکت اور خوبصورتی کا مظہر خیال کرتے ہوئے محبوب کو تشبیہاً گل کہا ہے ۔ مثلاً

یار ہے میر کا مگر گل سا
کہ سحر نالہ کش تھا بلبل سا (میر)

یا　　میں اُس گل کو پیغام دیتا ہزاروں
ہوا ہو گئی پر ہوا کہتے کہتے

یا رخسار کو گل سے تشبیہ دی ہے - اور بعض شاعروں نے آنکھ ، لب ، کان ، وغیرہ کو بھی گل کے مشابہ ٹھہرایا ہے - مثلاً

بنایا صانع قدرت نے تجھ کو ایک گلدستہ
دہن ہے غنچہ ، آنکھیں نرگس سہلا ہیں رخ گل بن　　(سودا)

کب کسی گلبن میں پھولے اسقدر یک بار گل
چشم گل ، لب گل ، جبیں گل ، گوش گل ، رخسار گل
(نظیر اکبر آبادی)

یا پھول کے کھلنے کو ہنسنے سے تشبیہ دی ہے - مثلاً

جوں گل تو ہنسے ہے کھلکھلا کر
شبنم کی طرح مجھے رلا کر　　(میر اثر)

مجھے گل کے ہنسنے پہ آتا ہے رونا
کہ اس طرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی　　(سودا)

اقبال نے بعض اشعار میں اسی قدیم روش کو پیش نظر رکھا ہے - مثلاً

ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جان جاں مجھ کو
(التجائے مسافر)

لیکن پھر اقبال نے گل کو سو زبانوں کے باوجود خاموشی سے ایسی نسبت دی ہے - کہ وہ مسکراتا تک نہیں - بلبل کے نالے سنتا ہے اور خاموش رہتا ہے - گل کی یہ خاموشی اقبال کا تصرف ہے - دیکھئے :-

۱ - نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم‌نشیں میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں (شکوہ)

۲ - سو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستور ہے (گل رنگیں)

۳ - کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورت گل، مانند بو پریشاں
(رات اور شاعر)

ساز اور آواز :

زندگی کو ساز سے اور اعمال و حرکات کو آواز سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ لیکن اس تشبیہ میں بھی اقبال نے اپنا تصرف دکھایا ہے ۔ اور جدت پیدا کی ہے ۔ اور دور حاضر کے مسلمان کی تصویر یوں کھینچی ہے۔

تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے
کنشتی ساز، معمور نواہائے کلیسائی
(تضمین بر شعر انیسی شاملو)

اہل ہنود کی مانند رسم و رواج کا پابند گویا ایک ساز ہے ۔ جو کسی مندر یا بتکدہ میں بنایا گیا ہے ۔ اور عیسائی تہذیب و تمدن پر فدا ہونے والا دور حاضر کا مرد مسلمان یوں ہے ۔ کہ گویا اس ساز سے کلیسا کی عظمت و بلندی کا راگ الاپا جا رہا ہے ۔ اس تشبیہ میں خوبی یہ ہے کہ مختصر سے مختصر الفاظ میں دور حاضر کے متمدن اور مہذب مرد مسلم کی صحیح حالت بیان کی گئی ہے ۔

گنج آب آورد بجائے گنج باد آورد :

جو خزانہ بغیر کسی محنت ، تکلیف یا تلاش کے مل جائے - اسے گنج باد آورد کہتے ہیں - یہ محاورہ انگریزی زبان سے اردو میں آیا ہے - انگریزی میں ایسے خزانے کو یا اچانک ملنے والی دولت کو (WINDFALL) کہتے ہیں - علامہ اقبال نے اس میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے ایک نئی اصطلاح واضح کر لی - جو تشبیہہ کے طور پر استعمال کی جا سکے - فرماتے ہیں :-

موج دود آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا

(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

آنسوؤں کو گنج آب آورد سے تشبیہہ دی ہے - آنسو مذکور نہیں - اس لئے یہ استعارہ ہے اور دامن کا معمور ہونا اس کا قرینہ ہے - چونکہ استعارہ کی بنیاد تشبیہہ پر ہوتی ہے - اس لئے اس کا ذکر تشبیہات کے ضمن میں بے محل نہیں ہے -

جل ترنگ اور لہو ترنگ :

جل ترنگ ایک قسم کا ساز ہے - چینی کی پیالیوں میں پانی بھر کر کسی میز پر رکھتے ہیں - یہ پیالیاں ایک دوسری سے بڑی ہوتی ہیں - پہلے سب سے چھوٹی پیالی - پھر اس سے بڑی ، پھر اس سے بڑی - علی ہذالقیاس سات سروں کو ظاہر کرنے کے لئے سات پیالیاں ہوتی ہیں - پھر لکڑی سے ان میں سے آواز پیدا کی جاتی ہے - یہی جلترنگ ہے - اسے ''ساز صدائے آب'' بھی کہتے ہیں -

غالب کہتے ہیں :-

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر ساز صدائے آب تھا جل ترنگ

جل ترنگ کی تشبیہہ نشاط و مسرت کے اظہار کے لئے استعمال ہوتی ہے - لیکن اقبال نے اس میں ایک لفظ کا تغیر کر کے اس کو ایک نیا رنگ بخش دیا ہے - فرماتے ہیں - کہ زندگی جل ترنگ نہیں - بلکہ "لہو ترنگ ہے - یعنی یہ بہت محنت ، جگرکاری اور قربانی چاہتی ہے -

خون دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جل ترنگ

جل ترنگ سے "لہو ترنگ" کی اصطلاح کا وجود میں آنا حضرت اقبال کی کارگہ فکر کا کارنامہ ہے -

قرآن :

قرآن وہ مقدس کتاب ہے - جسے ہم خدا کا آخری پیغام سمجھتے ہیں - اور دیگر تمام مذاہب کی مقدس یا الہامی کتابوں سے اسے اکمل و افضل و اشرف سمجھتے ہیں - قدماء نے محبوب کے چہرے کو قرآن سے تشبیہہ دی ہے -

زلف واللیل ، رخ والفجر ، نرگس چشمۂ کوثر
نمایاں ہے سواد خط کلام اللہ کی صورت (سودا)

مصحف رخ پہ لٹکتا ہے وہ گیسوئے سیاہ
بوسے قرآن کے لیتا ہے یہ ہندو ہو کر (ذوق)

مصحف رخ کی تلاوت ہے نہایت مشکل
اس میں اے قاریو زیر و زبر و پیش نہیں (آتش)

تیرا رخ مخطط ، قرآن ہے ہمارا
بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا (میر)

علامہ اقبال نے اس تشبیہہ میں عام شعراء کی پامال روش کو بالکل اختیار نہیں کیا ۔ اور محبوب کے چہرے کو قرآن سے تشبیہہ دے کر قرآن مجید کی پاکیزگی اور تقدس کو اس کے اصل مقام سے نہیں گرایا ۔ اقبال نے مرد مومن یا انسان کامل کو قرآن سے تشبیہہ دی ہے ۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن (ضرب کلیم)

اسی ایک تشبیہہ سے اقبال کے ذوق سلیم کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ کہاں ایک رواتی اور خیالی محبوب اور اس کا چہرہ قرآن جیسا کہاں ایک مرد مومن یا مرد کامل جسے خدا نے بھی قرآن سے ہی تشبیہہ دی ہے ۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

لیلیٰ مجنوں اور فرہاد شیریں :

لیلیٰ و مجنوں یا فرہاد و شیریں وغیرہ ایسے اشخاص ہو گزرے ہیں۔ جن کو مثالی عاشق و معشوق سمجھا جاتا ہے ۔ اور ہماری کلاسیکی شاعری میں طرح طرح کی تشبیہات ان ناموں کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ اقبال نے ان مشہور ہستیوں سے تلمیحات کا کام بھی لیا ہے اور ان سے تشبیہات و

استعارات بھی پیدا کئے ہیں - یہاں اس بات کا اعادہ کرنا ضروری ہے - کہ اقبال نے عشق کے معنوں میں جدت پیدا کر کے اس کی نوعیت ہی بدل دی ہے - متقدمین نے عشق کی دو صورتیں قائم کر رکھی ہیں - عشق مجازی اور عشق حقیقی - یعنی بندوں کا بندوں سے عشق اور بندوں کا خدا سے عشق - جنسی عشق اور روحانی عشق -

کسی نے کہا ہے :-

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است
کہ آں بہر حقیقت چارہ سازی است

لیکن علامہ اقبال نے عشق کی اس تقسیم کو روا نہیں رکھا - یا یوں کہئے - کہ عشق مجاز کو درخور اعتنا نہیں سمجھا - ان کے خیال میں عشق ایک ناقابل تقسیم دولت ہے - یہ ایک روحانی نغمہ ہے - جس کے سر کبھی عشق اسلام کے ، کبھی عشق نوع انسان کے - کبھی عشق رسول کے اور کبھی عشق خدا کے مظہر ہوتے ہیں - اس لئے انہوں نے لیلیٰ و جنوں اور شریں و فرہاد سے جو تشبیہات یا استعارات وضع کئے ہیں وہ دوسرے شعراء کے تشبیہات و استعارات سے بالکل مختلف ہیں - مثلاً

لیلیٰ :

۱ - آرزو نور حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
لیلیٰ ذوق طلب کا گھر اسی محمل میں ہے (آفتاب صبح)

۲ - محمل میں خامشی کے لیلائے ظلمت آئی
چمکے عروس شب کے موتی وہ پیارے پیارے (بزم انجم)

۳ - تھی زبان داغ پر ہر آرزو جو دل میں ہے
لیلیٰ معنی وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے (داغ)

۴ - لیلیٔ شب کھولتی ہے آ کے جب زلف رسا
دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا (ہمالہ)

۵ - نغمۂ امید تیری بربط دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیرے محمل میں نہیں (مسلم)

۶ - پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلیٰ دے (دعا)

قیس :

اقبال نے "مجنوں" کی بجائے "قیس" کہنے کو زیادہ مناسب خیال کیا ہے ۔ حالانکہ متقدمین نے زیادہ تر "مجنوں" کہا اور لکھا ہے ۔

۱ - ترا اے قیس! کیونکر ہوگیا سوز دروں ٹھنڈا
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی انداز لیلائی
(تضمین بر شعر انیس)

۲ - رہتی ہے قیس روز کو لیلی شام کی ہوس
اختر صبح مضطرب تاب دوام کے لئے
(کوشش نا تمام)

۳ - طالع قیس و گیسوئے لیلیٰ
اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش (سیر فلک)

شیریں ، پرویز و فرہاد :

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ
(تعلیم اور اس کے نتائج)

یہ شعر سیاق و سباق کے ساتھ نہ پڑھا جائے ۔ تو اس کا مطلب واضح نہیں ہوتا ۔ اس لئے پوری نظم دیکھئے ۔

۱ - خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

۲ - ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

۳ - گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

”تخم دیگر بکف آریم و بکاریم ز نو
کانچہ کشتیم ز خجلت نتواں کرد درو،،

قاروں :

قاروں ایک افسانوی کردار ہے ۔ جس کے پاس اس قدر دولت تھی ۔ کہ کسی اور کے پاس آج تک نہیں ہو سکی ۔ داستاں گو بتاتے ہیں کہ اس کے مقفل خزانوں کی چابیاں اتنی زیادہ اور اتنی وزنی تھیں کہ انہیں چالیس اونٹ اٹھاتے تھے ۔ متقدمین نے جب کبھی کسی کی بے شمار دولت کا ذکر کرنا چاہا ہے ۔ تو قاروں کی تلمیح یا تشبیہہ سے کام لیا ہے ۔ اقبال نے اس تشبیہہ میں بھی ایک نئی معنوی خوبی پیدا کی ہے ۔ اور بے عمل فقیہہ شہر کو طنزاً لغت ہائے حجازی کا قاروں کہا ہے ۔ اور خود انکسار سے یوں اقرار کیا ہے ۔

قلندر جز دو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

کارواں ۔ بانگ درا :

کارواں ، منزل ، جرس ، بانگ درا ، گرد کارواں وغیرہ کی تشبیہات بہت قدیم ہیں ۔ خواجہ حافظ کہتے ہیں ۔

مرا در منزل جانان چہ امن و عیش چوں ہردم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

اقبال نے ، مسلمانان عالم کو بالعموم اور مسلمانان ہند کو بالخصوص ایک کارواں سے تشبیہہ دی ہے اور اس کارواں کے کارواں سالار یا اس قوم کے مصلح اور رہنما کو یا اس کے کلام کو "بانگ درا" کی مانند ٹھہرایا ہے ۔ بانگ درا کی ترکیب اقبال کو اتنی پسند تھی کہ انہوں نے اپنے اردو کلام کے پہلے مجموعے کو "بانگ درا" کا نام دیا ۔ دیکھئیے، ترانہ ملی میں کہتے ہیں :-

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اب اسی قبیل کی دوسری تشبیہات دیکھئیے :-

۱ ۔ پھول بے پروا ہیں تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے ، آواز درا ہو یا نہ ہو
(شمع اور شاعر)

۲ ۔ چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں (شکوہ)

۳ - پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے (طلوع اسلام)

۴ - جرس ہوں ، نالہ خوابیدہ ہے میرے ہر رگ و پے میں
یہ خاموشی مری وقت رحیل کارواں تک ہے (غزلیات)

مسلمانوں کی بہ حیثیت ایک قوم کے کمزوری اور پس ماندگی کو اقبال گوارا نہیں کر سکتے تھے ۔ وہ فرد کو ''درماندہ رہرو'' اور ملت کو ''کارواں خفتہ پا'' کہہ کر انہیں غیرت دلاتے ہیں ۔ اور انہیں ترقی کے راستے دکھاتے ہیں ۔ ان کی پسماندگی پر اظہار افسوس کرتے ہیں ۔

۱ - تھی کسی درماندہ رہرو کی صدائے درد ناک
جس کو آواز رحیل کارواں سمجھا تھا میں (بال جبریل)

۲ - اے درائے کارواں خفتہ پا خاموش ہو
ہے بہت یاس آفریں تیری صدا خاموش ہو (مسلم)

دانہ ہائے تسبیح :

اقبال ، مختلف فرقوں ، مختلف ذاتوں ، مختلف عقیدوں اور مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے مسلمانوں کو تسبیح کے ٹوٹے ہوئے یا بکھرے ہوئے دانوں سے تشبیہہ دیتے ہیں ۔ اور ان بکھرے ہوئے دانوں کو رشتہ تسبیح میں پھر سے پرو دینا ہی اپنا مقصد حیات سمجھتے ہیں ۔ رشتہ تسبیح ، تسبیح ، دانہ ہائے تسبیح کی تشبیہات بھی اقبال سے ہی مختص ہیں ، دیکھئے :-

۱ - پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کا
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کرکے چھوڑونگا
(تصویر درد)

۲ - رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے
(شمع اور شاعر)

آہو :

آہو یا غزال سے قدماء نے کئی تشبیہات وضع کی ہیں - جو زیادہ تر محبوب سے ہی تعلق رکھتی ہیں - مثلاً آہو چشم ، غزال رعنا ، آہوئے رم کردہ ، آہوئے وحشی ، وغیرہ

دور بہت کیوں بھاگو ہو کیا سیکھا طرز غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے ان اچھی آنکھوں والوں کا (میر)

کھیلتی ہیں تری آنکھیں دل عاشق کا شکار
صید شیروں کو یہ کر لیتی ہیں آہو ہو کر (ذوق)

لیکن اقبال اس عام روش پر گامزن ہونے سے احتراز کرتے ہیں - وہ منتشر مسلمانوں کو آہو سے تشبیہہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں -

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے (دعا)

ان چند مثالوں سے ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں - کہ اقبال تشبیہات و استعارات کے استعمال میں محض تقلید ہی نہیں کرتے - بلکہ بعض تشبیہات میں اجتہاد سے کام لے کر اس میں مناسب تبدیلی بھی کر لیتے ہیں - اور اسے اپنے مخصوص پیغام کے اظہار و ابلاغ کے لئے زیادہ موزوں بنا لیتے ہیں - یا قدیم تشبیہات میں معنی کا جدید رنگ بھر دیتے ہیں - اور

۴ - نئی تشبیہات کی تخلیق :

اس باب کے آغاز میں ہم کہہ چکے ہیں ۔ کہ تشبیہات اقبال کے متعلق چار امور قابل غور ہیں :-

۱ - متروکات اقبال ۔ قدیم شعراء کی وہ بے شمار تشبیہات جنہیں اقبال نے ترک کر دیا ۔

۲ - وہ تشبیہات جنہیں قدماء کے انداز میں استعمال کیا گیا ۔

۳ - وہ تشبیہات جن میں جزوی طور پر لفظی یا معنوی تغیر و تبدل کر کے انہیں اپنے مطالب کے اظہار و ابلاغ کے لئے موزوں بنا لیا گیا ۔

۴ - نئی تشبیہات کی تخلیق ۔

ان امور میں سے پہلے تین امور کی وضاحت ہم گذشتہ صفحات میں کر آئے ہیں ۔ اور اب ہم اُن نادر ، اچھوتی ، اور نئی تشبیہات کا ذکر کرتے ہیں ۔ جن سے ہماری کلاسیکی شاعری (الا ماشاء اللہ) نا آشنا تھی ۔ اور جو اقبال کی بدولت اردو ادب میں داخل ہوئیں ۔ اقبال کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے اکثر تنقید نگار حضرات نے ان کی تشبیہات کے متعلق بھی اظہار خیال فرمایا ہے ۔ اور اُن کی دو تین نظموں (مثلاً جگنو ، ہلالِ ماہ نو وغیرہ) کی تشبیہات کی مثالیں پیش کرنے پر ہی اکتفا فرمایا ہے ۔ اور اس طرح سے نئی تشبیہات کی تخلیق کا مضمون تشنۂ تکمیل رہ گیا ہے ۔ اس پر سیر حاصل بحث نہیں کی گئی ۔ ہمارا خیال ہے کہ اقبال نے اپنے وسعت مطالعہ ، اشیا کے تفصیلی مشاہدہ اور اپنی قوت متخیلہ کے زور سے کئی ایسی نئی ، دلکش ، دلپذیر اور دلنشیں تشبیہات وضع کی ہیں

جو اُردو ادب بالخصوص اردو شاعری کے ذخیرۂ تشبیہات میں ایک قابل قدر اضافہ ہیں اور جن کی وجہ سے اردو زبان اقبال کی ہمیشہ احسان مند رہے گی ۔ ان تشبیہات کو دیکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے ۔ کہ اقبال کا مقام ، بحیثیت ایک شاعر کے بھی بہت بلند ہے ۔ وہ صحیح معنوں میں ایک قادر الکلام شاعر ہیں ، خلاق المعانی ہیں اور ملک سخن کے ایسے فرمانروا ہیں جن کا سکہ علم و ادب کی دنیا میں ہمیشہ رائج اور مستند رہے گا ۔

— جگنو (بانگ درا صفحہ ۸۳) کی تشبیہات نے ہر صاحب ذوق کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچا ہے ۔ اس نظم کی تقریباً تمام تشبیہات ایسی ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی ۔

اس نظم کے یہ چند اشعار دیکھئے :-

۱ - جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

۲ - آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

۳ - یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آ کے چمکا ، گمنام تھا وطن میں

۴ - تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

۵ - حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

۶ - چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

گویا کاشانۂ چمن میں جگنو کی روشنی کیا ہے ؟ گویا :-

۱ - پھولوں کی انجمن میں شمع جل رہی ہے - ۲ - یا آسمان سے کوئی ستارہ اڑ کر زمین پر آ گیا ہے - ۳ - گویا مہتاب کی کرن میں جان پڑ گئی ہے - ۴ - یا شب کی سلطنت میں دن کی سلطنت کا سفیر آیا ہے - ۵ - یا گویا مہتاب کی قبا کا کوئی تکمہ گر پڑا ہے جسے ہم جگنو سمجھ رہے ہیں - ۶ - یا سورج کے پیرہن میں کوئی ذرہ نمایاں طور پر نظر آ رہا ہے - یا ۷ - یہ حسن قدیم کی ایک چھپی ہوئی جھلک تھی ، جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں لے آئی ہے - یا ۸ - جگنو چھوٹے سے ایک چاند کی مانند ہے - جو کبھی گہن میں چھپ جاتا ہے اور کبھی گہن سے نکل آتا ہے -

ان آٹھ تشبیہات میں سے ایک تشبیہ بھی ایسی نہیں - جس میں آورد کا رنگ ہو یا مبالغہ محسوس ہو یا جو موزوں اور مناسب حال نہ ہو - یہ تشبیہات ایک سے ایک بہتر ہیں - جگنو کی چراغ ، شمع اور روشن ستارے سے تشبیہات پہلے سے اردو شاعری میں موجود ہیں - لیکن جگنو کے لئے اتنی اور ایسی عمدہ تشبیہات پیدا کرنا اقبال سے پہلے کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوا - البتہ مرزا غالب نے "چکنی ڈلی" کے لئے کئی نئی تشبیہات پیدا کی ہیں - جن کا ذکر ہم پہلے باب میں کر آئے ہیں -

"ماہ نو" (بانگ درا صفحہ ۴۴) کی تشبیہات کا بھی اکثر تنقید نگاروں نے ذکر کیا ہے - یہ تشبیہات بھی قابل داد ہیں - دیکھئے -

۱ - ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل

۲ - طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب

۳ - چرخ نے بالی چرا لی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی

ماہ نو کیا ہے ؟ خورشید کی کشتی ٹوٹ کر غرقاب نیل ہو گئی اور اب اُس کا ایک ٹکڑا دریائے نیل کی سطح پر تیرتا پھرتا ہے ۔ ماہ نو قدرت کے ایک نشتر کی مانند ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے ۔ کہ گویا اس نشتر نے آفتاب کی فصد کھولی ہے اور اسی وجہ سے شفق کا خون ناب طشت گردوں میں ٹپک رہا ہے ۔ ماہ نو عروس شام کی بالی کی مانند ہے جس کو آسمان نے چرا لیا ہے ۔ یا یہ خالص چاندی کی ایک مچھلی ہے جو نیل کے پانی میں تیرتی پھرتی ہے ۔ یہ سب تشبیہات عمدہ ، نادر اور اچھوتی ہیں ۔ ان تشبیہات کے ساتھ وہ تشبیہات بھی پیش نظر رکھئے جو "یتیم کا خطاب ہلال عید سے،، عنوان والی نظم میں ہیں ۔ اور جن کا ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں ۔ یہ تمام تشبیہات اردو شاعری میں نئی ہیں ۔ اور علامہ اقبال کی قادر الکلامی کی مظہر ۔

تشبیہات کی ایک اور خوبصورت مثال ''حسن و عشق،، (بانگ درا صفحہ ۱۲۱) کے پہلے بند میں ملتی ہے :-

جس طرح ڈوبتی ہے کشتی سیمین قمر
نور خورشید کے طوفان میں ہنگام سحر

۱ جیسے ہو جاتا ہے گم نور کا آنچل لے کر
چاندنی رات میں مہتاب کا ہمرنگ کنول
جلوۂ طور میں جیسے ید بیضائے کلیم
موجۂ نکہت گلزار میں غنچے کی شمیم
ہے ترے سیل محبت میں یونہیں دل میرا

ترجمہ تیرے سیل محبت میں میرا دل یوں ہے ، جیسے

۱ - نور خورشید کے طوفان میں صبح کے وقت چاند کی چاندی کی نازک کشتی ڈوبتی ہے -

۲ - یا جیسے چاندنی رات میں چاند کا ہم رنگ (سفید) کنول کا پھول نور کا آنچل لے کر گم ہو جاتا ہے (یعنی نظر نہیں آتا)۔

۳ - یا جیسے جلوۂ طور میں ید بیضائے کلیم اپنا آپ کھو دے -

۴ - یا جیسے گلزار کی خوشبو کی موجوں میں ایک غنچے کی خوشبو اپنی علیحدہ ہستی قائم نہیں رکھ سکتی -

یہ تشبیہات فنی لحاظ سے دو محاسن کی آئینہ دار ہیں - ان کی پہلی خوبی یہ ہے - کہ ایک مشبہ کے لئے چار مشبہ‌بہ پیش کئے گئے ہیں - اور اس طرح سے یہ تشبیہ جمع بن گئی ہے - اور تشبیہ جمع کو علمائے بلاغت نے تشبیہ واحد پر ہمیشہ ترجیح دی ہے - دوسری فنی خوبی یہ ہے - کہ مشبہ مرکب ہے اور مشبہ بہ بھی سارے مرکب ہیں - اور اس طرح سے ان تشبیہات کا شمار تشبیہات مرکب میں ہوتا ہے - اور مرکب تشبیہہ ہر نوع کی دیگر تشبیہات سے افضل خیال کی جاتی ہے -

تیسری اور بڑی خوبی ان تشبیہات کا معنوی اور جالیاتی پہلو ہے۔ حسن و عشق غزل کا مخصوص موضوع ہے جس کی وضاحت کے لئے ہمارے شعراء نے کئی تشبیہات وضع کی ہیں۔ محبت کو کئی طرح کی تشبیہات سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح دل یا دلی کیفیت کے اظہار کے لئے بھی بے شمار تشبیہات وضع کی گئی ہیں۔ مثلاً دل ایک بستی کی مانند ہے۔ حسن کا شہریار آتا ہے اور شہر دل کو فتح کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے۔ کوئی چیز سلامت نہیں رہنے پاتی۔ یا عشق آگ کی مانند ہے۔ جو دل کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ ایسی راکھ جس میں کوئی چنگاری باقی نہیں رہتی۔ محبوب راکھ کو کریدتا ہے تو دل زبان حال سے پوچھتا ہے :-

ع کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

یا دل ایک آئینے کی مانند ہے۔ جسے محبوب اپنے دست جفا سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ یا محبت ایک سیلاب یا طوفان کی مانند ہے جو دل کو خس و خاشاک کی مانند بہا کر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اور اس عشق کے سیلاب میں دل فنا و برباد ہو جاتا ہے۔ غرض اس قسم کی تشبیہات ہماری شاعری میں بے شمار ہیں جن کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ دل عشق کے دام میں پھنس کر یا عشق کی آگ میں جل کر یا عشق کے سیلاب میں غرق ہو کر اپنی ہستی کھو دیتا ہے۔ یہ خیال جتنا عام ہے اتنا ہی غلط ہے۔ اقبال کا خیال ہے کہ دل عشق کے دام میں پھنس کر قید علائق سے رہا ہو جاتا ہے۔ دل ایک ایسا نخل ہے۔ کہ جس پر عشق کی برق گرتی ہے۔ تو جل جانے کی بجائے اس میں تازگی اور طراوت آ جاتی ہے۔

اوپر کی تشبیہات سے بھی یہی مطلب واضح کیا گیا ہے ۔ نور خورشید کے سامنے نور مہتاب ماند پڑ جاتا ہے ۔ چاندنی رات میں چاند جیسا سفید کنول کا پھول ، نظر نہیں آتا ۔ طور کے جلوہ کے مقابلہ میں یدبیضائے کلیمؑ ہیچ ہے اور گلزار کی مجموعی خوشبو میں یہ پہچاننا کہ اس میں فلاں غنچے کی خوشبو بھی شامل ہے اورکہاں ہے ، ناممکن بات ہے ۔ عین اسی طرح محبوب کے سیل محبت میں میرے دل کی بھی یہی حالت ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کھو دیتا ہے اور اپنی ہستی اپنے محبوب کی ہستی میں اس طرح سے مدغم کر دیتا ہے ۔ کہ گویا اُس کا اپنا علیٰحدہ وجود کوئی نہ ہو اور اس طرح سے دل آسودگیٔ منزل حاصل کر لیتا ہے ۔

محاصرۂ ادرنہ (بانگ درا صفحہ ۲۴۴) :

اس نظم میں کئی عمدہ تشبیہات ہیں ۔ لیکن ایک تشبیہ بے نظیر ہے ۔ شکری بے حصار ادرنہ میں محصور ہو جاتا ہے ۔ عیسائی فوج ادرنہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیتی ہے ۔ اور کچھ دنوں کے بعد مسلم محصور فوج کا ذخیرہ خوراک ختم ہو جاتا ہے تو اس ترکی امیر لشکر کے حکم سے اہل شہر کو کہا جاتا ہے ۔ کہ وہ اپنی خوراک کے ذخیرے فوج کے حوالے کر دیں ۔ تاکہ مسلم سپاہیوں کو دفاعی جنگ کے قابل رکھا جا سکے ۔ اس موقع پر اقبال نے ایک نہایت عمدہ تشبیہ سے کام لیا ہے ۔

ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل
شاہین گدائے دانۂ عصفور ہو گیا

شاہین پرندوں کا بادشاہ ہے ۔ عصفور (چڑیا)) ایک کمزور سا اور چھوٹا سا پرندہ ہے ۔ جسے اردو اور فارسی کے شاعر کنجشک فرومایہ کے

نام سے یاد کرتے ہیں ۔ ترکوں کے امیر لشکر کو اقبال نے شاہین سے تشبیہ دی ہے اور عوام یا اہل شہر کو عصفور سے ۔ امیر لشکر کا مجبور محتاج ہو جانا اور اہل شہر سے خوراک کی مدد مانگنا ، ایسا ہی ہے جیسا کہ شاہین کا چڑیا سے دانہ مانگنا ۔ چھیننا نہیں ، زبردستی سے ہتھیا لینا بھی نہیں ، درخواست کر کے مانگنا ۔ چڑیا کے آگے شاہین کا ہاتھ پھیلانا ۔ دست سوال دراز کرنا ۔ اس ایک تشبیہہ سے اقبال نے امیر لشکر کی عزت ، غیرت ، تہذیب ، شرافت ، ضبط نفس ، حزم و احتیاط وغیرہ جذبات کی اس عمدگی اور اس اختصار سے تصویر کشی کی ہے کہ اس سے بہتر الفاظ میں ممکن نظر نہیں آتی ۔

اقبال نے مرد مومن کو عموماً شاہین سے اور مسلمان بچوں کو "شاہین بچہ" سے تشبیہ دی ہے ۔ شاہین اور شاہین بچہ کی تمام تشبیہات بھی اردو ادب میں اقبال کا عطیہ ہیں ۔

نمود صبح (بانگ درا صفحہ ۱۶۶) :

اس نظم میں بھی کئی تشبیہات بالکل اچھوتی اور نئی ہیں ۔ صبح کی آمد کو یوں بیان کیا ہے ۔

۱ - ہو رہی ہے زیر داماں فلک سے آشکار
صبح ، یعنی دختر دوشیزۂ لیل و نہار

صبح کو لیل و نہار کی دختر دوشیزہ کہنا ، اردو شاعری میں اقبال سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا ۔ یہ تشبیہ انگریزی شاعری سے ماخوذ ہے اور اردو میں ایک نئی اور دلکش تشبیہ ہے ۔ اگلے دو شعر دیکھئے :-

۲ - پا چکا فرصت درود فصل انجم سے سپہر
کشت خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار

۳ - شعلہٗ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دہقان گردوں نے جو تاروں کے شرار

"درود فصل انجم"، یا "کشت خاور"، اور فصل انجم کی تشبیہ اردو اور فارسی شاعری میں پہلے سے موجود تھی ۔ لیکن آفتاب کی آئینہ کاری ، اور دہقان گردوں اور اس کا تاروں کے شرار بونا اور شعلہٗ خورشید کو حاصل کرنا ، یہ تشبیہات اردو شاعری کو اقبال کی بدولت حاصل ہوئی ہیں ۔ اب یہ تشبیہہ دیکھئے :-

۴ - نما یاں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغ آبدار

صبح کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلتی اور بڑھتی ہے ۔ نور سحر کے اس بتدریج پھیلنے کو تشبیہ سے یوں ظاہر کیا ہے ۔ گویا کوئی شخص میان کی تاریکی میں سے آہستہ آہستہ ایک چمکدار تلوار باہر کھینچ رہا ہو ۔ پھر فرماتے ہیں

مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوتگاہ مینا میں شراب خوشگوار

یہ تشبیہ بھی کئی لحاظ سے نادر ، اچھوتی اور فقید المثال ہے ۔ خورشید کو مطلع (غزل یا قصیدے کا پہلا شعر) سے اور صبح کو ایک مضمون سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔ اور ایک اور تشبیہہ سے یہ وضاحت کی

گئی ہے ۔ کہ مضمون صبح ،مطلع خورشید میں یوں مضمر ہے ۔ جیسے شراب خوشگوار خلوت گاہ مینا میں ۔ مینا شیشے کی صراحی کو کہتے ہیں ۔ شیشے کی صراحی یعنی مینا میں شراب مستور بھی ہوتی ہے اور عریاں میں ۔ اسی طرح مطلع خورشید میں مضمون صبح مستور بھی ہے اور عریاں بھی ہے ۔ صراحی میں بند بھی ہے اور باہر سے نظر بھی آ رہی ہے ۔ لفظ مطلع میں صنعت ایہام بھی ہے ۔ مطلع کے دو معنے ہیں ۔ طلوع ہونے کی جگہ اور غزل یا قصیدے کا پہلا شعر ۔ مضمون کا تعلق شعر سے ہے اور صبح کا سورج کے طلوع ہونے کی جگہ سے ۔ مینا سے اقبال نے اس نشہ سے ملتی جلتی ایک اور تشبیہ بھی پیدا کی ہے :-

دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں
کسوت مینا میں مئے مستور بھی عریاں بھی ہے

(شمع اور شاعر)

اور اسی طرح سے صبح کی ایک اور خوبصورت تشبیہہ "جواب خضر،، (بانگ درا صفحہ ۲۹۱) میں ملتی ہے ۔ صبح کیا ہے ۔ گویا بام گردوں سے جبین جبرئیل نمایاں ہو رہی ہے :-

وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل

صبح کی یہ تمام تشبیہات اردو شاعری میں ایسی جدت کی حامل ہیں ۔ جن کی کہیں نظیر نہیں ملتی ۔

افیون اور برگ حشیش :

افیون اور حشیش (بھنگ) کی تشبیہات اردو شاعری میں پہلے سے موجود تھیں ۔ مگر اور مطالب کے اظہار یا وضاحت کے لئے افیون تلخی

اور نشے کو ظاہر کرنے کے لئے اور حشیش ہلکا سا نشہ ظاہر کرنے کے لئے ۔ مثلاً

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے (ذوق)

یا دختر زر سے یہ کل بزم میں رندوں نے کہا
آج تو خوب ہی خنکے تری سوکن کو لگے

جب کسی شخص کے منہ سے بے ربط باتیں سنیں یا اس کی غیر منظم حرکات دیکھیں ۔ تو ہم کہتے ہیں اس نے تو گویا بھنگ پی رکھی ہے ۔

اقبال نے افیون اور حشیش سے سیاسی اور معاشرتی مطالب کی وضاحت کے لئے تشبیہات پیدا کی ہیں ۔ مثلاً غلام اگر خواب محکومی سے بیدار ہونے لگتا ہے ۔ تو حکمران کی ساحری اسے پھر خواب آور افیون کھلا دیتی ہے ۔ (یعنی کوئی ایسی تدبیر بروئے کار لاتا ہے ۔ کہ غلام محکومی کو ہی نعمت خیال کرنے لگتا ہے) ۔ یا ریاکار ، دنیادار ، مذہبی رہنما اور پیر اپنے مریدوں کو ایسی بھنگ پلائے رکھتے ہیں جس کے نشہ سے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں اور اپنے پیروں یا مذہبی رہناؤں کی دعا اور کرامت پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اب ان تین تشبیہوں کو دیکھئے :-

۱ ۔ شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری پاش پاش

ہے یہ مشک آمیز افیوں ہم غلاموں کے لئے
ساحر انگلس ! ما را خواجہ دیگر تراش

یہ قطعہ اقبال نے ایڈورڈ ہشتم شاہ انگلستان کے تخت شاہی سے دست برداری کے موقع پر کہے تھے۔ ہندوستانیوں کے لئے یہ بات بڑی حیران کن تھی۔ کہ ایک زبردست بادشاہ ملکہ شہنشاہ برطانوی قانون کی زنجیروں میں اس طرح جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ وہ کسی نچلے طبقے کی عورت سے، خواہ اُسے اس سے کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو، شادی نہیں کر سکتا۔ ہندوستانی لوگ تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کہ اتنا زبردست بادشاہ اپنے ملک کے قانون کا اتنا احترام کرے۔ کہ اُسے مجبوراً تخت شاہی یا اپنی محبوبہ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے۔ اقبال اس واقعہ سے متاثر ہو کر کہتے ہیں۔ کہ انگلستان نے بادشاہ تو ہم جیسے غلاموں کے ذہن پر اثر ڈالنے کے لئے تخت نشین کیا ہوتا ہے۔ ورنہ انہیں تو اس کی کچھ ایسی ضرورت نہیں۔ یہ تو ایک روایت کی پابندی ہے۔ انگلستان کی بادشاہت ہمارے لئے ایسی افیون کی مانند ہے۔ جس میں مشک ملائی ہو۔ تاکہ ہم پر نشہ بھی طاری رہے اور مشک کی خوشبو بھی ہم کو محظوظ رکھے۔

اب برگ حشیش کے متعلق دو شعر دیکھئے :

۱۔ ساحرالموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اُسے شاخ نبات (جواب خضر)

۲۔ وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام (ضرب کلیم)

انسانی زندگی :

زندگی کے متعلق مختلف باتیں واضح کرنے کے لئے اقبال نے کئی تشبیہات سے کام لیا ہے ۔ لیکن انسان کی مجموعی زندگی کی تشبیہ اس سے بہتر کہیں نہیں ملتی :-

زندگی انساں کی ہے مانند مرغ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم ، چہچہایا ، اڑ گیا

انسان ایک مرغ خوشنوا کی مانند شاخ حیات پر کوئی دم بھر کے لئے بیٹھتا ہے ۔ مدت حیات اتنی قلیل ہوتی ہے ۔ کہ اسے عام طور پر ایک لمحہ ، ایک پل یا ایک دم سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ اس قلیل عرصہ حیات میں یہ مرغ خوشنوا (انسان) چہچہاتا ہے ۔ یعنی کاروبار حیات کو ہنسی خوشی سے سر انجام دیتا ہے ۔ اعزہ و اقربا اور یار و احباب کی صحبت ، ہم نشیں اور اختلاط سے لطف اندوز ہوتا ہے ہنستا ہے ، کھیلتا ہے مگر یہ خوشی کے لمحات بہت جلد گذر جاتے ہیں اور بالاخر یہ مرغ خوشنوا شاخ حیات سے اڑ کر عدم کی گھمبیر تاریکیوں میں غائب ہو جاتا ہے ۔

اسی نظم (بانگ درا صفحہ ۱۶۲) میں زندگی کے متعلق اور تشبیہات بھی دیکھئے :-

۱ ۔ آہ کیا آئے ریاض دہر میں ہم کیا گئے
زندگی کی شاخ سے پھوٹے ، کھلے ، مرجھا گئے

۲ ۔ سلسلہ ہستی کا ہے اک بحر نا پیدا کنار
اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں ہزار

۳ - اے ہوس خوں روکہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تبسم ، یہ خس آتش سوار

یہ دنیا ایک باغ کی مانند ہے - انسان ایک پھول کی مانند زندگی کی شاخ سے پھوٹتا ہے ، کھلتا ہے اور آخر مرجھا جاتا ہے - یا ہستی کا سلسلہ ایک بحر نا پیدا کنار کی مانند ہے - جس کی ہر موج آخرکار ایک مزار ثابت ہوتی ہے - یہ زندگی سرارے کے تبسم کی مانند ہے - جو لمحہ بھر کی چمک دکھا کر ختم ہو جاتا ہے - یہ زندگی سوکھی گھاس کے ایک تنکے کی مانند ہے - جس کے ایک سرے پر آگ لگی ہوئی ہو اور پل بھر میں سارے تنکے کو جلا کر راکھ کرنے والی ہو-

یہ ساری تشبیہات ، سوائے شرارے کے تبسم کے ، جدت کی حامل ہیں - پر تاثیر ہیں اور دلنشیں ہیں -

دختر و مادر :

مادر ایام ، مادر گیتی ، بطن گیتی ، وغیرہ تشبیہات اردو شاعری میں فارسی کے اثر سے پہلے سے موجود ہیں - اقبال نے مادر کی تشبیہ کے ساتھ دختر کی تشبیہ کا اضافہ کر کے اس تشبیہ کو ایک نئی صورت عطا کر دی ہے - جس سے اردو شاعری کا دامن تہی تھا - مادر و دختر کی چند تشبیہات دیکھئے :-

۱ - ہو رہی ہے زیر داماں افق سے آشکار
صبح یعنی دختر دوشیزۂ لیل و نہار (نمود صبح)

اس تشبیہ کا ذکر نمود صبح کی تشبیہات کے ضمن میں بھی ہو چکا ہے -

۲ ۔ پھرتی ہے وادیوں میں کیا دختر خوش خرام ابر
کرتی ہے عشقبازیاں سبزۂ مرغزار سے (شاعر)

ابر کی خوبصورت اور دلکش چال والی دختر وادیوں میں پھر رہی ہے ۔ اور سبزۂ مرغزار سے عشقبازیاں کر رہی ہے ۔ کسی عمدہ تشبیہ ہے ۔ ابر کے متعلق ایسی عمدہ تشبیہ وضع کرنا اقبال کا ہی حصہ ہے ۔

۳ ۔ زلزلے ہیں ، بجلیاں ہیں ، قحط ہیں ، آلام ہیں
کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں

اس تشبیہ میں مادر ایام کے ساتھ اس کی سبز قدم بیٹیوں (دختران) کا بھی ذکر کیا گیا ہے ۔ اقبال نے زلزلوں ، بجلیوں ، قحط اور آلام کو ''دختران مادر ایام'' سے تشبیہ دی ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ بھی اردو شاعری میں نئی تشبیہ ہے ۔

۴ ۔ ہے رنگین دہر کی زینت ہمیشہ نام نو
مادر گیتی رہی آبستن اقوام نو
(گورستان شاہی)

اس شعر میں اقبال نے زمانے کو ایک ایسی ماں سے تشبیہہ دی ہے ۔ جو ہمیشہ اقوام نو کو جنم دیتی چلی آئی ہے ۔ آبستن کے معنی حاملہ ہونا یا حمل کا ہونا ہے ۔ یہ تشبیہہ بھی اردو شاعری میں ایک نئی چیز ہے ۔

خزاں کی برگ ریزی :

موسم خزاں کو پت جھڑ کا موسم بھی کہتے ہیں ۔ اس موسم میں تقریباً تمام درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں ۔ اور پھر موسم بہار میں درخت

نئے پتوں کا لباس پہنتے ہیں - پتے جھڑنے کی اردو ، فارسی اور انگریزی میں کئی تشبیہات ہیں - اقبال کی درج ذیل تشبیہہ اگرچہ انگریزی ادب سے متاثر ہے - لیکن اردو کے لباس میں اپنی نظیر آپ ہی ہے -

پتیاں پھولوں کی گرتی ہیں خزاں میں اس طرح

دست طفل خفتہ سے رنگیں کھلونے جس طرح

(گورستان شاہی)

بچے ازل سے پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں - اور ہم ان کو کھلونوں سے بہلاتے چلے آ رہے ہیں - اور نیند میں ان کے ہاتھوں سے کھلونے ، ہر گھر میں ، ہر شاعر اور ادیب کے گھر میں ، گرتے رہے ہیں - لیکن اس مشاہدہ سے تشبیہہ پیدا کرنا صرف اقبال جیسے خلاق المعانی اور قادر الکلام شاعر کا ہی کام ہے - فرماتے ہیں ، خزاں میں پھولوں کی پتیاں اس طرح گرتی ہیں جیسے سوئے ہوئے بچے کے ہاتھ سے کھلونے - سبحان اللہ ، کیا عمدہ تشبیہہ پیدا کی ہے کہ جس کے حسن سے اردو شاعری کا چہرہ چمک اٹھا ہے -

عشق کا اثر :

عشق کے اثر کو ظاہر کرنے کے لئے جو خود عاشق پر ہوتا ہے یا محبوب پر ہوتا ہے اردو شاعروں نے بے شمار تشبیہات پیدا کی ہیں جن میں سے بعض مثالیں ہم اوپر پیش کر آئے ہیں لیکن تشبیہات کے اتنے وسیع ذخیرے میں ایک بھی تشبیہہ ایسی نہیں جو اقبال کی اس تشبیہہ کا مقابلہ کر سکے :-

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم (بال جبریل)

پانی کا چشمہ :

یہ تشبیہہ مرکب بھی ندرت اور جدت کی حامل ہے ۔ ریگستان یا صحرائی علاقہ میں پانی کا چشمہ ایک بہت بڑی نعمت ہوتا ہے ۔ اور سفر کرنے والے قافلے اس چشمہ کے کنارے تھوڑی دیر کے لئے ضرور آرام کرنے اور مستانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں ۔ اقبال اس منظر کو ایک تشبیہہ سے واضح کرتے ہیں ، فرماتے ہیں ۔

اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسبیل (خضر راہ)

شفق :

سورج کے غروب ہونے کے وقت افق پر ہر طرف سرخی پھیل جاتی ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی شام کی سیاہی بھی نمودار ہونے لگتی ہے ۔ اس شفق اور شام کی سیاہی کو اقبال نے بہت عمدہ تشبیہات سے اجاگر کیا جو ہمارے سرمایہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے ۔ ان تشبیہات کو دیکھئے اور اقبال کی فصاحت و بلاغت کی داد دیجئے :-

طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب (ماہ نو)

۲ ۔ سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو
طشت افق سے لے کر لالے کے پھول مارے (بزم انجم)

۳ - پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے (بزم انجم)

۴ - عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا
شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا (کنار راوی)

۵ - ہے تخت لعل شفق پر جلوس اختر شام
بہشت دیدۂ بینا ہے حسن منظر شام (فراق)

۶ - وادی کوہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا ہے آفتاب (بال جبریل)

۷ - شراب سرخ سے رنگیں ہوا ہے دامن شام
لئے ہے پیر فلک دست رعشہ دار میں جام (کنار راوی)

ان تمام تشبیہات کے لئے اردو شاعری اقبال کی جودت فکر، ندرت خیال، جدت اظہار و ابلاغ، اور وسعت مشاہدہ و مطالعہ کی ہمیشہ ممنون احسان رہے گی - اگرچہ یہ تمام تشبیہات عدیم النظیر اور فقید المثال ہیں - لیکن آخری تشبیہہ سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہے - اس میں لفظی اور معنوی ایسی خوبیاں ہیں کہ جن کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن بیان نہیں کیا جا سکتا -

آسمان ہمیشہ سے ہمارے سر پر قائم ہے -

ع بہر کجا کہ رسیدیم آسماں پیداست

اس نے بڑی عمر دیکھی ہے - اس لئے اسے ایک بوڑھے، عمر رسیدہ شخص کی مانند قرار دینا کوئی مبالغہ آمیز بات نہیں - چنانچہ آسمان کو اردو اور

فارسی کے شاعروں نے "فلک پیر" یا "چرخ پیر" کا نام دیا ہے - سورج کی "شراب سرخ سے لبریز جام" کی تشبیہہ بھی علیحدہ پہلے سے موجود ہے۔ اقبال نے ان دونوں تشبیہات کو یعنی "فلک پیر" اور "جام سرخ مے" کو ایک اور تشبیہہ کے ساتھ اس طرح پیوستہ کر دیا ہے - کہ تشبیہہ کی صورت ہی بدل گئی ہے - فلک پیر (یا پیر فلک) اتنا بوڑھا اور اتنا ضعیف ہے کہ اس کے ہاتھ اب یونہی کانپ جاتے ہیں - اس پیر فلک نے اپنے دست رعشہ دار میں سورج کا شراب سرخ سے لبریز جام پکڑا تو اس کے ہاتھ کانپ گئے اور جام سے شراب سرخ چھلک گئی اور دامن شام پر گری - جس سے عروس شام کا دامن رنگیں ہو گیا ہے - اس بیان میں صنعت حسن التعلیل بھی ہے اور اس طرح سے یہ تشبیہہ اپنی مثال آپ ہی ہے -

تعلیم جدید اور مغربی تہذیب :

اقبال مغربی تہذیب کے خلاف ہیں - انہوں نے بار بار اور پکار پکار کر مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے مضرت رساں اثرات سے متنبہ کیا ہے - وہ تعلیم جدید کے مخالف نہیں - لیکن وہ تعلیم جو مشرق کو مغرب کی غلامی پر اکسائے جو مسلمانوں کو نصاریٰ اور یہود کے راستے پر لے جائے - ایسی تعلیم کو وہ مسلمانوں کے لئے زہر ہلاہل جانتے ہیں - بے شک وہ خذ ما صفا اور دع ما کدر کے قائل ہیں - دیکھئے، مندرجہ ذیل تشبیہات کے پردے میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کس بے باکی سے کیا ہے :

۱ - عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل (بال جبریل)

یعنی دانش حاضر (تعلیم جدید) ایک آگ کی مانند ہے ۔ اور میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی مانند اس آگ میں ڈالا گیا ہوں ۔ اس لئے اس کے عذاب سے بخوبی واقف ہوں ۔ سادہ الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے ۔ کہ میں نے مغربی تعلیم کی تحصیل کی ہے ۔ اور اس کے مضرت رساں اثرات سے بخوبی واقف ہوں ۔ میں تعلیم جدید کے برے پہلوؤں سے بھی بخوبی باخبر ہوں ۔

۲ ۔ حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
(خضر راہ)

جس طرح گاز سونے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے ۔ اسی طرح حکمت مغرب نے (جس میں مغربی تعلیم شامل ہے) ملت اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے ہیں ۔ ہمارے مغربی آقاؤں نے اپنی حکمت عملی سے تعلیم جدید ایسے طریقے سے پیش کی ۔ کہ کالجوں کے فارغ التحصیل نوجوانوں کو نہ مذہب سے کوئی لگاؤ رہا ۔ نہ ملت سے ، اس قومی تنزل کو اکبرالہ آبادی نے مزاح کا رنگ دے کر یوں بیان کیا تھا :-

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ایک اور شعر دیکھئے :-

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم
گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلیم (بال جبریل)

دانش حاضر سحر سامری کی مانند ہے ۔ اور اگر مسلمانوں کے پاس "چوب کلیم" نہیں ہے ۔ تو ان کی گزر اس دور میں ناممکن ہے ۔ دانش حاضر کو قدیم جادوگروں کے جادو سے تشبیہہ دی ہے ۔ جس کا قلع قمع عصائے موسیٰ (چوب کلیم) نے کیا تھا ۔

دو شعر اور اسی قبیل کے ملاحظہ کیجئے :-

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زر نگار و بے شمشیر (ضرب کلیم)

یہ ایک ایسے نوجوان سے خطاب ہے جس نے مغربی تعلیم حاصل کر کے اپنے دل و دماغ کی عمارت کو مغربی عمارت گروں کے نقشے کے مطابق تیار کر لیا ہے ۔ اور مغربی تعلیم و تہذیب نے اس میں جوہر خودی پیدا ہی نہیں ہونے دیا ۔ ایسے نوجوان کے لئے یہ تشبیہہ کس قدر موزوں ہے ۔ کہ وہ ایک زر نگار نیام کی مانند ہے جس میں کوئی شمشیر نہ ہو ۔

اب ان اشعار کو دیکھئے اور مغربی تعلیم کی ایک نئی تشبیہ ملاحظہ کیجئے :-

۱ - اک لرد فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر

۲ - سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر

۳ - تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے آدھر پھر

۴ - تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کو ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر (ضرب کلیم)

مغربی تعلیم کو تیزاب سے تشبیہ دی گئی ہے جو خودی کو گلا ڈالتا ہے - یہ تعلیم ایسی ہے کہ جس سے خودی کا احساس جاتا رہتا ہے- اور جب خودی مٹ جائے - تو ایسے فارغ التحصیل نوجوانوں کو جدھر چاہو - پھیر لو - اگر وہ اپنے ذاتی جوہر کی بنا پر سونے کا ہمالہ بھی ہوں گے - تو اس تعلیم سے وہ مٹی کا اک ڈھیر بن کے رہ جائیں گے -

اسی طرح ان اشعار کو بھی دیکھئے - اور تعلیم جدید کی ایک نئی تشبیہ کی داد دیجئے -

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئیگا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ
(تعلیم اور اس کے نتائج)

مغربی تعلیم کو شیریں سے تشبیہ دی ہے اور تیشۂ فرہاد سے فرہاد کی یاد ، فرہاد کی محبت ، فرہاد کے خیالات وغیرہ مراد ہیں - اشعار کا مطلب واضح ہے - کہ ہماری توقع کے خلاف تعلیم جدید فراغت تو لا نہیں سکی - البتہ الحاد ساتھ لائی ہے جیسے شیریں پرویز کے گھر میں تو جلوہ نما ہو گئی ہو - مگر فرہاد کی یاد اور فرہاد کی محبت بھی دل سے

نہ نکال سکی ہو۔ دل کہیں ہو اور جسم کہیں ہو۔ اسی طرح وہ لوگ جو مغربی تعلیم کو راہ نجات سمجھتے تھے۔ اقبال ان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں :-

برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے
فرنگ دل کی خرابی ، خرد کی معموری (بال جبریل)

اور پھر دعا کرتے ہیں :-

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری (بال جبریل)

کشتی :

کشتی سے ہمارے شاعروں نے زندگی کی تشبیہات وضع کی ہیں۔ اور اس عمر رواں کو کشتی عمر رواں کہا ہے۔ زندگی ایک کشتی کی مانند دریائے حیات یا بحر حیات میں بہتی چلی جا رہی ہے۔ اور جس جگہ کنارے پر جا لگتی ہے۔ وہی اس کی آخری منزل بن جاتی ہے۔ ذوق کہتے ہیں:-

ذوق اس بحر فنا میں کشتی عمر رواں
جس جگہ پر جا لگی وہ ہی کنارا ہو گیا

پھر کشتی اور نوح علیہ السلام کی مشہور تلمیح سے بھی کئی تشبیہات پیدا کی گئی ہیں۔ جب سیاسی قیادت مضبوط ہاتھوں میں ہو تو ہم کہتے ہیں کہ ہم ایک ایسی کشتی میں سوار ہیں جس کا کھینے والا حضرت نوح کی مانند ہے۔ ہمیں طوفان حوادث سے کیا ڈر ! بقول سعدی

چہ غم دیوار است را چو باشد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتیباں

لیکن اقبال نے کشتی سے ایک ایسی عمدہ تشبیہ وضع کی ہے - جو آج تک اردو یا فارسی شاعروں میں سے کسی کے دام تخیل میں نہیں آ سکی تھی - یہ عام مشاہدے کی بات ہے - کہ بعض بڑے بڑے شہروں کے قریب جو دریا بہتے ہیں - ان کے کناروں پر ملاحوں کی یا مختلف اداروں کی ، یا کالجوں کی کشتیاں بندھی رہتی ہیں - سیر کے شوقین آتے ہیں تو اپنی اپنی کشتیاں کھول کر دریا میں لے جاتے ہیں - یا ملاح اپنی کشتی میں انہیں سیر کراتے ہیں - اس آبی سیر کے لئے کشتی بالکل ایک جامد چیز ہے - جو اپنے ارادے یا رضامندی کا اظہار نہ کرتی ہے اور نہ کر سکتی ہے جس کا جی چاہے کھول لے اور جدھر جی چاہے لے جائے - اقبال کشتی کی اس بے حسی اور بے بسی اور اپنے دور کی غلامانہ ذہنیت میں ایک زبردست مشابہت پاتے ہیں اور یوں محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستانی رعایا اپنے سفید فام فرنگی آقاؤں کے سامنے ایک کشتی کی مانند بے بس اور بے حس ہیں - چنانچہ اس مماثلت کو یوں بیان فرماتے ہیں :-

مثال کشتی بے حس مطیع فرماں ہیں
کہو تو بستۂ ساحل رہیں کہو تو بہیں

(بانگ درا - ظریفانہ)

سیاسی مطالب :

سیاسی مطالب کے واضح کرنے کے لئے جتنی تشبیہات کلام اقبال میں ملتی ہیں وہ سب بھی اردو ادب میں نئی چیز ہیں :- مثلاً

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری (جواب خضر)

ساز کہن ۔ پردہ ۔ دیو استبداد ۔ آزادی کی نیلم پری ۔ قابل غور ہیں ۔

یا

مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لادیں
کنیز اہرمن و دوں نہاد و مردہ‌ضمیر

ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر

متاع غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہراول لشکر کلیسیا کے سفیر

سیاست لادیں کو شیطان کی لونڈی سے تشبیہہ دی ہے ۔ جو کمینی اور مردہ ضمیر ہے ۔ فرنگیوں کی سیاست کو "دیو بے زنجیر" اور کلیسیا کے سفیروں یعنی پادریوں کو ہراول لشکر سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔

تضحیک و تذلیل :

تشبیہ کی ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے ۔ کہ مشبہ کی مذمت کی جائے ۔ تاکہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے ۔ اس مقصد کے لئے اقبال نے جو تشبیہات وضع کی ہیں ۔ وہ بھی اپنی نظیر آپ ہی ہیں ۔ مثلاً سیاست افرنگ ۔

تری حریف ہے یا رب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس
(ضرب کلیم صفحہ ۱۴۴)

سیاست افرنگ کو خدائی سیاست کا حریف ٹھہرا کر دونو کا فرق بھی بتا دیا کہ خدا نے تو ایک ابلیس بنایا ۔ مگر سیاست افرنگ کے تمام عمال اور کارندے ابلیس کی مانند ہیں ۔ اور اس طرح سے یہ سارا نظام ''ابلیسی نظام'' ہے ۔ اقبال نے سیاست افرنگ کو اور کئی جگہ بھی ابلیسی نظام کہا ہے ۔

یا یورپ کے کرگسوں کو نہیں ہے ابھی خبر
ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش (ضرب کلیم)

مغرب کی بڑی بڑی طاقتوں کو جو ابی سینیا پر منقار ہوس تیز کئے ہوئے تھیں کرگس سے تشبیہ دی ہے جو مردارخور اور مکروہ پرندہ ہے ۔

یا شہری ہو دہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن (بال جبریل)

مذہبی رہنماؤں یعنی ملاؤں ، واعظوں اور پیروں کو زاغوں سے تشبیہ دے کر ان کی مذمت کی ہے ۔ اسی طرح ''حال و مقام'' میں ملا اور مجاہد کا فرق تشبیہ سے واضح کیا گیا ہے ۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور ، مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونو کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

(بال جبریل صفحہ ۲۰۸)

ملا کو کرگس سے اور مجاہد کو شاہیں سے تشبیہ دے کر
الذکر کی تحقیر اور ثانی الذکر کی تعظیم ثابت کی گئی ہے۔

کا شہباز :

"خوشامد" (ضرب کلیم صفحہ ۱۴۰) کے تین شعر ہیں۔

میں کار جہاں سے نہیں آگاہ و لیکن
ارباب نظر سے نہیں پوشیدہ کوئی راز

کر تو بھی حکومت کے وزیروں کی خوشامد
دستور نیا اور نئے دور کا آغاز

معلوم نہیں ہے یہ خوشامد کہ حقیقت
کہہ دے کوئی اُلو کو اگر رات کا شہباز

ان اشعار میں طنز و تشنیع کے ایسے نشتر چھپے ہوئے ہیں ، جن کی
ں کو ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ لوگ اپنی مطلب برآری کے لئے
ومت کے وزیروں یا اعلیٰ افسروں کی بے حد خوشامد کرتے ہیں۔ گویا
الو کو "شہباز" کے نام سے خطاب کرتے ہیں۔ "رات کا شہباز" کی
یب میں رات کا لفظ بڑا معنی خیز ہے۔ وزارتیں بدلتی رہتی ہیں۔
ت اگر مساعد ہوں تو بھی حکومت اور وزارت کی طبعی عمر تیں سے

پانچ سال تک ہوتی ہے ۔ اور اگر حالات نامساعد ہو جائیں تو ایک سال سے کم عرصے میں بھی حکومت اور وزارتیں بدل جاتی ہیں ۔ اس طرح سے وہ مدت جو کسی وزیر کو اپنے اثر و رسوخ یا اختیارات کے استعمال کے لئے میسر آتی ہے ۔ بہت قلیل ہوتی ہے ۔ اس مدت کو "رات" سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔ کیونکہ اول تو رات کی تاریکی میں صاحب اختیار لوگوں کا کردار نظر نہیں آ سکتا ۔ دوسرے

ع   رات ہی رات یہ سب کچھ ہے سحر کچھ بھی نہیں

اور رات جلدی گزر جاتی ہے ۔ اور وزیر یا اعلیٰ حکام اس بات کو جانتے اور مانتے ہیں ، اس لئے وہ اپنے اختیارات سے جائز و ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ وہ اُلو کی مانند رات کی تاریکی میں شکار کرتے ہیں ۔ اور خوشامد کرنے والوں کی صحیح صورت یہ ہے ۔ کہ وہ اُلو کو رات کا شہباز کہہ کر اُس کو بظاہر شہباز کے مقابلے میں لے آتے ہیں ۔

ان چند مثالوں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ اقبال نے تشبیہات کے استعمال میں صرف تقلید سے کام نہیں لیا ۔ بلکہ اجتہاد سے بھی کام لیا ہے ۔ وہ محض مقلد نہیں ہیں ۔ موجد بھی ہیں ، اور ان کی وضع کردہ تشبیہات ایک عالم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں ۔

چوتھا باب

اسلامی اور عربی تشبیہات :

اقبال ایک شاعر کی حیثیت سے دوسرے شاعروں سے مختلف مسلک رکھتے ہیں ۔ وہ قدماء کے بے شمار عشقیہ اور مدحیہ مضامین اور استعارات و تشبیہات کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ

ع آنچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است

ان کے کلام میں کئی واضح اشارے موجود ہیں ۔ جو اُن کے مسلک شاعری کی نشان دہی کرتے ہیں :۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرز کلام اور ہے

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم راز درون میخانہ

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

نہ زباں کوئی غزل کی نہ زباں سے آشنا میں
کوئی دلکشا صدا ہو عجمی ہو یا کہ تازی

وہ بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے ہیں کہ :

پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے ، پھر ذوق تقاضا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

اور وہ اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ سمجھتے ہیں کہ :

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است ۔

اقبال کی شاعری کا تار و پود اسلام ہے ۔ اقبال کی شاعری کا محور اسلام ہے ان کی شاعری کا مقصد اور شاعرانہ مساعی جمیلہ کی منزل اسلام ہے اور اُن کی پرواز تخیل معراج اسلام ہے ۔ اس لئے ان کے استعارات و تشبیہات بھی اسی رنگ سے رنگین ہیں ۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ط (یہ اللہ کا دیا ہوا رنگ ہے اور کون ہے اللہ سے بہتر رنگ میں) ہم اقبال کی عربی اور اسلامی تشبیہات کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت پیش کرتے ہیں :

(ا) قرآن ، سیپارہ ، سورتیں ، قرآنی آیات وغیرہ کی تشبیہات ۔

(ب) نماز ، (اذان) ، موذن ، وضو ، کلمہ ، قیام ، رکوع ، سجود ، زکٰوۃ وغیرہ کی تشبیہات ۔

(ج) انبیاء ائمہ دین اور بزرگان دین کی تشبیہات ۔

(د) اسلامی دیار اور امصار کی تشبیہات ۔

(ر) اسلام کے مخصوص عقاید و شعائر مثلاً فرشتے ، حور و جنت وغیرہ اور مساجد ، کھجور ، ہلال وغیرہ کی تشبیہات ۔

(ا) قرآن ، پارہ ، سورت ، آیات وغیرہ :

اقبال ، مرد مومن کو قرآن سے تشبیہہ دیتے ہیں اور قدماء نے محبوب کے چہرے کو قرآن سے تشبیہہ دی ہے ۔ یہ قدیم شاعری کا رنگ تھا ۔ جسے اقبال نے یکسر بدل دیا ۔ اور مرد مومن کو قرآن سے تشبیہہ دے کر قدماء کی تشبیہات کا نقش باطل کر دیا ۔ یہ تشبیہہ زبان حال سے پکار کر کہہ رہی ہے کہ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان ذھوقا ۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن (ضرب کلیم)

قرآن پاک کی سورتوں میں سے سورۂ رحمٰن ، سورۂ نور ، الم ، سورۂ والشمس اور سورۂ اخلاص کا تشبیہاً ذکر کیا ہے ۔

سورۂ رحمٰن :

فطرت کا سرور ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن (ضرب کلیم)

سورۂ نور :

اے نشاں رکوع سورۂ نور
قابل ذلک الکتاب ہے تو
(یتیم کا خطاب)

طلسم ظلمت شب سورۂ والنور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاج زر شمع شبستاں کا (پیام صبح)

الم :

موج غم پر رقص کرتا ہے حباب زندگی
ہے الم کا سورہ بھی جزو کتاب زندگی (فلسفہ غم)

سورۂ والشمس :

گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں
یہ سبھی سورۂ والشمس کی تفسیریں ہیں
(انسان اور بزم قدرت)

سورۂ اخلاص (استعارہ) **:**

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام (ضرب کلیم)

شعرائے قدیم نے بھی اپنی غزلیات ، قطعات یا قصائد میں موقع اور محل کے مناسب قرآنی آیات بلکہ بعض الفاظ و مرکبات سے تلمیحات ، تشبیہات اور استعارات پیدا کئے ہیں ۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے :

ہوا حمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا (ذوق)
(تشبیہ قلم کی الف الحمد سے)

رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اے حبیب
زیور لب ذکر سبحان الذی اسریٰ کروں (ولی)
(استعارہ)

رکھ نفخت فیہ من روحی کو یاد
جب تلک اے درد دم میں دم رہے (درد)
(تلمیح)

صبح کو طائران خوش الحان
پڑھتے ہیں کل من علیہا فان (شوق)
(استعارہ)

الم نشرح ہوا عالم میں تیرا عشق اے سودا
نہ پنہاں ہوسکے دریا سے دل میں ماہ کی صورت (سودا)
(تلمیح اور دوسرا مصرع تشبیہ)

اقبال بھی قرآنی آیات ، الفاظ و مرکبات کی تضمین کرکے تلمیحات ، شبیہات اور استعارات کی تخلیق کرتے ہیں۔ ہم صرف تشبیہات و استعارات ر مشتمل اشعار کی مثالیں دیں گے ۔

مۂ توحید :

لا الہ الا اللہ کے معانی و مطالب کی تشریح و توضیح سے اقبال کا لام اس طرح مزین ہے جس طرح آسمان چاند اور ستاروں سے ۔ اس

کلمۂ توحید کو اتنے مختلف پیرایوں میں اور اس خوبی سے بیان کیا ہے اس کی تکرار محسوس ہی نہیں ہوتی ۔ کبھی خودی کے ذکر میں اور کبھی بیخودی کے بیان میں ، کبھی ملا اور خطیب کو طنزاً لا الہ کا وارث کہا گیا ہے اور کبھی انہیں لغت ہائے حجازی کا ''قارون،، کہہ کر اپنے تئیں انکسار سے کہا ہے کہ بجز دو حرف لا الہ اس قلندر کے پاس کچھ بھی نہیں ۔ کبھی صوفی کو اس کے معانی سمجھاتے ہیں اور کبھی مفتی و ملا کو ، کبھی نفی اور اثبات کے اجتماع ضدین کے عنوان سے بحث کی ہے ۔ لیکن کبھی سیاست مدن کے مسائل سمجھاتے ہوئے اور پیچیدہ معاملات کو سلجھاتے ہوئے فرمایا ہے کہ لا اگر الا سے بیگانہ ہو تو سیاست صرف "چنگیزی،، رہ جاتی ہے ۔ کبھی علم معانی کی رو سے اس کی تشریح کی ہے اور کبھی علم بیان کی رو سے ۔ مندرجہ ذیل تشبیہات و استعارات دیکھئے :

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ ، فساں لا الہ الا اللہ (ضرب کلیم)

اگر خودی کو تیغ خیال کریں ۔ تو یہ تیغ لا الہ الا اللہ کی سان پر ہی تیز کی جا سکتی ہے :

نہاد زندگی میں ابتدا لا انتہا الا
پیام موت ہے جب لا ہوا الا سے بیگانہ (ضرب کلیم)

مسلمان بالعموم لا اور الا کی حقیقت سے بے خبر ہیں ۔ لبوں پر کلمۂ توحید جاری ہوتا ہے مگر دل اس کے معانی سے لذت آشنا نہیں ۔ اور اسی وجہ سے اعمال و افعال میں بے شمار لغزشیں سر زد ہوتی رہتی ہیں ۔

مغربی تعلیم اور تہذیب دور حاضر میں لا کا سبق ، (یعنی کوئی معبود نہیں ہے) تو سکھا رہی ہے ۔ لیکن الا (یعنی سوائے اللہ کے) کا درس فراموش ہوتا جا رہا ہے :

لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مئے لا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ الا (بال جبریل)

تہذیب حاضر ایک ایسی صراحی یا مینا سے مشابہ ہے جس میں لا کی شراب لبالب بھری ہوئی ہے مگر ساقی (رہنمایان مذہب و دین) کے ہاتھوں میں الا کا پیمانہ نہیں :

نہ تخم لا الہ تیری زمین شور سے پھوٹا
زمانے بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی (بانگ درا)

لا الہ کو ایک بیج سے اور قلب مسلم کو زمین شور سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ زمین شور میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا ۔ وہاں لا الہ کا تخم اکارت جا رہا ہے :

نفی ہستی اک کرشمہ ہے دل آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا
(سوامی رام تیرتھ)

لا اور الا کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ لا معبود الا اللہ ۔ مگر صوفی دل آگاہ ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہے اور کہتا ہے ۔ لا موجود الا اللہ ۔ یعنی اس عالم شہود کی کثرت میں صرف ایک وحدت ہے اور وہی واجب الوجود اور قائم بالذات ہے۔ باقی سب اسی کے عوارض یا مظاہر ہیں۔

صوفی نفی ہستی کا قائل ہے ۔ وہ لا کے دریا میں الا اللہ کے موتی کو نہاں ہونے کے باوجود دیکھتا ہے ۔ اور نفی ہستی کو کوئی چیز نہیں سمجھتا :

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الہ الا ھو (بال جبریل)

لا الہ الا اللہ کی حقیقت سے آگاہی ہو جائے تو انسان پر ایک خود فراموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے جیسے وہ شراب کے نشہ میں مخمور ہو ۔ اس شراب کی یہ تاثیر ہے کہ اس کی نگاہ "مایۂ آشوب امتیاز" نہیں رہتی۔ یہاں بھی کلمۂ توحید کو شراب سے تشبیہہ دی ہے ۔ کلمۂ توحید من و تو کا امتیاز مٹا دیتا ہے :

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا (بال جبریل)

ہمارے علماء عصر حاضر کو بالعموم یہ زعم ہے کہ عربی زبان پر جس قدر انہیں عبور ہے مسلمانوں کے کسی طبقہ میں نہیں ۔ اور انگریزی پڑھے ہوئے لوگوں کو تو بالخصوص عربی سے بے بہرہ سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل باطل ہے ، کوئی بھی علم ہو ، کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص نہیں ۔ ہر شخص عربی و فارسی یا مغربی علوم میں یکتائے روزگار ہو سکتا ہے بشرطیکہ محنت سے کام لے ۔ اقبال کے کلام کی ہمہ گیری دیکھ کر ملا قسم کے لوگ ان کے حاسد ہو گئے اور پروپیگنڈا کرنے لگے کہ اقبال کو عربی زبان سے یا اسلام سے کیا واقفیت ہو سکتی ہے ؟ یہ شعر اسی قسم کے فقیہان شہر پر طنز ہے اور قاروں کی تشبیہہ بھی طنزاً دی گئی ہے ۔ اس شعر سے کنایۃً یہ بھی مراد ہے کہ

لغت ہائے مجازی کا قارون بننے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ لا الہ کے دو حرفوں کی تمام معنوی خوبیاں ازبر ہوں :

اگرچہ بت ہیں زمانے کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں ، لا الہ الا اللہ

بت استعارہ ہے ہر قسم کی شرک و کفر کی باتوں سے یا کافرانہ طرز بودو باش سے ۔

هو اللہ احد :

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
منہ کے بل گر کے ھو اللہ احد کہتے تھے (شکوہ)

بتوں کا سہمے رہنا ۔ منہ کے بل گرنا اور ھو اللہ احد کہنا استعارہ تبعیہ ہے ۔

لن ترانی :

دید سے تسکین پاتا ہے دل مجبور بھی
لن ترانی کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طور بھی
(خفتگان خاک سے استفسار)

لا تخف :

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لا تخف (بال جبریل)

اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات بہت ہیں ۔ مثلاً

ما زاغ ، رفعنا لک ذکرک ، ما عرفنا ، لا یخلف المیعاد ، لیس للانسان الا ما سعی ، ان الملوک ، وعد اللہ حق ، لا تدع مع اللہ الٰہا اخر ، قد کنتم بہ تستعجلون ۔ ینسلون وغیرہ وغیرہ ۔

(ب) اذان ، موذن ، نماز :

اب نماز کی مختلف حالتوں اور اذان ، موذن ، وضو وغیرہ اصطلاحات پر مبنی تشبیہات ملاحظہ فرمائیے :

اذان :

جاگے کوئل کی اذاں سے طائر ان نغمہ سنج
ہے ترنم ریز قانون سحر کا تار تار (نمود صبح)

کوئل کو موذن سے تشبیہہ دی ہے ۔ صبح کا استعارہ ایک ایسے باجے سے کیا ہے جس کا ہر تار ترنم ریز ہے ۔

موذن :

۱ ۔ پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو (ایک آرزو)

۲ ۔ پکارا اس طرح دیوار گلشن پر کھڑے ہو کر
چٹک او غنچہ گل ، تو موذن ہے گلستاں کا (پیام صبح)

اس شعر میں غنچہ گل کو گلستان کا موذن کہا ہے ۔ اور پہلے شعر میں کوئل کو صبح کا موذن ۔ دونوں صورتوں میں موذن مشبہ بہ ہے ۔

وضو :

۱ - پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو (ایک آرزو)

پھولوں پر شبنم کا گرنا ایک فطری عمل ہے ۔ مگر اقبال اسے یوں سمجھ رہے ہیں کہ شبنم پھولوں کو وضو کرا رہی ہے تاکہ صبح کی نماز ادا کر سکیں ۔ پھر دوسرے مصرع میں رونے کو وضو سے اور نالہ کو دعا سے تشبیہہ دی ہے ۔

۲ - تھمے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی سے
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باد وضو رہنا (تصویر درد)

نماز :

۱ - گرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے
ننھے سے دل میں لذت سوز و گداز ہے
(شمع و پروانہ)

۲ - مثال پرتو مے طوف جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں ! (غزلیات)

درختوں کے متعلق لکھتے ہیں :

۳ - نماز شام کی خاطر یہ اہل دل ہیں کھڑے
مری نگاہ میں انسان پا بگل ہیں کھڑے (کنار راوی)

قیام و سجود :

۱ - یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا

"قیام کا وقت" اور "سجدوں میں گرنا" بڑا بلیغ استعارہ ہے - قیام سے مراد مسلمانوں کا سیاسی ، سماجی اور اقتصادی طور پر مضبوط ہوکر دوسری اقوام اور دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنا ہے اور ایسے زمانے میں جبکہ مسلمانوں کو اپنی سیاسی ، معاشرتی اور معاشی حالت کے لئے کوشش کرنا چاہئے ، ان کے دینی رہنما عبادت اور دعا کی تلقین کرتے ہیں کہ اللہ بڑا کارساز ہے - وہ ہمارے سب کام بنا دے گا - حالانکہ خدا کا فرمان محنت اور سعی کرنا ہے - لیس للانسان الا ما سعیٰ - اور یہ نادان (مسلمان) گویا قیام کے وقت سجدوں میں گر گئے ہیں -

۲ - تو سمجھتا نہیں اے زاہد ناداں اس کو
رشک صد سجدہ ہے اک لغزش مستانۂ دل (دل)

لغزش مستانۂ دل سو سجدے کرنے کی مانند ہے -

دعا :

۱ - شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کہاں
دعائے طفلک گفتار آزما کی مثال (فراق)

چشموں کے شکستہ گیت سے مراد پانی کی وہ مختلف آوازیں ہیں جو کسی چشمہ سے نکلتے اور پھر آگے بڑھتے وقت نکلتی ہیں - پانی کی آواز کو گیت سے تشبیہہ دی گئی ہے اور اس گیت میں ایسی دلربائی ہے جیسے کوئی

بچہ جس نے ابھی پوری طرح بولنا بھی نہیں سیکھا ، دعا کے الفاظ اپنی توتلی زبان سے ادا کر رہا ہو - یہ تشبیہہ بھی اقبال کی کئی دوسری تشبیہات کی مانند بالکل اچھوتی تشبیہہ ہے -

۲ - یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

یہ بھی اچھوتی تشبیہہ ہے - اس کی مثال بھی کہیں اور نہیں ملے گی -

زکواۃ :

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکواۃ
(بانگ درا - سرمایہ و محنت)

مراقبہ :

تمام دنیاوی ہنگاؤں سے بے نیاز ہو کر خدا سے لو لگا کر خاموش بیٹھنا مراقبہ کہلاتا ہے - اس عبادت سے انشراح صدر ہوتا ہے - ہندی کا ایک شعر ہے :

آنکھ ، کان ، منہ ڈھانپ کے نام نرنجن لے
اندر کے پٹ تدہ کھلیں جب باہر کے دے

یعنی دل کے دروازے اسی صورت میں کھلتے ہیں جب باہر کے تمام دروازے (دیکھنا ، سننا اور بولنا) بند کئے جائیں - یہی مراقبہ ہے - اب مراقبہ کی تشبیہہ دیکھئے :

خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا
قدرت ہے مراقبے میں گویا (ایک شام)

سحر خیز :

سحر خیزی ہمیشہ سے صحیح العقیدہ مسلمانوں کا شعار رہی ہے ۔ سحر خیزی ایک طرح سے خدا کا حکم ہے ۔ کیونکہ صبح کی نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی ادا کی جا سکتی ہے اور نماز اسلام کا ایک بڑا ستون ہے۔ شریعت کی رو سے جو شخص صبح نہیں اٹھتا اوز نماز ادا نہیں کرتا وہ مسلمان ہی نہیں ۔ وہ خدا کے دیدار کے قابل ہی نہیں :

ہر کہ وقت صبحدم در یاد حق بیدار نیست
او محبت را چہ داند ، لائق دیدار نیست

اقبال سحر خیز تھے ، وہ فخر سے کہتے ہیں ۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحرخیزی (بال جبریل)

انہوں نے خورشید کو "عابد سحر خیز" سے تشبیہہ دی ہے :

خورشید وہ عابد سحر خیز
لانے والا پیام " بر خیز "
مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر
پیتا ہے مئے شفق کا ساغر

تسبیح :

تسبیح کے معنی تو ہیں سبحان اللہ کا ورد کرنا ہے ۔ سبح اسم ربک الا علیٰ ہ خداوند تعالیٰ کا حکم ہے۔ لیکن تسبیح اصطلاحاً ایک مالا ہے جس میں عموماً ایک سو ایک دانے (پتھر ، لکڑی یا موتیوں کے) ہوتے ہیں ۔ تسبیح خواں ایک ایک دانے پر سبحان اللہ ، سبحان اللہ پڑھتے جاتے ہیں ۔ چنانچہ اس سبحہ گردانی سے ایک سو ایک یا زیادہ بار پڑھنے کا علم ہوتا رہتا ہے ۔ اقبال نے تسبیح کے دانوں کو مسلمانوں سے تشبیہہ دی ہے اور ان کے اتفاق و اتحاد کی یہ صورت بتائی ہے کہ وہ منتشر نہ ہوں بلکہ ایک ہی رشتہ (رشتہ تسبیح) میں منسلک رہیں ۔ چنانچہ کہتے ہیں :

۱ ۔ پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کا
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑونگا

(تصویر درد)

۲ ۔ رشتہ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

(شمع اور شاعر)

عابد شب زندہ دار :

رات کی عبادت کو خاص فضیلت ہے ۔ خداوند تعالیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں : یاایھا المزمل ہ قم الیل الا قلیلاً ہ نصفہ ، اوانقص منہ قلیلاً ہ اوزد علیہ و رتل القرآن ترتیلاً ہ (اے کملی والے کھڑا رہ رات کو عبادت کے لیے) رات کا کچھ حصہ ، آدھی رات یا اس سے کچھ زیادہ اور پڑھ قرآن صاف۔ صاف اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات کی عبادت کتنی فضیلت رکھتی ہے ۔ اقبال صبح کے ستارے کو دیکھتے ہیں ۔ سب

ستارے ایک ایک کرکے رخصت ہوتے جاتے ہیں ۔ ایک ستارا (نجم سحر) آسمان پر رہ گیا ہے اور سب سے آخر میں اس طرح آسمان سے رخصت ہو رہا ہے جیسے کوئی ساری رات عبادت کرنے والا عابد عبادت خانے سے سب سے آخر میں باہر نکل رہا ہو :

ہے رواں نجم سحر ، جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جائے کوئی عابد شب زندہ دار (نمود صبح)

فاتحہ خوانی :

گو سکوں ممکن نہیں عالم میں اختر کے لئے
فاتحہ خوانی کو ٹھہرا ہے یہ دم بھر کے لئے
(گورستان شاہی)

گورستاں کی مناسبت سے فاتحہ خوانی ضروری تھی اس لیے یہ کام "اختر" کے سپرد کیا ہے ۔ وہ دم بھر کے لئے ٹھہر کر فاتحہ پڑھ رہا ہے۔

احرام باندھنا :

مناسک حج ادا کرنے سے پہلے دنیوی لباس آتار کر تمام حاجی ایک ہی کپڑے (یا چادر) سے جسم کو ڈھانپ کر حج کی عبادات میں شریک ہوتے ہیں ۔ اس کپڑے یا چادر کا جسم پر لپیٹنا احرام باندھنا کہلاتا ہے ۔ احرام اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے دنیاوی آلائشوں کو ترک کر دیا ہے ۔ اور نئی پاکیزہ زندگی میں قدم رکھا ہے ۔ اب یہ تشبیہہ دیکھئے :-

چہچہاتے ہیں پرندے پا کے پیغام حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرام حیات (نوید صبح)

(ج) انبیا و بزرگان دین :

کلام اقبال میں جگہ جگہ انبیائے کرام اور بزرگان دین کی تلمیحات ہیں ۔ لیکن تشبیہات زیادہ تر حضرت آدم ، حضرت ابراہیم ، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ ، حضرت یوسف اور حضرت عیسیٰ سے متعلق ہیں ، اور بزرگان دین میں سے حضرت امام حسین سے یا خضر علیہ السلام سے متعلق ہیں ، زیادہ تر تشبیہات حضرت موسیٰ (کلیم اللہ) سے ماخوذ ہیں ۔

۱ ۔ حضرت آدم :

شجر ہے فرقہ آرائی ، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھول ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو (تصویر درد)

قرآن مجید میں حضرت آدم کا ذکر جو دوسری سورۃ کے تیسرے رکوع کے بعد آتا ہے ۔ اس میں ایک شجر کا لفظ آتا ہے ۔ قرآنی آیات کا ترجمہ دیکھیے :

''اور کہا ہم نے ، اے آدم ، سکونت اختیار کر تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ اس میں خوشی سے جو چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے ، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ۔ پھر پھسلا یا ان دونوں کو شیطان نے اس سے ، اور پھر (ہم نے) نکالا ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے اور کہا ہم نے تم سب اترو (زمین پر) تم ایک دوسرے کے

دشمن ہو اور تم کو زمین پر ہی ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ہے
ایک خاص وقت تک ۔''

اس درخت یا شجر کی تفسیر میں علمائے اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے جس کی تفصیل میں جانے کی ہمیں ضرورت نہیں ۔ ہمیں یہاں صرف اس قدر جاننے کی ضرورت ہے کہ اقبال نے اس شجر کو ''فرقہ آرائی'' کہا ہے اور اس کے پھل کو "تعصب ۔'' فرقہ آرائی کو شجر سے اور تعصب کو اس شجر خاص کے پھل سے تشبیہہ دے کر فرماتے ہیں کہ یہی وہ پھل ہے جس کو کھانے سے آدم کو جنت سے نکلنا پڑا ۔ اس سعر میں اس تشبیہہ سے اقبال نے یہ معنی ذہن نشین کرائے ہیں کہ اگر مسلمان تعصب سے کام لے کر فرقہ آرائی کرتے رہے تو ان کا وہی حشر ہوگا جو حضرت آدم کا ہوا ۔ جو ایک لغزش کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے ۔ اگر مسلمانوں نے بھی تعصب کے پھل کو کھایا تو وہ بھی وطن میں آرام سے نہیں رہ سکیں گے :

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا ، مہ کامل نہ بن جائے (بال جبریل)

آدم خاکی کو ٹوٹے ہو تارے سے تشبیہہ دی ہے ۔ آسمان سے ستارے ٹوٹتے رہتے ہیں ۔ جو دوبارہ آسمان تک نہیں پہنچ سکتے ۔ لیکن آدم خاکی جو ایک بار ٹوٹے ہوئے تارے کی طرح زمین پر اتارا گیا ۔ پھر اتنی ترقی کر رہا ہے ، ذہنی اور روحانی طور پر ، کہ محسوس ہو رہا ہے وہ پھر اسی جنت کو حاصل کر لے گا جس سے نکالا گیا تھا ۔

۲ - حضرت ابراہیم :

حضرت ابراہیم وہ جلیل القدر نبی ہیں جنہوں نے خداوند تعالیٰ کی عبادت کے لئے کعبہ کی بنیادیں رکھیں - آپ آذر کے بیٹے تھے اور آذر کا پیشہ بت پرستی اور بت تراشی تھا - آپ نے بتوں کو توڑا اور توحید باری تعالیٰ کا درس دیا - آپ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور ان کے حلق پر چھری پھیری - لیکن خداوند تعالیٰ کو انسانی قربانی منظور نہ تھی - اس لئے ایک مینڈھا ذبح کیا گیا - عیدالاضحیٰ کے دن حلال جانوروں کی قربانی اسی واقعہ کی یاد ہے - حضرت اسماعیل بھی فرمانبرداری اور اطاعت پدر کے لحاظ سے ایک مثالی بیٹے تھے جو باپ کے حکم پر قربان ہونے کے لئے تیار ہوگئے -

نمرود اس وقت بادشاہ تھا - بادشاہت اور نبوت میں ہمیشہ ٹکر ہوتی چلی آئی ہے - نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم کو آگ کے الاؤ میں پھینکا گیا - لیکن خداوند تعالیٰ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی - یا بعض روایات کی رو سے گلزار بن گئی - اور حضرت ابراہیم اور دین ابراہیم کی صداقت مبرہن ہو گئی - ان تمام واقعات سے متعلق شعرائے قدیم کے کلام میں تلمیحات و تشبیہات کا خاصہ ذخیرہ ہے - کلام اقبال میں بھی تلمیحات کثرت سے موجود ہیں - لیکن ہم صرف تشبیہات کو پیش کر رہے ہیں - مثلاً :

بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں (جواب شکوہ)

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو "آذر" اور "بت گر" سے تشبیہہ دے کر اور ان کے آبا و اجداد کو "ابراہیم" اور "بت شکن" سے تشبیہہ دے کر شرم دلائی ہے کہ تمہارے باپ دادا کیا تھے اور تم کیا ہو گئے ہو :

بت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا (نانک)

بابا نانک پکے موحد اور خدا پرست تھے ۔ ان کے والدین بت پرست اور مشرک تھے ۔ والدین کے گھر کو "بت کدہ" اور "آذر کے گھر" سے تشبیہہ دی ہے اور بابا نانک کے وحدانیت کے عقیدہ کو نور ابراہیم سے تشبیہہ دی ہے :

توڑ دیتا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستی تسنیم عشق .
(سوامی رام تیرتھ)

ابراہیم عشق استعارہ ہے ۔ عشق ابراہیم کی مانند ہے ۔ جو ہر قسم کے بتوں کو توڑ دیتا ہے ۔ حتیٰ کہ وہ اپنی ہستی کے بت کو بھی توڑ دیتا ہے ۔ یعنی جان کی پروا نہیں کرتا ۔ دوسرے مصرع میں مستی تسنیم عشق بھی استعارہ ہے لیکن یہ ایسی مستی ہے جو دراصل "ہوش" ہے :

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے (خضر راہ)

"آگ"، "اولاد ابراہیم" اور "نمرود"، تینوں بطور استعارہ بیان کئے گئے ہیں ۔ لیکن ان کی وجہ جامع (وجہ تشبیہہ) بہت واضح ہے ، عصر حاضر

کی تعلیم و تہذیب ، مذہب اور مرکز سے دوری ، مغرب کی کورانہ تقلید اور الحاد و بے دینی کی طرف جدید نسل کا رجحان ، یہ سب کیا ہے ۔ آگ ہے جس میں مسلمانوں کو جھونکا جا رہا ہے ۔ یا بعض از خود اس آگ میں گر رہے ہیں ۔ اولاد ابراہیم مسلمان ہیں ۔ اور ''نمرود،، غیر مسلم حکومت یا حکومت کے کل پرزے ہیں ۔ کفر ، الحاد ، تہذیب و تعلیم جدید کی آگ سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے ۔ اقبال ایک اور مقام پر کہتے ہیں

عذاب دانش حاضر سے با خبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

اس شعر میں دانش حاضر (مغربی نظام تعلیم اور تہذیب جدید) کو آگ اور عذاب سے تشبیہہ دی گئی ہے اور اپنے تئیں خلیل (حضرت ابراہیم) سے اس شعر میں بھی ایک زبردست اشتباہ ہے ۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم کی طرح دانش حاضر کی آگ میں ڈالا گیا ہوں ۔ یعنی مغربی نظام تعلیم کے مطابق میں نے اعلیٰ تعلیم پائی ہے ۔ اس لئے اس کے مضرت رساں اثرات سے کماحقہ' واقف ہوں ۔ مجھ پر تو اس آگ نے اثر نہیں کیا ۔ لیکن یہ ایسی آگ ہے جو عام آدمیوں کو خس و خاشاک کی طرح جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور اس راکھ میں ایمان کی کوئی چنگاری روشن رہنے نہیں پاتی ۔ اس لئے آگ سے ڈرتے رہو ۔ تعلیم بھی حاصل کرتے رہو ۔ لیکن اس کی ضرر رسانی سے خبردار رہو :

یقیں ، مثل خلیل ، آتش نشینی
یقیں ، اللہ مستی ، خود گزینی (بال جبریل)

یقین کے تین مدارج ہیں ۔ علم الیقین ، عین الیقین اور حق الیقین ۔ اگر کسی چیز کے متعلق لوگوں سے سن سن کر یقین ہو جائے ، یا اخبار و روایات کو پڑھ پڑھ کر اس کے صحیح ہونے کا یقین آ جائے ، تو یہ علم الیقین کی منزل ہے ۔ اور اگر جو کچھ سنایا پڑھا ہے اسے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا جائے ، تو یہ عین الیقین کی منزل ہے ۔ مگر یقین کی تیسری اور آخری منزل یہ ہے کہ کسی بات کا اس طرح یقین ہو جائے کہ اس میں شک و ریب اور تخمین وظن کا شائبہ تک نہ ہو ، اور کسی قسم کی تنقید یا تنقیص یا اعتراض سے پائے یقین متزلزل نہ ہو سکیں ۔ یہ حق الیقین کی منزل ہے ۔ جب یقین اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو انسان بے خوف و خطر آگ میں بھی کود جاتا ہے اور آگ سے محفوظ رہتا ہے ۔ اقبال یقین کے اس آخری درجے کی تشریح اس تشبیہہ سے کرتے ہیں کہ اگر یقین کامل ہو تو مثل خلیل انسان آگ میں بھی بیٹھ سکتا ہے ۔ یقین مئے معرفت سے سرشار ہونے اور اپنے تئیں ایک بلند رتبے تک پہنچانے کا نام ہے ۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق!
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

(بانگ درا ۔ غزلیات)

عقل پختہ ہو تو مصلحت اندیش ہوتی ہے اور کسی کام کے کرنے سے پہلے اس کے نتائج پر غور کرتی ہے اور اسی غور و خوض میں بسا اوقات وہ وقت ہی گزر جاتا ہے جو جرأت و دلیری کا متقاضی ہوتا ہے ۔ عشق (یعنی سچی لگن) ہر وقت جان جوکھوں میں ڈال سکتا ہے اور آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے اور اس طرح عقل سے بازی لے جاتا ہے :

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ (ضرب کلیم)

جہاں کو صنم کدہ سے تشبیہہ دے کر بتایا ہے کہ اس دنیا کو ایک ابراہیم جیسے جید بت شکن کی ضرورت ہے اور بصیرت والے اس "براہیم" کو تلاش کر رہے ہیں جس کی ضربت کارا شگاف جہاں کے صنم کدہ کو بتوں سے پاک و صاف کر دے :

اسمٰعیل :

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ، ابتدا ہے اسمٰعیل (بال جبریل)

داستان حرم ، داستان اسلام ہے جس کی ابتدا حضرت اسماعیل کی مانند ہے اور انتہا حضرت امام حسین کی مانند ۔ حضرت اسماعیل فرزندی میں نام کر گئے ہیں ۔ باپ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے والا شاذ ہی کوئی اور ایسا بیٹا ہوگا بلکہ اور کوئی ایسا ہو ہی نہیں سکتا :

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

حضرت امام حسین وہ بزرگ ہیں کہ جنھوں نے حق کی حمایت میں سر کٹوانا منظور کر لیا لیکن باطل کے آگے سر جھکانا منظور نہ کیا ۔ ابتدا اور انتہا کہنے سے یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کے بچے اپنی فرماں برداری اور اطاعت پدر کے لحاظ سے اسماعیل کی مانند ہوں ۔ اور جوان مسلمانوں پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین کی مانند حق کی حمایت میں

جان کی بازی لگا دیں اور باطل کے سامنے کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی سر نہ جھکائیں ۔

۴ ۔ **موسیٰ کا یم :**

حضرت ابراہیم کے ذکر کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن مجید میں کئی جگہ پر آیا ہے :-

"اے بنی اسرائیل ، یاد کرو میری نعمت وہ جو انعام کی میں نے اوپر تمہارے اور بزرگی دی تم کو اوپر عالموں کے ۔" ۲ : ۴۷

"اور جب رہائی دی ہم نے تم کو قوم فرعون کی سے ، جو پہنچاتے تھے تم کو بڑا عذاب ۔ ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے بیٹیاں تمہاری ، اور اس میں آزمائش تھی بڑی پروردگار تمہارے سے ۔" ۲ : ۴۹

"اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی کی کہ تم ان کو دودھ پلاؤ۔ پس جب تم ڈرو اوپر اس کے ، تو بے خوف و خطر ان کو دریا (نیل) میں ڈال دینا ۔ کیونکہ ہم ضرور ان کو پھر تمہارے پاس پہنچا دیں گے ۔ اور ہم بتانے والے ہیں اس کو پیغمبروں میں سے ایک ۔ پس اٹھا لیا اس کو فرعون کے لوگوں نے تاکہ وہ ان کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنے ۔ اور یقیناً فرعون ، ہامان اور ان کے لشکر اس بارے میں خطا کرنے والے تھے اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔ اس کو قتل مت کرو ۔ عجب نہیں کہ بڑا ہو کر ہم کو کچھ فائدہ پہنچائے ، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں ۔ اور وہ نہ سمجھتے تھے ۔ اور ہو گیا دل موسیٰ کی ماں کا خالی صبر سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ۲۸ : ۷، ۸، ۹، ۱۰

"پس پھیر لائے ہم اس کی ماں کی طرف تاکہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں اس کی اور غم نہ کھاوے اور جانے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے ۔ لیکن اکثر نہیں جانتے" - ۲۸ : ۱۳

"پس جب تمام کی مدت موسیٰ نے اور لے چلا اپنی بی‌بی کو تو طور کی آگ دیکھی اور اپنی بیوی سے کہا ۔ تم ٹھہرو تحقیق میں نے آگ دیکھی ہے ۔ شاید کہ میں اس کی کچھ خبر یا آگ کی چنگاری لے آؤں تاکہ تم سینکو ۔ پس جب آیا اُس (طور) کے نزدیک ۔ تو اس برکت والے میدان کے کنارے ۔ اس زمین مبارک کے بیچ تو پکارا گیا طرف درخت کے کہ اے موسیٰ ۔ میں ہوں اللہ پروردگار عالموں کا" ۔ ۲۸ - ۲۹ ، ۳۰

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی ۔ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے آلۂ ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا (اپنا) کوئی کارساز مت قرار دو" - ۱۷ - ۲

"اور ہم نے موسیٰ کو کھلے ہوئے نو معجزے دئے جب کہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے ۔ سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھیے تو فرعون نے ان سے کہا ، کہ اے موسیٰ ۔ میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے" - ۱۷ - ۱۰۱

"کہا موسیٰ نے تو دل میں خوب جانتا ہے کہ یہ نشان خاص آسمان و زمین کے پروردگار نے بھیجے ہیں ۔ جو کہ بصیرت کے لئے کافی ذرائع ہیں اور میرے خیال میں تیری ہلاکت کے دن آگئے ہیں" - ۱۷ - ۱۰۲

"پھر اس نے (فرعون نے) چاہا کہ بنی اسرائیل کا اس سرزمین سے قدم اکھاڑدے ۔ سو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا" ۔ ۱۷ - ۱۰۳

"اے بنی اسرائیل ! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا اور اس کو بھی کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر فضیلت دی" ۔ ۲ - ۱۰۳

"کہا موسیٰ نے کہ اگر میں کوئی صریح دلیل پیش کروں ، تب بھی (تو نہ مانے گا) ۔ فرعون نے کہا کہ اچھا تم وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو ۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعتہً ایک نمایاں اژدہا بن گیا ۔ پھر دوسرا معجزہ دکھانے کے لئے اپنا ہاتھ گریبان میں دے کر باہر نکالا ۔ تو وہ دفعتہً سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہوگیا" ۔ ۲۶ - ۳۰ ، ۳۱ - ۳۲ - ۳۳

"موسیٰ نے اُن (ساحروں) سے کہا ۔ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ، سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہا کہ فرعون کے اقبال کی قسم ۔ بے شک ہم ہی غالب آئیں گے ۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا جو ڈالنے کے ساتھ ہی اژدہا بن کر ان کے بنے بنائے دھندے کو نگلنے لگا ۔ یہ دیکھ کر جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے" ۔ $\frac{\text{۴۳ تا ۴۸}}{\text{۲۶}}$

"پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار ۔ جس سے وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسا بڑا پہاڑ ، اور

ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا اور انجام یہ ہوا کہ ہم نے موسیٰ اور اس کے سب ساتھیوں کو بچا لیا ۔ پھر دوسروں کو غرق کر دیا ۔ اور اس واقع میں بھی بڑی عبرت ہے" ۔ ۶۳ تا ۶۷ / ۲۶

(ترجمہ شاہ رفیع الدین ، مولانا اشرف علی تھانوی)

اس مفصل ذکر کا لب لباب یہ ہے کہ کسی کاہن یا نجومی نے فرعون (بادشاہ مصر) کو بتایا کہ تیری موت بنی اسرائیل کے ایک بچے کے ہاتھوں ہوگی ۔ جو ابھی پیدا ہونے والا ہے ۔ اس خبر سے متوحش ہوکر فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی قوم میں جو بھی لڑکا کسی کے ہاں پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو قتل نہ کیا جائے ۔ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے خدا کے حکم سے ان کو صندوقچہ میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیا ۔ خدا کی قدرت یہ صندوقچہ فرعون کے محل کے پاس بہتا بہتا آ گیا ۔ فرعون کی بیوی نے یہ صندوقچہ نکلوایا ۔ اس کے اندر ایک خوبصورت جیتا جاگتا بچہ دیکھا ۔ چونکہ وہ بے اولاد تھی ۔ اسے بچے سے پیار ہوگیا اور اس نے اُسے قتل ہونے سے بچا لیا ۔ پھر دودھ پلانے کی خدمت ، خدا کی قدرت سے حضرت موسیٰ کی والدہ کو ہی سپرد کی گئی ۔ جب موسیٰ جوان ہوئے تو ایک دن بازار میں دیکھا کہ ایک قبطی (فرعون کی قوم کا ایک فرد) بنی اسرائیل کے ایک آدمی پر ظلم کر رہا ہے ۔ حضرت موسیٰ نے اسے اس زور سے مکا مارا کہ وہ وہیں مر گیا ۔ موسیٰ خوف کے مارے مدین کو بھاگ گئے ۔

اثنائے سفر میں ایک مقام پر پہنچے جہاں لوگ اپنے جانوروں (بھیڑوں اور بکریوں) کو پانی پلا رہے تھے۔ وہیں دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو روک کر ایک طرف کھڑی تھیں ۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان لڑکیوں کے والد بوڑھے ہیں اور کوئی کام نہیں کر سکتے ۔ اس لئے انہیں بکریاں چرانی پڑتی ہیں ۔ حضرت موسیٰ نے پانی نکال کر ان بکریوں کو پلایا اور پھر ان کے اصرار پر وہ ان کے گھر گئے۔ لڑکیوں کے والد (حضرت شعیب) نے موسیٰ کو بے وطن جان کر اپنے پاس ملازم رکھ لیا اور بکریاں چرانے کی خدمت (شبانی) ان کے سپرد کی ۔ موسیٰ کئی سال تک شبانی کرتے رہے اور آخر کار حضرت شعیب کی بڑی لڑکی سے نکاح کر دیا گیا ۔ یہ اپنی بیوی کو لے کر وطن کی طرف لوٹے ۔ بیوی کو سردی لگنے لگی ۔ حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر آگ سی دیکھی اور بیوی کو کہا تم ذرا یہیں ٹھہرو ، میں آگ لاتا ہوں تاکہ تم تاپ سکو ۔ جب وہ پہاڑ کے نزدیک گئے تو آواز آئی : اے موسیٰ مت ڈر ۔ میں جہانوں کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا اللہ ہوں ۔ موسیٰ ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئے ۔ ہوش میں آئے تو خدا وند تعالیٰ کا پھر جلوہ دیکھا اور پیغمبری کی خلعت سے سرفراز ہوئے ۔

خداوند تعالیٰ کی تائید و نصرت پا کر فرعون کے پاس گئے اور خدا کا پیغام سنایا ۔ فرعون نے ہنسی مذاق کیا ۔ آخر جادوگروں سے ان کا مقابلہ کرایا ۔ جادوگروں نے رسیوں سے سانپ بنائے ۔ حضرت موسیٰ نے اپنا عصا ان پر پھینکا ۔ عصا فوراً ایک اژدہا بن گیا ۔ اور جادوگروں کے سب سانپوں کو کھا گیا پھر انہوں نے اپنا ہاتھ لوگوں کو دکھایا جو بے حد چمکتا ہوا دکھائی دیا ۔ جادوگر یہ دیکھ کر سجدہ میں گر پڑے اور خدا پر ایمان لے آئے ۔

فرعون نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا اور بنی اسرائیل کو اپنے علاقے سے نکال دینے کا حکم دیا ۔ ادھر حضرت موسیٰ نے بھی بنی اسرئیل کو دریا (نیل) کے کنارے جمع کیا اور جب سب جمع ہو گئے اور ادھر فرعون اور اس کا لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا دریائے نیل کے قریب پہنچا تو حضرت موسیٰ نے پھر خدا کے حکم سے دریا پر اپنا عصا مارا ۔ جس سے دریا پھٹ گیا ۔ بنی اسرائیل دریا کے پار ہو گئے ۔ فرعون نے بھی دریا میں اترنے کا حکم دیا ۔ خدا کی قدرت سے ایسی طغیانی آئی کہ فرعون اور اس کا لشکر دریا میں ڈوب کر مر گئے ۔

جہاں گردی اور دشت نوردی کے ایام میں حضرت موسیٰ کو ایک اور واقعہ بھی پیش آیا ۔ ان کی ملاقات خدا کے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) سے ہوئی ۔ خضر نے کہا کہ تم میرے ساتھ اس شرط پر شریک سفر ہو سکتے ہو کہ جو کچھ میں کروں ، اس کے متعلق کوئی بات نہ پوچھو موسیٰ نے اقرار کیا ۔ دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے ، کنارے کے قریب پہنچے تو خضر نے کشتی میں سوراخ کر دیا ۔ موسیٰ وجہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے تو خضر نے بتایا کہ عنقریب کل کشتیوں کو بادشاہ کے حکم سے بیگار میں استعمال کیا جائے گا ، اور یہ ایک مسکین آدمی کی کشتی ہے ۔ اگر بیگار میں پکڑی گئی تو وہ خود اور اس کے لواحقین بھوکے مر جائیں گے ۔ اس لئے میں نے اسے سوراخ کر کے عارضی طور پر ناقابل استعمال بنا دیا ہے ۔ آگے گئے تو خضر نے ایک آدمی کو جان سے مار ڈالا اور آگے بڑھے تو خضر نے ایک گھر کی گرتی ہوئی دیوار کو مرمت کر کے کھڑا کر دیا ۔ حضرت موسیٰ استفسار کئے بغیر نہ رہ سکے تو انہیں ان کاموں کی حکمت سے آگاہ کر دیا ۔

ہمارے شعرا نے ان واقعات کا تلمیحاً اپنے اشعار میں کافی ذکر کیا ہے ۔ خصوصاً کوہ طور پر بجلی سی چمکنے کا اور خداوند تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ۔ اقبال نے ان واقعات سے مندرجہ ذیل تشبیہات پیدا کی ہیں :

کچھ اس میں جوش عاشق حسن قدیم ہے
ننھا سا طور تو ، یہ ذرا سا کلیم ہے
(شمع و پروانہ)

شمع کو طور سے اور پروانے کو کلیم سے تشبیہہ دی ہے ۔

تو کہاں ہے اے کلیم ذروۂ سینائے علم
تھی تری موج نفس باد نشاط افزائے علم (نالۂ فراق)

''نالۂ فراق'': پروفیسر آرنلڈ کی یاد میں لکھا گیا تھا ۔ علم کو ذروۂ سینا (کوہ طور کی چوٹی) سے اور آرنلڈ کو کلیم سے تشبیہہ دی گئی ہے :

تجھے نظارے کا مثل کلیم سودا تھا
اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا (بلال)

بلال کو کلیم سے تشبیہہ دی ہے جس طرح حضرت موسیٰ کو خداوند تعالیٰ کے دیدار کا شوق بلکہ سودا تھا ۔ اسی طرح حضرت بلال کو رسول اکرم کے دیدار کا بے انتہا شوق تھا ۔ اس شعر میں اویس کا طاقت دیدار کو ترسنا تلمیح ہے :

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا
نوح نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
میرا وطن وہی ہے ۔ میرا وطن وہی ہے

(ہندوستانی بچوں کا گیت)

وطن کی محبت میں مخمور ہو کر کہا ہے کہ میرے وطن کے پہاڑ طور سینا کی مانند ہیں اور میرے ہم وطن کلیم کی مانند شوق دیدار رکھنے والے ہیں -

گری وہ برق تری جان ناشکیبا پر
کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دست موسیٰ پر (بلال)

برق کا بلال کی جان ناشکیبا پر گرنا استعارہ ہے ۔ اس بات کا کہ تجھ پر عشق کی ایسی بجلی گری جس نے تجھے منور کر دیا اور عشق رسول کی برق نے تیری ظلمت (جسم کی سیاہ رنگت) کو اس قدر چمکنے والا بنا دیا ، جیسے حضرت موسیٰ کا ید بیضا ہو -

خیمہ زن ہو وادی سینا میں مانند کلیم
شعلۂ تحقیق کو غارت‌گر کاشانہ کر

(شمع اور شاعر)

تحقیق کا استعارہ وادیٔ سینا سے اور شاعر کا استعارہ کلیم سے ہے - شمع ، شاعر سے کہہ رہی ہے کہ تو شعلۂ تحقیق سے اپنے کاشانہ کو جو بے بنیاد باتوں کی بنیاد پر کھڑا ہے ، جلا دے اور تحقیق کی روشنی میں کلیم کا سا سودا لے کر دیکھ کہ تیرا منصب کیا ہے اور تو کدھر جا رہا ہے -

کب تلک طور پہ دریوزہ‌گری مثل کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر (غزلیات)

اقبال کا ایک خاص زاویۂ نظر ہے جو دوسرے شاعروں سے بالکل مختلف ہے ، ان کا ایک خاص رنگ ہے جو کسی رنگ میں شامل نہیں ہوتا ۔ جس طرح ہم گزشتہ ابواب میں بیان کر چکے ہیں وہ بعض اشیا کو ایسے نئے معنی عطا کرتے ہیں جو ان سے پہلے کسی کو نہ سوجھے ہوں ۔ حباب کو دیکھا تو پہلے دوسرے شاعروں کی طرح اسے مختصر سے مختصر زندگی والا پایا ، اور تشبیہات میں تقریباً وہی باتیں وجہ مشابہت ٹھہرائیں جو دوسرے شاعر ٹھہراتے چلے آئے تھے ۔ پھر اپنے خاص زاویۂ نظر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حباب بڑا خوددار ہے ۔ دریا میں رہتا ہے اور خودداری کی وجہ سے اس کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتا ، بلکہ اپنے پیالے کو بھی نگوں رکھتا ہے ۔ فرمایا

تو اگر خوددار ہے منت کش ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

اسی طرح کلیم اور طور کے واقعہ پر نظر ڈالی اور پہلے دوسرے شعرا کی مانند تشبیہات وضع کیں پھر غور کیا تو موسیٰ کو رب ارنی ، رب ارنی کہتے ہوئے اور دیدار کی دریوزہ گری کرتے ہوئے دیکھا ، تو یہ ادا پسند نہ آئی کیونکہ اقبال ”غیروں کے بار احسان“ ۔ ”منت اغیار“ اور ”دست سوال کا دراز کرنا“ پسند نہیں فرماتے حالانکہ کئی شعرا نے ”دریوزہ گری“ اور دیدار کی گدائی“ کا مضمون بڑے فخر سے باندھا ہے ۔

۱ - آنکھیں نہیں ہیں چہرے پہ تیرے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لیے

۲ - کاسۂ چشم لے کے ہم نے میر
ان کے دیدار کی گدائی کی

۳ - ہم تو ہیں دریوزہ گر ہم کو دیار حسن میں
مل گیا جو در کھڑے ہو کر صدا دینے لگے

اور ایک شاعر تو گداگروں کے انداز میں بھیک بھی مانگتا ہے اور دعا بھی دیتا ہے -

زکٰوہ حسن دے او شاہزادے
تجھے اللہ دوگنا چوگنا دے

اقبال کسی رنگ میں بھی گدائی کو پسند نہیں کرتے ، اس لئے کلم اور طور سے ایک نئی تشبیہ وضع کی ، کہ تو طور پر مثل کلیم کب تلک دریوزہ گری کرتا رہے گا - تجھے چاہیے کہ اپنی خودی کو بلند کرے اور اپنی ہستی سے شعلۂ سینائی کو ظاہر کرے - وہ شعلہ جو کوہ طور پر موسیٰ کو نظر آیا تھا ، تیرے اندر موجود ہے - اپنے آپ کو پہچان اور اس شعلے کو معرض ظہور میں لا -

۵ - خضر

موسیٰ کے ساتھ خضر کا تعلق ہم اوپر بیان کر آئے ہیں - خضر سے عموماً دو باتوں کے لئے تشبیہہ دی جاتی ہے - طوالت عمر یا آب حیات پی کر زندگی جاوید حاصل کرنا ، اور بھولے بھٹکے کی رہنمائی

کرنا ۔ چنانچہ اقبال کی خضر سے ماخوذ تشبیہات میں یہی معنی پائے جاتے ہیں ۔ مثلاً

کام دنیا میں رہبری ہے مرا

مثل خضر خجستہ‌پا ہوں میں

(عقل اور دل)

عقل مشبہ ۔ خضر خجستہ پا مشبہ بہ ۔ مثل حرف تشبیہ اور رہبری وجہ تشبیہہ ۔

خضر ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشہ گیر

فکر جب عاجز ہو اور خاموش آواز ضمیر (فلسفہ غم)

خضر ہمت ہیں اضافت استعارہ ہے ۔

۶ ۔ سلیمان

سلیمان وہ زبردست نبی تھے جن کو خداوند تعالیٰ نے ہوا ، پانی اور خشکی تینوں کی بادشاہت عطا کی ۔ ہوا اور پانی کے جانور ان کے ماتحت تھے ۔ زمین کے ایک وسیع قطعہ پر بھی ان کی حکومت تھی جن بھی ان کے ماتحت تھے ۔ ملک سبا کی ملکہ "بلقیس" ان کے دربار میں آئی اور ان کی شان و شوکت دیکھ کر ان پر ایمان لے آئی ۔ کہتے ہیں کہ ان کے پاس ہوا میں اڑنے والا ایک تخت تھا جو تخت سلیمان یا سلیمانی تخت کہلاتا تھا ، جس پر بیٹھ کر وہ دم بھر میں جہاں چاہتے تھے ، پہنچ جاتے تھے ۔ ان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جسے پہن کر وہ جن و بشر اور مرغ و ماہی پر حکومت کرتے تھے ۔ یہ انگشتری یا خاتم ایک جن

کے پاس رہتی تھی - ایک بار تھوڑی دیر کے لئے یہ گم ہو گئی - معلوم ہوا کہ خاتم‌دار جن کی نیت میں فتور آ گیا تھا - لیکن بہت جلد ہی وہ مل گئی - ان سب واقعات کی تلمیحات و تشبیہات ملتی ہیں - اقبال اس میں بھی اپنا خاص رنگ دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں :

جس سے تیرے حلقۂ خاتم میں گردوں تھا اسیر
اے سلیماں ، تیری غفلت نے گنوایا وہ نگیں

(تضمین بانگ درا)

یہ نظم ابو طالب کلیم کے ایک شعر کی تضمین ہے ، اور یہ شعر سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے تو معنوں کی خود بخود وضاحت ہو جاتی ہے - اس شعر میں مسلم کو استعارۃً سلیمان کہا ہے - اور وہ بات جس سے زمین و آسمان مسلمانوں کے زیر نگیں تھے وہ صاحب یثرب کے شعار کی پابندی تھی ، جسے مسلمانوں نے اپنی کوتاہی و غفلت سے گنوا دیا ہے-

۷ - یوسف

"اور جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے - اے میرے باپ - تحقیق ! دیکھے ہیں میں نے خواب میں گیارہ تارے سورج اور چاند دیکھا میں نے ان کو اپنے آگے سجدہ کرنے والے ، تو کہا باپ نے اے میرے چھوٹے بیٹے اپنے خواب کو بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا - پس مکر کریں گے وہ تیرے واسطے کچھ - تحقیق شیطان ہے آدمی کے واسطے دشمن ظاہر" - ۱۲ : ۴ ، ۵

حضرت یوسف حضرت یعقوب کے بیٹے تھے - بے حد خوبصورت تھے-
بھائیوں کے حسد نے ان کو کنویں میں گرایا ایک قافلے کا ادھر سے گزر
ہوا - قافلے والوں نے حضرت یوسف کو کنویں سے نکال لیا اور غلام بنا
کر اپنے ساتھ لے گئے - مصر کے بازار میں بیچنے کے لئے ان کو کھڑا کیا
تو سارے شہر میں ان کے حسن کی دھوم مچ گئی - ہزاروں خریدار پیدا
ہو گئے - آخر عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) نے انہیں خرید لیا اور اپنا غلام
بنا لیا - لیکن چند ہی دنوں میں وہ ان کے جسمانی حسن کی وجہ سے خود
ان کی بے دام غلام ہو گئی اور قصد کیا ان سے برائی اور بے حیائی کا -
لیکن یوسف نے اپنے رب کی دلیل کو دیکھا ہوا تھا - وہ آمادہ نہ ہوئے
اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور زلیخا کا خاوند اتفاق سے دروازے
کے قریب تھا - اس نے دونوں کو دیکھ لیا - یوسف پر زلیخا نے تہمت
لگائی - حضرت یوسف زندان میں ڈال دئے گئے -

قید خانے میں دو اور قیدی ان کے ساتھ تھے - ایک رات ان دونوں
نے خواب دیکھے ایک نے دیکھا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے
نے کہا کہ میں نے سر پر روٹیاں اٹھائی ہوئی ہیں اور جانور ان کو کھائے
جاتے ہیں - حضرت یوسف نے تعبیر بتائی کہ شراب نچوڑنے والا رہا ہو کر
اپنے آقا کو شراب پلائے گا یعنی اپنی ملازمت پر بحال ہو جائے گا اور
دوسرا پھانسی پر لٹکایا جائے گا اور ایسا ہی ہوا - کچھ عرصے کے بعد
بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹے موٹے بیل ہیں - ان کو سات پتلے
اور لاغر بیل کھائے جا رہے ہیں اور سات گندم کی بالیاں سبز اور سات
سوکھی ہوئی ہیں - درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھی - اس وقت اس
شخص کو جو حضرت یوسف کے ساتھ قید تھا اور ان کے علم تعبیر سے

واقف تھا ، حضرت یوسف کی یاد آئی ۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے بھیجو ۔ میں اس کی تعبیر یوسف سے پوچھ آؤں ۔ حضرت یوسف نے تعبیر بتائی کہ ملک میں سات سال تک فصل اور جنسیں بڑی اچھی ہوں گی اور ہر طرح کی فارغ البالی ہوگی اس کے بعد سات سال خشک سالی کے ہوں گے ۔ بادشاہ نے کسی اہلکار کو بھیجا کہ یوسف کو قید سے نکال کر میرے پاس لے آؤ ۔ حضرت یوسف نے کہا کہ پہلے اس تہمت کی تحقیق کرو ۔ اب زلیخا کی آنکھیں بھی کھل چکی تھیں ۔ اس نے اقرار کر لیا کہ میں ہی مجرم تھی اور یوسف بالکل سچا اور بے گناہ ہے ۔ عزیز مصر نے ان کو اپنا مقرب خاص بنا لیا ۔

ادھر یعقوب علیہ السلام کو جب دوسرے بیٹوں نے آ کر کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور ان کی خون آلود قمیص دکھائی تو انہوں نے رو رو کر اپنی بینائی کھو دی اور جب سات سال کے بعد خشک سالی آئی غلہ نایاب ہو گیا اور قحط پڑنے لگا تو حضرت یوسف کے بھائی کنعان سے مصر میں غلہ حاصل کرنے کے لئے آئے ۔ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو بتایا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں اور اپنا کرتا بھیجا کہ یہ میرے باپ کے منہ پر ڈالنا ، ان کی بصارت لوٹ آئے گی ۔ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کے کرتے کی پہلے سے ہی خوشبو آ گئی اور جب پیغام بر نے کنعان میں آ کر حضرت یوسف کے حکم کی تعمیل کی تو واقعی حضرت یعقوب کی بینائی لوٹ آئی ۔ حضرت یوسف نے بھائیوں کو معاف کر دیا اور زندگی کے باقی دن نہایت عزت و احترام اور خوشحالی سے گزارے ۔

یہ مختصر سا حال ہے حضرت یوسف کا ۔ اس میں سے کئی تفصیلات میں نے اس خیال سے چھوڑ دی ہیں کہ مقصد تو تشبیہات اقبال کا پس منظر بیان کرنا ہے نہ کہ انبیائے کرام کے مکمل حالات زندگی ۔

حضرت یوسف کے واقعات زندگی پر شعراء نے کئی اشعار میں اشارے کئے ہیں اور آج تک برادران یوسف ، چاہ یوسف یا چاہ کنعان ، غلام ہو کر فروخت ہونا ، حسن یوسف ، عشق زلیخا ، گریہ یعقوب ، وغیرہ شعراء کے مستقل مضامین اور موضوع بنے ہوئے ہیں ۔ اقبال نے ان واقعات سے مندرجہ ذیل تشبیہات و استعارات اخذ کئے ہیں :

پاک ہے گرد وطن سے سر داماں تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

اقبال وطنیت کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ :

ع مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

یہ جغرافیائی حد بندی کو وطن تصور نہیں کرتے ۔ ان کی نظم ''وطنیت،، کے عنوان سے بانگ درا میں موجود ہے جو ان کے نظریہ وطنیت کی پوری تشریح کرتی ہے ۔ اس شعر میں مسلم کو یوسف کی مانند ٹھہرایا ہے کہ کنعان بھی ان کا وطن تھا اور مصر کو بھی وہ اپنا ہی وطن خیال کرتے تھے :

خار حسرت غیرت نوک سناں ہونے لگا
یوسف غم زینت بازار جاں ہونے لگا (نالۂ یتیم)

یوسف غم ، اور زینت بازار جاں استعارے ہیں اور خار حسرت نوک سناں کی مانند ہے ۔ یہ تشبیہہ ہے :

مدتوں ڈھونڈا کیا نظارۂ گل خار میں
آہ وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں

(رخصت اے بزم جہاں)

''نظارۂ گل،، کی تلاش ''خار،، میں کرتا رہا ۔ مگر نظارۂ گل ، یوسف کی مانند تھا جو اس بازار میں ہاتھ نہیں آیا اور میری سعی اکارت گئی ۔

۸ ۔ **بلال**رض :

بلال رضی اللہ عنہ رسول اکرم کے ایک مقرب صحابی تھے ۔ رسول اکرم کی زندگی میں ہمیشہ اذان یہی دیتے رہے ۔ ان کی آواز میں خاص سوز و گداز تھا اور دل میں اسلام کی محبت ہمیشہ موجزن رہتی تھی ۔

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے تھے
زندگی مثل بلال حبشی رکھتے تھے

یعنی قرون اولی کے مسلمانوں کی زندگی بلال حبشی کی زندگی کی مانند تھی ۔

۹ ۔ **حسین علیہ السلام** :

اقبال حضرت امام حسین کو بہت بلند رتبہ انسان اور مثالی مسلمان سمجھتے ہیں ۔ اور عام مسلمانوں کی توجہ ان کی مثالی زندگی کی طرف مبذول کراتے ہوئے ان کی تقلید کرنے کی تعلیم دیتے ہیں ۔ حضرت امام حسین بڑی کڑی آزمائش سے گزرے ہیں ۔ ایک طرف دنیاوی شان و شوکت اور امن و امان کی زندگی نظر آتی ہے ۔ دوسری طرف باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور اسلام کی صداقت کو قائم رکھنا تھا اور اس کام میں اپنی اور اپنے اعزہ و اقربا کی جانوں کی قربانی نظر آتی تھی ۔ حضرت امام حسین نے باطل

کے آگے سر جھکا کر آرام و سکون کی زندگی کو اختیار نہ کیا ، بلکہ کئی جانوں کی قربانی دے کر اپنی جان بھی حق کے لئے قربان کر دی ۔ اور اس طرح لا الہ الا اللہ کی صداقت اور حقیقت کو واضح کر دیا :

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین
دیں است حسین دین پناہ ہست حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

حضرت امام حسین کے متعلق تلمیحات کا کافی ذخیرہ موجود ہے ۔ تشبیہات البتہ کم ہیں ۔ استعارات سے بھی کئی جگہ کام لیا ہے ۔ مثلاً :

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

یہاں حسین سے مراد حسین کی مانند اسلام اور حق کے لئے جان قربان کرنے والا جواں مرد ہے ۔

(د) اسلامی دیار و امصار کی تشبیہات :

اقبال کے کلام میں اسلامی دیار و امصار مثلاً مدینہ ، نجف ، کعبہ ، حجاز ، یثرب ، بغداد ، قرطبہ ، کنعان ، طور سینا کشمیر وغیرہ کی تلمیحات اور تشبیہات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے ۔ چند ایک تشبیہات ملاحظہ کیجئے ۔

مدینہ ، یثرب :

ہجرت سے قبل مدینہ کا نام یثرب تھا ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یثرب میں اقامت گزیں ہوئے تو مسلمانوں نے یثرب کا نام بدل کر اسے "مدینۃ النبی" کہنا شروع کیا ۔ یعنی نبی کا شہر ۔ مرور زمانہ سے اور لوگوں کی سہل پسندی کی وجہ سے پورا نام تو زبانوں پر نہ رہا ، البتہ مدینہ رہ گیا ۔ اور آج ہم اسی نام سے اس مقدس شہر کو یاد کرتے ہیں :

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا (بلال)

مدینہ مشبہ ۔ نگاہوں کا نور مشبہ بہ ۔ صحرا مشبہ ۔ طور مشبہ بہ ۔ وجہ مشبہ نور ۔

آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

تاثر کی شعاعوں کا نقطۂ جاذب یثرب ہے ۔ تاثر کو شعاعوں سے تشبیہہ دینا اور ان شعاعوں کے ایک نقطہ پر مرکوز ہونے کو نقطۂ جاذب سے تشبیہہ دینا بالکل اچھوتی تشبیہہ ہے اور یہ انگریزی ادب کا اثر ہے ۔ اس تشبیہہ کا ذکر ہم انگریزی تشبیہات کے ضمن میں بھی کریں گے :

وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابگاہ مصطفیٰ
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا

خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

مدینہ کو ایک نگینہ سے تشبیہہ دی ہے جو زندگی کی انگوٹھی میں جڑا ہوا ہے ۔ زندگی اور انگوٹھی میں استعارہ ہے ۔

مدینہ و نجف :

• خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف (بال جبریل)

مدینہ اور نجف کی خاک کو سرمہ سے تشبیہہ دی ہے جس کی آنکھوں میں مدینہ اور نجف کی خاک سرمہ کی مانند لگائی جائے ، اسے جلوۂ دانش فرنگ کیسے خیرہ کر سکتا ہے ۔

کعبہ :

یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے
(والدہ مرحومہ)

یہ تشبیہہ بھی بالکل اچھوتی اور نادر ہے۔ اقبال کے پیش رو شاعروں نے زیادہ تر دل کو کعبہ سے تشبیہہ دی ہے اور ہزاروں شعر لکھے ہیں کہ " دل گزر گاہ جلیل اکبر است"۔ دل میں خدا بستا ہے اور کعبہ میں بھی خدا بستا ہے ۔ کعبہ اینٹ پتھر کا مکان ہے اور دل کو خدا نے بنایا ہے وغیرہ ۔

لیکن اس طرف کسی شاعر کا خیال نہیں گیا کہ کعبہ کی فضا میں اس قدر دعائیں مانگی جاتی ہے کہ تمام فضا دعاؤں سے بھر رہتی ہے

چونکہ ہمارے شاعر کا دل درد سے آشنا بھی اپنی والدہ مرحومہ کی یاد سے پر ہے ، اس لئے فضائے کعبہ کی مانند ہے ۔

بغداد :

ہے زیارت گاہ مسلم گو جہان آباد بھی
اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی
خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوش ارم
جس نے دیکھے جانشینان پیمبر کے قدم

(بلاد اسلامیہ)

بغداد کی خاک کو ارم کا ہمدوش یعنی ارم کی مانند کہا گیا ہے ۔

حجاز :

دست جنوں کو اپنے بڑھا جیب کی طرف
مشہور ہے جہاں میں تو دیوانۂ حجاز

(شفاخانہ حجاز)

حجاز سے زیادہ محبت رکھنے کی وجہ سے دیوانہ حجاز کہا گیا ۔

قرطبہ :

ہے زمین قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور

(بلاد اسلامیہ)

زمین قرطبہ کو شمع طور سے تشبیہہ دی ہے ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مغرب میں علم و عرفان کی روشنی نہ تھی ۔ اس لحاظ سے مغرب میں گویا

تاریکی ہی تاریکی تھی ۔ اس تاریکی (ظلمت) میں قرطبہ کی سر زمین تعلیم اور تہذیب کے لحاظ سے یوں روشن تھی جیسے شمع طور روشن ہو ۔

(ر) اسلامی عقائد و شعائر :

یعنی حور جنت ، فرشتے ، مساجد ، کھجور ، ہلال ، صحرا وغیرہ کی تشبیہات ۔

جنت :

رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

(ہندوستانی بچوں کا گیت)

اپنے وطن کی زندگی کو جنت کی زندگی سے تشبیہہ دی ہے اور پہلے مصرع میں بھی وطن کی زمین کی رفعت کو "بام فلک کازینہ" سے تشبیہہ دی ہے ۔

حور و جنت :

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

علم کے سرور کو جنت کے سرور سے تشبیہہ دی ہے لیکن ایک قید کے ساتھ ۔ کہ اس جنت میں حور نہیں ہے ۔ یعنی کچھ خامی اور کمی ہے۔

جبریل و اسرافیل :

وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگ سرافیل

حیات ابدی کا پیغام سنانے والا شعر دو چیزوں کی مانند ہے یا تو نغمۂ جبریل کی مانند یعنی وحی والہام کا درجہ رکھتا ہے یا بانگ اسرافیل کی مانند کہ ایک حشر برپا کر دیتا ہے :

بزم عالم میں طراز مسند عظمت ہے تو
بہر انساں جبرئیل آیۂ رحمت ہے تو (نالۂ یتیم)

سایۂ پدر کو دو چیزوں سے تشبیہ دی ہے ۔ سایۂ پدر مسند عظمت کے بیل بوٹوں کی مانند ہے اور انسان کے لئے جبریل فرشتے کی مانند ہے جو رحمت کی آیت لے کر آیا ہو ۔

وہ نمود اختر سیماب پاہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبریل (خضر راہ)

صبح کے وقت کو نور کی وجہ سے جبین جبریل سے تشبیہ دی ہے ۔ یہ تشبیہ بھی جدت کی حامل ہے ۔

ابلیس :

خداوند تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا اور اسے خلافت ارضی کا اعزاز دیا تو فرشتوں نے اس کی برتری ثابت کرنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو ۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اور اس نے انکار کر کے اور خدا کی ناشکر گزاری کر کے ابدی لعنت حاصل کی ۔ اب وہ خدا کے بندوں کو بھکاتا ہے ۔ بدی اور شرارت پر اکساتا ہے ۔ آدم اور ابلیس سے کئی تشبیہات وضع کی گئی ہیں ۔ اقبال نے مختلف عنوانات کے تحت اس واقعہ کو بیان کیا ہے ۔ آدم اور ابلیس سے متعلق چند ایک تشبیہات دیکھئے :

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس (ضرب کلیم)

مغرب کے فتنہ پرواز سیاست دانوں کو ابلیس سے تشبیہ دی ہے :

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں غلام
(بال جبریل)

ابلیسی نظام استعارہ ہے انگریزوں کے ہندوستان پر نظام حکومت سے

محشر ، روز حساب ، رستاخیز

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے (خضر راہ)

غلامی کے پرآشوب دور کو عرصۂ محشر سے تشبیہ دی ہے :

کسے خبر ہے کہ ہنگامۂ نشور ہے کیا
تیری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز

نگاہ کی گردش کو ہنگامۂ نشور یا رستاخیز سے تشبیہ دی ہے ۔

کھجور کا درخت :

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حور ہے تو
اپنی وادی سے دور ہوں میں
میرے لئے نخل طور ہے تو

صبح غربت میں اور چمکا
ٹوٹا ہوا شام کا ستارا

کھجور کے درخت کو صحرائے عرب کی حور کہنا بھی بڑی موزوں دلکش اور نادر تشبیہ ہے - دوسرے شعر میں کھجور کے درخت کو نخل طور سے تشبیہ دی ہے - تیسرے شعر میں صنعت طباق یا تضاد بھی ہے اور کھجور کے لئے شام کے ستارے کی تشبیہ بھی ہے - پھر شام میں ایہام بھی ہے -

مسجد قرطبہ :

تیری بنا پائیدار تیرے ستوں بیشمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا مینار بلند جلوہ گہ جبرئیل

(مسجد قرطبہ)

مسجد قرطبہ کے بیشمار ستونوں کو کھجور کے بیشمار درختوں سے تشبیہ دی ہے - یہ تشبیہ بھی اچھوتی اور نادر ہے کھجور کا تنہ بالکل ستون کی مانند ہوتا ہے - یہ تشبیہ بھی تشبیہ تام ہے -

پانچواں باب

فارسی تشبیہات :

اقبال کی شاعری کے ابتدائی دور کی پہلی دو نظموں (یتیم کا خطا
ہلال عید سےاور ہالہ) پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے دیکھا ہے ۔ کہ اُن
کلام میں شروع سے ہی فارسی الفاظ ، فارسی تراکیب ، فارسی تشبیہا
اور فارسی استعارات اس کثرت سے موجود ہیں ۔ کہ سوائے غالب
کسی اور شاعر کے کلام میں اس کی مثال نہیں ملتی ۔ اس ابتدائی د
کی دیگر نظموں کے مطالعہ کے بعد یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہ
رہتی کہ اقبال کو فارسی زبان سے ایک قدرتی لگاؤ اور ایک فطر
موانست و محبت تھی ۔ وہ تعلیم کے ابتدائی مدارج میں فارسی زبان
تحصیل میں کوشاں رہنے لگے تھے ۔ اور کالج میں داخلہ لینے سے قبل
فارسی زبان پر بھی عبور حاصل کر چکے تھے ۔ کالج میں داخل ہو
انہوں نے اختیاری مضامین میں سے عربی کا انتخاب کیا اور عربی زبان
کی فارسی زبان کی تکمیل کا ذریعہ بنی ۔

فارسی زبان و ادب کی تعلیم انہوں نے گھر پر یا مسجدوں میں پائی
اور پھر اپنے شفیق اُستاد مولوی سید میر حسن کی محبت اور شفقت
تحصیل فارسی کو تکمیل تک پہنچایا ۔ اس سلسلہ میں ہم اسد ملتانی
اقبال کی ایک ملاقات کا حال درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ اقبال نے فارسی زبان اور فارسی ادب پڑھنے کے لئے کیا کیا کوششیں کیں۱ ۔

"جب میں اُن (اقبال) سے ملا ۔ تو اُن کے سامنے اُن کے ایک ایک ہم عمر بزرگ تشریف رکھتے تھے ۔ جو سیالکوٹ کے ہی رہنے والے اور غالباً اُن کے ہم جماعت یا بچپن کے دوست تھے اُن کے ساتھ وہ اپنی طالب علمی کے زمانے کی یاد تازہ کر رہے تھے ۔ کہ سیالکوٹ میں وہ کس طرح مدرسہ کے اوقات کے بعد مساجد و مکاتب میں مختلف علماء کی خدمت میں حاضر ہوکر فارسی پڑھا کرتے تھے ۔ ایک اُستاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ۔ کہ اُن کا اپنا (یا اُن کا بتایا ہوا) یہ شعر اب تک نہیں بھولتا :

از قدِ رعنائے آو من دردمند افتادہ‌ام
دوستاں رحمی کہ از بامِ بلند افتادہ‌ام

اسد ملتانی کی اس ملاقات کے دوران جو گفتگو ڈاکٹر صاحب اور اُن کے دوست کے درمیان ہوئی اور خصوصاً ایک اُستاد کا بتایا ہوا شعر آخر عمر تک یاد رکھنا ۔ اس امر کی دلیل ہے کہ فارسی زبان سے علامہ اقبال کو بے حد دلچسپی اور دلی لگاؤ تھا ۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر ملک راج انند کے ایک مضمون سے یہ اقتباسات بھی ملاحظہ فرمائیے۲ ۔

"خوش قسمتی سے انگلستان پہنچتے ہی ان کی ملاقات میک ٹیگارٹ جیسے فلسفی سے ہوئی ۔ جو ہیگل کا متبع تھا ۔

---

۱ ۔ بحوالہ اقبال کامل (مولانا عبدالسلام ندوی) طبع اول صفحہ ۸ ۔
۲ ۔ نیرنگ خیال ۔ اقبال نمبر (۱۹۳۲ء) صفحہ ۸۱، ۸۲)

اور اُس زمانے میں فلسفی کی حیثیت سے بے حد شہرت حاصل کر چکا تھا ۔ پھر ادب فارسی کے مشہور اُستاد ای ۔ جی براؤن اور اسرار خودی کے مترجم ڈاکٹر نکلسن سے ملاقات ہوئی ۔ عنفوان زندگی میں فلسفہ اور ادب فارسی سے بے حد شغف تھا لیکن جب ان کا رجحان وطنیت اور قومیت کی طرف ہوا اور وہ ان موضوعوں پر نظمیں لکھنے لگے ۔ تو یہ شوق دب کر رہ گیا ---- اب پھر یہ شوق پیدا ہوا اور ان لوگوں کے اثر و تربیت نے اسے پختہ کر دیا ۔ میک ٹیگارٹ کے لیکچروں سے انہوں نے فلسفیانہ خیالات کے اظہار کا سائنٹسفک انداز سیکھا ۔ براؤن اور نکلسن کی دوستی سے انہیں یہ فائدہ ہوا کہ انہوں نے گھر پر فارسی کا جو علم حاصل کیا تھا اُس میں پختگی پیدا ہو گئی،، ۔

ای ۔ جی بر اؤن ، فارسی زبان کے ایک شہرہ آفاق عالم اور مورخ تھے ۔ ان کی علمی شہرت کا ڈنکا آج تک تمام بلاد اسلامیہ ، یورپ ، مشرق بعید اور برصغیر ہند و پاکستان میں بج رہا ہے ۔ پروفیسر براؤن نے تقریباً اپنی تمام عمر فارسی ادب کی تاریخ کے جمع کرنے ، مرتب کرنے اور شائع کرنے میں صرف کر دی ۔ ایران ، ہندوستان ، افغانستان اور وہ تمام ممالک جہاں فارسی کی تعلیم رائج ہے ۔ پروفیسر براؤن کی مشہور عالم کتاب ”تاریخ ادب ایران“ ہی سے استفادہ کرتے ہیں ۔ اور اسی کتاب کو جو چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ، مستند مانتے ہیں ۔

پروفیسر نکلسن بھی عربی اور فارسی کے ایک جید عالم کی حیثیت سے مشہور ہیں ۔ انہوں نے پہلے ”دیوان شمس تبریز“ کا انگریزی ترجمہ کیا ۔ پھر ”کشف المحجوب،، (مصنفہ علی ہجویری المعروف بہ حضرت داتا

گنج بخش ہجویری) کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا - پھر ۱۹۱۹ء میں ''اسرار خودی'' کا ترجمہ کر کے غالباً پہلی بار اقبال کے خیالات سے مغربی دنیا کو واقف کیا - اس ترجمہ کا اثر یہ ہوا کہ انگلستان اور یورپ کے علمی حلقوں میں اقبال کو شہرت حاصل ہو گئی -

ظاہر ہے کہ ان دو مشہور عالموں کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہو گا - اور اقبال کی محبت فارسی زبان و ادب سے کئی گنا زیادہ ہو گئی ہو گی - فارسی زبان میں شعر گوئی کے متعلق شیخ عبدالقادر ''بانگ درا'' کے دیباچہ میں یوں رقمطراز ہیں :-

> ''۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا ایک دوسرا دور شروع ہوتا ہے - یہ وہ زمانہ ہے - جو انہوں نے یورپ میں بسر کیا . . . . اس زمانے میں دو بڑے تغیر ان کے خیالات میں آئے - ان تین سالوں میں دو سال ایسے تھے جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور اکثر ملاقات کے موقعے ملتے رہتے تھے - ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری ترک کر دیں اور قسم کھا لیں کہ شعر نہیں کہیں گے - اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے - اسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں . . . . . آخر یہ قرار پایا - کہ آرنلڈ صاحب کی رائے پر فیصلہ چھوڑا جائے علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی - کہ آرنلڈ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لئے شاعری چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ ان کے لئے بھی مفید ہے اور ان کے ملک و قوم کے لئے

بھی ۔ ایک تغیر جو ہمارے شاعر کی طبیعت میں آیا تھا اس کا تو یوں خاتمہ ہوا مگر دوسرا تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے ایک بڑے انجام تک پہنچا ۔ یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعۂ اظہار خیال بنا لیا،، ۔

''فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں کئی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی کتاب ''حالات تصوف،، (THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA) کے متعلق لکھنے کے لئے جو کتب بینی کی ۔ اس کو بھی ضرور اس تغیر مزاج میں دخل ہوگا ۔ اس کے علاوہ جوں جوں ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا ۔ اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انہوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلہ میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھالنے آسان نہیں ۔ اس لئے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے،، ۔

فارسی زباں مغلوں کے زمانے سے لے کر آج تک علمی زبان اور فضیلت کا نشان سمجھی جاتی ہے ۔ اس وجہ سے اردو پر بھی اس کا اتنا گہرا اثر ہوا ۔ کہ آج تک نثر اور نظم اردو میں فارسی الفاظ ، فارسی مرکبات اور فارسی طرز بیان سے کام لیا جاتا ہے ۔ اور اردو زبان کے تمام مشہور شاعر اپنی فارسی دانی اور سعدی ، حافظ ، نظیریؔ ، خاقانی ، قاآنی وغیرہم کی تقلید پر فخر کرتے چلے آئے ہیں ۔ دیکھئے غالب کس فخریہ انداز میں کہتے ہیں :-

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکر ہو رشک فارسی
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کر اسے سنا کہ یوں

اور انشاء اپنے وقت کے شیخ سعدی ہونے کا دعویٰ یوں کرتے ہیں :

شیخ سعدیِ وقت ہے انشاء
تو ابوبکر سعد زنگی ہے

سودا اپنی غزل کے متعلق کہتے ہیں :-

پھر غزل سودا کہی ہے تونے اس انداز سے
ہند سے پہنچے گی ہاتھوں ہاتھ نیشا پور تک

فارسی کی اس عام مقبولیت کے پیش نظر اقبال کا فارسی کی طرف مائل ہونا ایک قدرتی بات تھی - پھر حسن اتفاق سے اقبال کو ایسے بزرگوں کی صحبت کا فیض میسر ہوتا رہا - جن کا طرۂ امتیاز فارسی زبان تھی - نوجوانی میں سید میر حسن اور مرزا ارشد گورگانی جیسے زبردست عالموں سے تلمذ رہا - پھر ولایت میں پروفیسر براؤن اور پروفیسر نکلسن کی صحبتیں میسر ہوئیں اور وطن میں شیخ عبدالقادر ، سید امیر علی ، سید غلام بھیک نیرنگ ، سر شہاب الدین اور مولانا گرامی جیسے سخن فہم ، سخن سنج اور سخن گو حضرات سے دوستانہ مراسم رہے - اقبال کی شاعری پر ان اساتذہ کرام اور اس حلقۂ احباب کا اثر پڑنا لازمی تھا - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں - کہ اقبال کی تمام اُردو شاعری پر شروع سے ہی فارسیت کا غلبہ ہے - فارسی الفاظ اور فارسی مرکبات کی کثرت ہے اور اکثر تشبیہات و استعارات میں بھی فارسی کا ہی رنگ ہے -

فارسی تشبیہات و استعارات میں زیادہ تر تقلید اور تتبع سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم تیسرے باب میں ذکر کر آئے ہیں۔ اکثر تشبیہات و استعارات میں اپنا تصرف بھی دکھایا ہے۔ تشبیہ وہی قدیم ہے۔ لیکن محل استعمال نیا ہے۔ اور اسی سے تشبیہ میں بھی جدت آگئی ہے۔ فارسی تشبیہات و استعارات کا ذکر ہم مندرجہ ذیل چند عنوانات کے تحت کریں گے۔

ا ۔ انسانی زندگی کے متعلق تشبیہات ۔

ب ۔ موت کے متعلق تشبیہات و استعارات ۔

ج ۔ بحر ، دریا ، ساحل ، موج ، قطرہ ، حباب ، گرداب ، وغیرہ کے متعلق ۔

د ۔ ابر ، برق ، باراں ، شبنم وغیرہ کے متعلق ۔

ہ ۔ آسمان ، سورج ، چاند ، ستارہ وغیرہ کی تشبیہات ۔

و ۔ صنم ، صنمکدہ ، بت ، بتکدہ ، آذر ، ابراہیم وغیرہ ۔

ز ۔ مے ، میکدہ ، ساقی ، جام ، بادہ ، صراحی ، سبو ، کدو ، پیرمغاں وغیرہ ۔

ح ۔ خنجر ، شمشیر ، رزہ ، تیر ، کمان ، ہدف ، نیزہ ، سنان وغیرہ ۔

ط ۔ گل و بلبل ، قمری و شمشاد ، سرو و لالہ ، یاسمن ۔ غنچہ ۔ گلشن ، نسیم ، صبا وغیرہ ۔

ی ۔ آرائش حسن کا سامان ، آئینہ ، شانہ ، سرمہ ، غازہ ، حنا وغیرہ ۔

ک ۔ شیریں خسرو ، فرہاد لیلی و مجنوں وغیرہ ۔

ل ۔ متفرق تشبیہات ، مثلاً شطرنج کی تشبیہات ، آب حیات کی تشبیہات ، خضر علیہ السلام سے متعلق تشبیہات ، شمع و پروانہ کی تشبیہات وغیرہ وغیرہ ۔

ا ۔ وہ تشبیہات جو انسانی زندگی کے متعلق ہیں :۔

۱ ۔ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ، ضمیر کن فکاں ہے زندگی

۲ ۔ زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشۂ و سنگ گراں ہے زندگی

۳ ۔ بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

۴ ۔ قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

(جواب خضر ۔ زندگی)

ان اشعار میں زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کو تشبیہات کے ذریعے واضح کیا گیا ہے ۔ زندگی جوئے شیر کی مانند بن سکتی ہے بشرطیکہ انسان اپنے راہ میں حائل ہونے والے سنگ ہائے گراں کو اپنی طاقت کے تیشہ سے تراش تراش کر اپنا راہ خود بنانا جانتا ہو ۔ یعنی زندگی محض پھولوں کی سیج نہیں ۔ پھولوں کو کانٹوں سے صاف اور علیحدہ کرنے کے

لئے محنت بھی درکار ہے - وہ لوگ جو اس محنت کی تکلیف کو گوارا کر سکتے ہیں - پھولوں کی سیج سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں -

اقبال غلامی کی خلش کو بہت زیادہ محسوس کرتے تھے - اور بے شمار اشعار میں انہوں نے غلامی کے طوق لعنت سے نفرت کا اظہار کیا ہے - تیسرے شعر میں بڑے نرم اور محتاط لفظوں میں غلامی اور آزادی کا فرق سمجھایا ہے - زندگی آب رواں کی مانند ہے غلامی میں یہ آب رواں کم ہوتے ہوتے ایک چھوٹی سی نالی (جوئے کم آب) رہ جاتا ہے - لیکن آزادی میں بڑھتے بڑھتے ایک بحر بیکراں کی مانند ہو جاتا ہے- بالفاظ دیگر اگر تمہاری زندگی غلامی میں بسر ہو رہی ہے - تو یوں سمجھو - کہ نہر حیات کا پانی خشک ہوتا جا رہا ہے - اور اگر تم آزاد ہو - تو یوں خیال کرو - کہ دریائے زندگی ایک بحر بیکراں کی مانند ٹھاٹھیں مار رہا ہے - چوتھے شعر میں پہلے انسان کو ایک پانی کے بلبلے سے تشبیہ دے کر اُسے اُس کے ہیچ میرز ہونے کا احساس دلایا ہے - پھر اس دنیا کو ایک "زیاں خانہ" سے تشبیہ دے کر زندگی کے متعلق کہا ہے - کہ وہ انسان کے لئے ایک امتحان کی مانند ہے - دنیا ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں لمحہ بھر کی غفلت اتنے "زیاں" کا باعث بنتی ہے - کہ باقی عمر میں (جو جلدی گزر جانے والی ہے) اُس کی تلافی نہیں ہو سکتی - ع یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ را ہم دور شد -

اس شعر پر ذرا اور غور کریں - تو یہ سورۂ والعصر کی طرف اشارہ کرتا ہوا نظر آئے گا -

"قسم ہے عصر کی - یقیناً انسان ضرور خسارہ میں ہے - بجز ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کئے اور

ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں حق گوئی کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی"۔ (سورۃ نمبر ۱۰۲)

دوسری آیت یقیناً انسان ضرور خسارہ میں ہے۔ خسارہ کے معنی نقصان یا زیاں ہے۔ اور جس جگہ انسان کو ہر گھڑی زیاں کا خطرہ ہو۔ ایسے "زیاں خانہ" کہنا عین بلاغت ہے۔ پھر امتحان کے لفظ پر غور کریں۔ عام اور سادہ سے معنوں کے لحاظ سے امتحان ایک اصطلاح بن چکا ہے۔ طالب علموں کا امتحان ہوتا ہے۔ دن رات محنت کرنے والے اور علم سے محبت رکھنے والے اول درجہ میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اُن سے نیچے دوم درجہ ہے پھر سوم درجہ اور پھر وہ بے شمار نالائق جو ناکام رہ جاتے ہیں۔ اقبال کی نظر میں ہماری زندگی کا یہ مختصر سا وقفہ ایک امتحان ہے۔ جس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ہم اس عطیۂ ایزدی (زندگی) کے کتنے حقدار ہیں۔ اور اس زیاں خانے میں زندگی کے امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں یا ناکام۔ اور کامیاب ہونے کی صورت میں ہمارا درجہ کونسا ہے۔

۵ - موج غم پر رقص کرتا ہے حباب زندگی
ہے الم کا سورہ بھی جزو کتاب زندگی

(جواب خضر)

زندگی ایک کتاب کی مانند ہے۔ جس کا ایک جزو الم بھی ہے۔

۶ - نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلک سیماب پا ہوں مکتب ہستی میں میں (ماہ نو)

زندگی ایک مکتب کی مانند ہے۔ اور میں (شاعر) اس مکتب میں اُس ننھے طالب علم کی مانند ہوں۔ جو مکتب میں زیادہ دیر ٹھہرنے سے گھبراتا ہو اور جلدی گھر کو بھاگ جانا چاہتا ہو۔

۷ - سبک روی میں ہے مثل نگاہ یہ کشتی
نکل کے حلقۂ حد نظر سے دور گئی

۸ - جہاز زندگی آدمی رواں ہے یو نہیں
ابد کے بحر میں پیدا یو نہیں نہاں ہے یو نہیں (کنار راوی)

ان دو شعروں میں تین تشبیہات ہیں - (۱) کشتی سبک روی میں مثل نگاہ ہے - (۲) ابد (زمانہ) ایک بحر کی مانند ہے - (۳) انسانی زندگی ایک جہاز کی مانند ہے - جو ابد کے بحر سے کبھی تو تیرتا ہوا نظر آتا ہے اور کبھی اس بحر میں نظروں سے نہاں ہو جاتا ہے - انسانی زندگی کا آغاز کیا ہے ؟ اس کا انجام کیا ہے ؟ آدمی کہاں سے آتا ہے اور کدھر چلا جاتا ہے - ان سوالات کا جواب مذہب اور فلسفہ نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق دیا ہے - لیکن اقبال کنار راوی پر کھڑے ہیں - ایک ایک کشتی اُن کی نگاہ کے سامنے ہے جس کا ملاح اسے زور زور سے کھیتے کھیتے آگے لے جا رہا ہے - کشتی بڑی تیزی سے آگے جا رہی ہے - اب اس کی شکل مدھم سی نظر آتی ہے - اب وہ کشتی ایک دھبہ سا نظر آتی ہے - اب بالکل نظر نہیں آتی۔ اس کا کیا مطلب ہوا - کیا کشتی فنا ہو گئی - نہیں - وہ تو برابر آگے بڑھ رہی ہے - ہاں ہماری حد نگاہ سے دور چلی گئی ہے - اقبال کنار راوی پر موت اور عدم کے مسئلہ سے پردہ اٹھا دیتے ہیں - جس طرح یقین ہے - کہ کشتی اور اہل کشتی ہماری نظر سے چھپ جاتے ہیں - لیکن مٹتے نہیں - اسی طرح انسانی زندگی کا جہاز بھی ابد کے بحر سے تیرتے تیرتے آخر ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے - جہاں وہ ہماری نگاہوں سے چھپ جاتا ہے - لیکن یقین کیجئے - کہ

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا (کنار راوی)

۹ - ایک اصلیت میں ہے نہر رواں زندگی
گر کے رفعت سے ہجوم نوع انساں بن گئی (فلسفہ غم)

زندگی کو ایک نہر رواں سے تشبیہ دی ہے - جب بلندی سے نہر کا پانی نیچے گرتا ہے - تو قطرہ قطرہ علیحدہ علیحدہ ہو جاتا ہے - یہی ہجوم نوع انساں ہے -

۱۰ - زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے ، غفلت ہے ، سرمستی ہے، بےہوشی ہے یہ (شمع)

یہ تشبیہہ جمع ہے - یعنی مشبہ ایک ہے اور مشبہ بہ متعدد ہیں - زندگی فراموشی ہے - یعنی انسان اپنی عمر کے ساتھ ساتھ غم والم کے بے شمار واقعات بھولتا چلا جاتا ہے اور زندگی کو خواب سے تشبیہہ دینا تو مشرق اور مغرب دونو عالموں کے شاعروں کا شیوہ رہا ہے - اور حق یہ ہے کہ زندگی کی تشبیہہ خواب سے تشبیہہ تام ہے -

۱۱ - سلسلہ ہستی کا ہے اک بحر ناپیدا کنار
اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں مزار
(گورستان شاہی)

زندگی کی بحر ناپیدا کنار اور دریائے بے پایاں سے تشبیہہ پہلے آ چکی ہے -

۱۲ - گل تبسم کہہ رہا تھا زندگانی کو مگر
شمع بولی ، گریۂ غم کے سوا کچھ بھی نہیں (غزلیات)

زندگی بعض کے لئے تبسم کی مانند ہے اور بعض کے نصیب میں اس سے گریہ غم کے سوا کچھ حاصل نہیں ۔

۱۳ - نگاہ موت پہ رکھتا ہے مرد دانشمند
حیات کیا ہے ؟ شب تار میں شرر کی نمود (ضرب کلیم)

دوسرے مصرع میں زندگی کی تشبیہہ شب تار میں شرر کی نمود کے ساتھ بہت واضح ہے ۔

۱۴ - اے ہوس خون رو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تبسم ، یہ خس آتش سوار
(گورستان شاہی)

شرر یا شرار کے ساتھ زندگی کو تشبیہہ دینا کوئی نئی تشبیہہ نہیں ہے ۔ لیکن "خس آتش سوار" کی فارسی تشبیہہ کا اردو کے قالب میں ڈھالنا ایک مستحسن کوشش ہے ۔

۱۵ - زندگی انساں کی ہے مانند مرغ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم ، چہچہایا ، اڑ گیا
(گورستان شاہی)

انسانی زندگی کی اس سے بہتر تشبیہہ کیا ہو سکتی ہے ۔ انسان ایک خوش آواز پرندے کی مانند زندگی کی شاخ پر آن بیٹھا ہے ۔ کوئی دم بھر کے لئے چہچہاتا ہے اور آخر اس شاخ سے اڑ کر نظروں سے کہیں غائب ہو جاتا ہے ۔ یہ تشبیہہ بھی ایک مکمل اور عمدہ تشبیہہ ہے ۔

(ب) موت کے متعلق تشبیہات :

مرزا غالب نے زندگی اور موت کی تفصیل دو مصرعوں میں بیان کی - یعنی

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

آپ نے زندگی کے متعلق اقبال کی تشبیہات دیکھ لیں - اب دیکھئے کہ موت کو انہوں نے کون کون سی تشبیہات یا استعارات سے واضح کیا ہے -

۱ - نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور .
موت کیا شے ہے ، فقط عالم معنی کا سفر (ضرب کلیم)

عالم دو ہیں ، ایک یہ عالم کہ جس میں ہم اور آپ چلتے پھرتے ، کام کاج کرتے اور وظائف زندگی کو ادا کرتے نظر آتے ہیں - دوسرا عالم جہاں انسان کی روح مرنے کے بعد جاتی ہے - یعنی ایک عالم ظاہری اور مجازی ہے جہاں زندگی عارضی ہے- دوسرا معنوی اور حقیقی ہے جہاں زندگی دوامی ہے - ایک کا نام دنیا ہے دوسرے کا نام آخرت - انسان سفر حیات میں ایک مسافر کی مانند ہے - جو آخرت کے سفر کے لئے زاد راہ لے کر روانہ ہوتا ہے - اس دنیا میں زندگی کا سفر حیات کہلاتا ہے - اور دوسری دنیا کا سفر ممات کہلاتا ہے موت مٹنا نہیں ہے - فنا ہونا نہیں ہے - بلکہ عالم معنی کو جانے کے لئے موت ایک سفر کی مانند ہے - میر تقی میر بھی اس معاملہ میں اقبال کے ہمنوا ہیں اور فرماتے ہیں :-

مرگ کیا منزل مراد ہے میر
یہ بھی اک راہ کا توقف ہے

یا

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

۲ - ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

موت کو نیند سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔ نیند سے زندگی میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا ۔ اسی طرح موت سے بھی حیات ابدی یا سفر حیات میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ۔

اس سلسلہ میں چند اور اشعار قابل ذکر ہیں ۔ اگرچہ ان میں تشبیہہ اتنی واضح نہیں ۔ تاہم موت کے متعلق اقبال کے نقطہ نظر کو (یا اسلامی نقطہ نظر کو) زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے ۔

۳ - موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

۴ - خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

شعر نمبر ۴ میں انسان کو ایک پرندے سے تشبیہہ دی گئی ہے جو ایک گلشن سے اڑ کر دوسرے گلشن میں چلا جاتا ہے ۔ اور جو وہ اڑنے سے پہلے پر تولتا ہے ۔ اسی کا نام موت ہے ۔

ع   موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں

۵ - اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادت سحر
فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے

۶ - وداع غنچہ میں ہے راز آفرینش گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے (ستارہ)

ان دو اشعار میں تشبیہہ بالتمثیل ہے ۔ لاکھوں ستارے موت کے گھاٹ پار اترتے ہیں ۔ تو سورج طلوع ہو جاتا ہے ۔ ستاروں کی موت میں ولادت سحر کا راز پنہاں ہے ۔ غنچہ اپنی حالت (غنچہ ہونے کی حالت) کو بدلتا ہے ۔ تو پھول بن جاتا ہے ۔ یعنی نئی صورت اُس کی پہلی صورت سے زیادہ اچھی ہو جاتی ہے ۔ یہ دو مثالیں دے کر ایک نتیجہ اخذ کیا گیا ہے ۔ یعنی عدم بالکل مٹ جانے اور فنا ہونے کا نام نہیں بلکہ ایک حالت کے تبدیل ہونے کا نام ہے ۔ اس طرح عدم ہستی کا آئینہ دار ہے ۔ اسی قبیل کا ہے یہ شعر بھی :-

زندگی سے یہ پرانا خاکداں معمور ہے
موت میں بھی زندگانی کی تڑپ مستور ہے
(گورستان شاہی)

زندگی ، موت اور حیات بعد الموت کے فلسفہ کو ان تمثیلات میں دیکھئے :-

آتی ہے ندی جبین کوہ سے گاتی ہوئی
آسماں کے طائروں کو نغمہ سکھلاتی ہوئی

آئنہ روشن ہے اس کا صورت رخسار حور
گر کے وادی کی چٹانوں پر یہ ہو جاتی ہے چور
نہر جو تھی اُس کے گوہر پیارے پیارے بن گئے
یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے
جوئے سیماب رواں پھٹ کر پریشاں ہو گئی
مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہو گئی
ہجر ان قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
دو قدم پر پھر وہی جو مثل تار سیم ہے
مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

(فلسفۂ غم)

اس تمثیل سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زندگی ایک نہر رواں کی مانند ہے ۔ جو بہتی بہتی کسی جگہ آبشار کی مانند ایک ایسی چٹان پر جا گرتی ہے ۔ جہاں اُس کا پانی قطروں میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔ اور وہ پہلی سی مجموعی اور سیال صورت نہیں رہتی ۔ یہی نہر کی موت ہے ۔ لیکن وہ قطرے جو جدا جدا ہو گئے تھے ۔ پھر اکٹھے ہو جاتے ہیں ۔ اور دو قدم کے فاصلے پر جا کر نہر پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے ۔ یہ حیات بعد الموت کی صورت ہے ۔ حیات ہمیں دنیا میں لاتی ہے یہاں سے ایک ایک کر کے ہم رخصت ہو جاتے ہیں لیکن "ماندگی کے ایک وقفے" کے بعد ہم پھر زندہ ہو جاتے ہیں اور اُس حیات ابدی میں ہم اگلوں سے جا ملتے ہیں ۔ اور پچھلے لوگ بھی اپنی اپنی حیات عارضی گزار کر ہم سے آن ملتے ہیں اور اس طرح یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے ۔ کہ

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

ایک اور تمثیل پر غور فرمائیے :-

جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ
کتنی بیدردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ
پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پرواہ ہوا
اس روش کا کیا اثر ہے ہئیت تعمیر پر
یہ تو حجت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

اب ایک اور تمثیل دیکھئے ۔ کہ موت سے ایک پھول دوبارہ قبائے زندگی کس طرح پاتا ہے :-

تخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بیخواب ہے
کس قدر نشو و نما کے واسطے بیتاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی ، خود فزائی کے لئے مجبور ہے
سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں

خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

ان دونوں مثالوں سے علامہ اقبال یہ ثابت کرتے ہیں کہ موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے - پہلی زندگی (حیات دینوی) کچھ اور قسم کی ہے - جب انسان اس دنیا میں اپنے کار حیات سے فراغت پا لیتا ہے - تو اسے ایک خواب (نیند) آ دباتی ہے لیکن اس خواب کے پردے میں اسے بیداری کا پیغام دیا جاتا ہے - وہ پھر حیات نو یعنی حیات ابدی سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور دوسری دنیا میں اسے پھر کچھ فرائض سر انجام دینا پڑتے ہیں ایک امتحان دینا پڑتا ہے اور جو اس آخری امتحان میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں ، انہیں ندا آتی ہے کہ

یا یتھا النفس المطمئنة O ارجعی الی ربک راضیة مرضیة O فادخلی فی عبادی O وادخلی جنتی O

ج - بحر ، دریا ، ساحل ، قطرہ ، حباب ، گرداب وغیرہ کی تشبیہات :

فارسی ادب میں بحر ، جو ، قطرہ ، حباب ، گرداب وغیرہ تشبیہات عام ہیں - خصوصاً صوفیانہ کلام میں آدمی (عابد یا عارف یا عامی) کی

قطرہ سے اور خدا کی بحر سے یا بحر بیکراں سے تشبیہ زیادہ نظر آتی ہے لیکن اقبال نے اس تشبیہ کو بہت کم استعمال کیا ہے ۔ سوامی رام تیرتھ نے (بانگ درا) کے غرق دریا ہو جانے کے باعث وہاں قطرہ و دریا کی تشبیہ استعمال کی ہے ۔

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بیتاب تو
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نایاب تو

(سوامی رام تیرتھ)

پھر قطرہ و بحر بے پایاں کی تشبیہ "شمع اور شاعر"، (بانگ درا) کی نظم میں ہے ۔ شمع شاعر کو مخاطب کر کے کئی باتیں کہتی ہے ۔ ان میں سے ایک یہ ہے ۔ کہ

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے ، لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے

(شمع اور شاعر)

اس تشبیہ میں خدا اور بندہ مشبہ نہیں ہیں بلکہ بندہ (غافل انسان) مشبہ ہے ۔ قطرہ مشبہ بہ ہے اور بحر بے پایاں بھی اسی مشبہ کے لئے مشبہ بہ ہے ۔ آدمی کو بحر سے تشبیہ دے کر اس میں ایک اور صفت بھی پیدا کر دی ۔

وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا
ہر قطرہ ہے بحر بے کرانہ (ضرب کلیم)

اقبال نے قدیم تشبیہات کے تتبع میں کئی جگہ خداوند تعالیٰ کو دریا ، بحر ، سمندر ، بحر بے پایاں ، محیط بے کراں وغیرہ کہہ کر مخاطب کیا ہے لیکن اپنے تئیں آبجو ، موج وغیرہ سے تشبیہ دی ہے ۔ مثلاً

تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بیکنار کر (بال جبریل)

یا
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے (بال جبریل)

یا
مدتوں تیرے خود آراؤں سے ہم صحبت رہا
مدتوں بیتاب موج بحر کی صورت رہا
(رخصت اے بزم جہاں)

یا
نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا (بال جبریل)

موج اور دریا کی نسبت سے اقبال نے فرد اور ملت کا رشتہ یوں استوار کیا ہے :-

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں
(شمع اور شاعر)

اقبال نے کئی جگہ زندگی کو جو ، جوئے کم آب ، بحر اور بحر بیکراں سے تشبیہ دی ہے ۔

مثلاً　بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
(جواب خضر)

یا　خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس آبجو سے کئے بحر بیکراں پیدا (ضرب کلیم)

یا　رہزن ہمت ہوا ذوق تن آسانی ترا
بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں مثل جو ہوا
(شمع اور شاعر)

جو سے جوئے شیر اور جوئے خوں کے استعارات و تشبیہات بہت مشہور ہیں۔

کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا (غالب)

یا　جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ دو شمعیں فروزاں ہو گئیں (غالب)

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
(جواب خضر)

شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوع فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ
(بال جبریل)

جوئے مئے سخن کا استعارہ بھی دیکھئے :-

گلشن دہر میں اگر جوئے مئے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو کلی نہ ہو سبزہ نہ ہو چمن نہ ہو (شاعر)

موج اور گرداب کی یہ تشبیہیں بھی جدت اور ندرت کی حامل ہیں ۔

جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں محو خواب

(خضر راہ)

دریا کی تہ میں چشم گرداب سو گئی ہے
ساحل سے لگ کے موج بیتاب سو گئی ہے

(رات اور شاعر)

دریا اور ساحل کی تشبیہات دیکھئے :-

بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے (بال جبریل)

جانب منزل رواں بے نقش پا مانند موج
اور پھر افتادہ مثل ساحل دریا بھی ہے

(عاشق ہرجائی)

خیالات کو بھی ایک سمندر یا بحر سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ دیکھئے:-

۱ - ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے (بال جبریل)

۲ - میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گہرا ہے مرے بحر خیالات کا پانی

(زہد اور رندی)

کبھی متضاد صفات کو مد نظر رکھ کر بھی تشبیہ دی جاتی ہے - جو تشبیہ معکوس کہلاتی ہے مثلاً بخیل آدمی کو حاتم کہنا یا ایک دبلے پتلے کمزور آدمی کو ''پہلوان جی'' کہہ کر خطاب کرنا - اقبال نے اسی قسم کی ایک تشبیہ میں بیاباں کو بحر خشک اور منزل کو ساحل کہا ہے -

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور
(ایک حاجی مدینے کے راستے میں)

حباب کی تشبیہ کا ذکر تیسرے باب میں آ چکا ہے - یہاں چند اور تشبیہات بھی دیکھئے -

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی (جواب خضر)

بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی
نفس حباب کا تابندگی ستارے کی (اختر صبح)

تو اگر خوددار ہے منت کش ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر
(شمع اور شاعر)

یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہیے مثل حباب آبجو رہنا (تصویر درد)

موج غم پر رقص کرتا ہے حباب زندگی
ہے الم۔ کا سورہ بھی جزو کتاب زندگی (جواب خضر)

د ابر ، برق ، باد ، شبنم وغیرہ

ابر کو عام طور پر ابر رحمت کہا جاتا ہے۔ پیاسی زمین کو سیراب کرنا ، سوکھتے ہوئے پودوں ، پیڑوں اور درختوں کو نئی زندگی بخشنا ، گرمی کے اثرات کو کم کرنا ۔ یہ سب خدا کی رحمت کا ظہور ہیں ۔ اس لئے ابر کو خداوند تعالیٰ کی رحمت سمجھا جاتا ہے ۔ ابر کی تشبیہ میں بھی رحمت وجہ تشبیہ ہوتی ہے ۔ ابر کو اس کی حرکت کی بنا پر گھوڑے یا ہاتھی سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔ کبھی ہوا کو گھوڑے سے تشبیہ دے کر ابر کو اس پر سوار دکھایا جاتا ہے ۔ ابر کی تشبیہ کی مختلف صورتیں ہیں ۔ دیکھئے کہ علامہ اقبال نے ابر سے کیا کیا تشبیہات پیدا کی ہیں ۔

ابر گھوڑے کی مانند

نہاں ہوا جو رخ مہر زیر دامن ابر
ہوائے سرد بھی آئی سوار توسن ابر (ابر)

ابر ہاتھی کی مانند

ہائے کیا فرط طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر (ہمالہ)

ابر رحمت

ابر رحمت دامن از گلزار من برچید و رفت
اندکے بر غنچہ‌ہائے آرزو بارید و رفت

(نالہ فراق)

ابر رحمت

ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب
جل گئی مزرعۂ ہستی تو آگا دانۂ دل (دل)

ابر آذاری

آہ مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا
آسماں سے ابر آذاری اٹھا، برسا، گیا
گورستان شاہی

آخری بادل

ذرے کو دیتے ہیں موتی دیدۂ گریاں کے ہم
آخری بادل ہیں اک گزرے ہوئے طوفان کے ہم
ہیں ابھی صد ہا گہر اس ابر کی آغوش میں
برق ابھی باقی ہے اس کے سینۂ خاموش میں

اقبال قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو ایسے بادل کی مانند قرار دیتے ہیں۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے اقصائے عالم پر چھا گیا۔ اور اس ربع مسکوں کے بہت سے علاقوں پر علم و حکمت کے موتی برسا گیا۔ موجودہ دور کے مسلمان انہی مسلمانوں کی اولاد و اخلاف ہیں۔ اگرچہ زور کے بادل برس چکے ہیں۔ طوفان گزر گیا ہے۔ لیکن اس آخری بادل کی آغوش میں ابھی ہزاروں موتی پوشیدہ ہیں۔ جن سے ایک عالم مالا مال ہو سکتا ہے۔ اور ابھی اس میں وہ برق خوابیدہ ہے۔ جو خاشاک غیراللہ کو جلا کر راکھ کر سکتی ہے۔ ان تشبیہات کو اقبال مسلمانوں کے دلوں میں شمع اُمید روشن کرتے ہیں۔ اور اُن کو مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے باہر نکال لاتے ہیں۔ اسی رجائیت کا یہ شعر بھی مظہر ہے۔

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

برق میں تین صفات ہیں ۔ روشنی دینا اور جلا کر فنا و برباد کر دینا ۔ اور تیزی و سرعت ۔ اقبال نے ان تینوں صفات کو وجہ تشبیہ بنایا ہے :-

(ا) برق کا چمکنا اور روشنی دینا :

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی
(بال جبریل)

برق کا چمکنا اور روشنی دینا :

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدۂ خفاش ہو
اے دل کون و مکاں کے راز مضمر فاش ہو
(نوید صبح)

برق کا چمکنا اور روشنی دینا :

تو جو محفل ہے تو ہنگامہ محفل ہوں میں
حسن کی برق ہے تو ، عشق کا حاصل ہوں میں
(حسن و عشق)

(ب) برق کا جلانا :

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر (شکوہ)

برق کا گرنا یہاں آفت آنے سے استعارہ ہے ۔

برق کا جلانا :

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے (دل)

برق کا جلانا :

عہد نو برق ہے آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
(جواب شکوہ)

(ج) برق کی تیزی و سرعت :

ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرام ناز
مانند برق تیز ، مثال ہوا خموش (سوٹر)

برق کی تیزی و سرعت :

اے حلقۂ درویشاں وہ مرد خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستا خیز
جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
(بال جبریل)

مختلف کیفیتوں کے لحاظ سے ہوا کے مختلف نام ہیں ۔ باد اور ہوا ایک ہی چیز ہے ۔ صبا اور نسیم ہلکی لطیف ہوا ہے ۔ تیز ہوا کا نام صرصر ہے ۔ زہریلی ہوا کا نام سموم ہے اور مٹی ساتھ اڑا کر گول چکر کھانے والی ہوا گردباد یا بگولہ کہلاتی ہے ۔ ہمارے شاعروں نے ہوا کی تمام حالتوں کو باندھا ہے ۔ باد ، صبا اور نسیم کو عموماً ایک قاصد سے تشبیہ دے کر اس کے ہاتھ محبوب کو پیغام بھیجتے رہے ہیں ۔

مثلاً
میں اس گل کو پیغام دیتا ہزاروں
ہوا ہو گئی ہر ہوا کہتے کہتے

یا
اے صبا ، اُن سے جا کے یہ کہنا
تو اگر کوئے یار میں گزرے
کون سے روز آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گزرے

یا
گر ہو مشاعرہ میں صبا آجکل چلے
کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے

لیکن اقبال عام شعراء کے برعکس ہوا یا صبا سے کسی کا پیغام سنتے ہیں ۔ اور پیغام بھی ایسا جو شعرائے سلف میں سے کسی کو سننا نصیب نہ ہو سکا :-

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبحگاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی (بال جبریل)

اقبال نسیم سحر کی مانند ہیں :-

۱ - عروس لالہ! مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیم سحر کے سوا کچھ اور نہیں (بال جبریل)

۲ - فطرت مری مانند نسیم سحری ہے
رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
پہناتا ہوں اطلس کی قبا لالہ و گل کو
کرتا ہوں سرخار کو سوزن کی طرح تیز (بال جبریل)

شبنم کو آنسو کے قطرے سے یا موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور آنسو کے قطرے کو شبنم سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ آنسو بہانے کو تشبیہاً شبنم افشانی کرنا کہتے ہیں یہ قدیم تشبیہات اقبال کے کلام میں اسی انداز میں دیکھئے :-

شبنم موتی کی مانند

۱ - برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن (بال جبریل)

۲ - مانند سحر صحن گلستاں میں قدم رکھ
آئے تہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے (بال جبریل)

۳ - جب تلک باقی ہے تو زندہ جہاں میں ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں
(بلاد اسلامیہ)

شبنم آنسو کی مانند

۱ - گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہے طوفان اشک
شبنم افشاں تو کہ بزم گل میں ہو چرچا ترا
(شمع اور شاعر)

۲ - شبنم کی طرح پھولوں پہ رو اور چمن سے چل
اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے (غزلیات)

۳ - لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤں پر پھولوں کا مسکرانا
(پرندے کی فریاد)

۴ - تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا
ہے نہاں تیری اداسی میں دل ویراں مرا
(گل پژ مردہ)

۵ - فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا
ہنسی گل کو پہلے پہل آ رہی تھی
(عشق اور موت)

٦ - شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
(شمع اور شاعر)

شبنم ، نمی طراوت اور ٹھنڈک کے معنوں میں یعنی اصلی معنوں میں ۔

۱ - جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
(مرد مسلمان ، ضرب کلیم)

۲ - آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

شبنم (استعارہ)

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ مری دعا ہو (ایک آرزو)

شبنم (تنک مایگی یا تنک بخشی کی علامت)

۱ - سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے (بال جبریل)

۲ - ابر نیساں بہ تنک بخشیٔ شبنم کب تک
میرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی (غزلیات)

شبنم سے اقبال نے ایک نئی تشبیہہ پیدا کی ہے - غنچہ کھل کر پھول بنتا ہے تو اس شگفتگی کے عالم تک پہنچانے والی دو قوتیں کارفرما نظر آتی ہیں ، ایک شبنم اور دوسری نسیم سحر - مسلمانوں کے نونہال بھی غنچوں کی مانند ہیں ان کی صحیح تربیت کے لئے ، ان کو کھلا کر پھول بنانے کے لئے ، بھی دو قوتوں کی ضرورت ہے - ایک علم اور دوسری قوت دین ہے - ایک شبنم ہے تو دوسری نسیم سحر - چنانچہ ضرب کلیم میں "علم اور دین" کے عنوان سے جو نظم ہے اس میں فرماتے ہیں -

چمن میں تربیت غنچہ ہو نہیں سکتی
نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریک نسیم

۵ - آسمان ، چاند ، سورج ، ستارہ وغیرہ سے تشبیہات کی تخلیق :

آسماں یا عرش کو ہر قسم کی بلندی کے اظہار کے لئے مشبہ‌بہ بنایا جاتا ہے - یہ تشبیہ اسی قدیم انداز میں کلام اقبال میں دیکھئے :-

۱ - فخر پابوسی سے تیری آسماں سا ہو گئی
یہ زمیں ہم پایۂ عرش معلیٰ ہو گئی (نالہ یتیم)

۲ - فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
(التجائے مسافر)

۳ - یہ ہندیوں کے فکر فلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بام ہند (رام)

آفتاب ، خورشید

۱ - مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد معانی میں دقیق
(مرد بزرگ ، ضرب کلیم)

۲ - جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادہر ڈوبے ادہر نکلے ، ادہر ڈوبے ادہر نکلے
(طلوع اسلام)

(بطور استعارہ)

۱ - قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک
جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک
(گورستان شاہی)

۲ - شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ، ستاروں سے بھی کیا
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

۳ - جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد (ضرب کلیم)

۴ - میرے خورشید ـ کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہر نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب (کلی)

۵ - اپنے خورشید کا نظارہ کروں دور سے
صفت غنچہ ہم آغوش رہوں نور سے میں (کلی)

۶ - ضو سے اس خورشید کی اختر مرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبار راہ سے شرمندہ ہے (وصال)

چاند ، مہتاب

۱ - چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں (جگنو)

۲ - آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں (جگنو)

ماہ کامل

۱ - تھی نہ شاید کچھ کشش ایسی وطن کی خاک میں
وہ مہ کامل ہوا پنہاں دکن کی خاک میں (داغ)

۲ - عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے (بال جبریل)

انجم

۱ - مثل انجم افق قوم پہ روشن بھی ہوئے
بت ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے

(جواب شکوہ)

۲ - تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

اختر ، کوکب ، ستارہ ، تارا :-

۱ - جس سے تاج عرش کی زینت ہو وہ گوہر ہے تو
از پے تقدیر عالم صورت اختر ہے تو (نالہ یتیم

۲ - اسی کوکب کی تابانی سے ہے روشن جہاں تیرا
زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا (بال جبریل)

۳ - وہ بزم عیش ہے مہان یک نفس دو نفس
چمک رہے ہیں مثال ستارہ جن کے ایاغ (ضرب کلیم)

۴ - روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
(ہسپانیہ ، بال جبریل)

۵ - گرچہ تھا تیرا تن خاکی نزار و دردمند
تھی ستارے کی طرح روشن تری طبع بلند (ہمایوں)

۶ تارے شرر آہ ہیں انساں کی زباں میں
میں گریۂ گردوں ہوں گلستاں کی زباں میں
(ستارے اور شبنم)

۷ - شرر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا
(عشق اور موت)

۸ - مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں
(فلسفہ غم)

سحر

۱ - مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

۲ - دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب (خضر راہ)

۳ - لیکن یہ سنا اپنے مریدوں سے ہے میں نے
بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی
(زہد اور رندی)

۴ - مانند سحر صحن گلستاں میں قدم رکھ
آئے تہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے (ضرب کلیم)

و - صنم ، صنمکدہ ، بت ، بتکدہ ، آذر ، ابراہیم ، بت گر ، بت شکن وغیرہ سے تشبیہات :

قدیم فارسی اور اردو شاعروں نے اس دنیا کو بتکدہ یا صنمکدہ سے تشبیہہ دی ہے۔ اور وہ لوگ جو دنیا کی پرستش میں اپنے خالقِ کی پرستش یا عبادت بھول جاتے ہیں ۔ ان کو تشبیہتاً یا استعارةً بت پرست یا صنم پرست کہا ہے ۔ حضرت ابراہیم کے والد بت تراش تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم بت شکن اور دنیا کے تمام بتوں سے متنفر ہو کر انہوں نے خدا سے ایسی لو لگائی کہ خلیل اللہ کے لقب سے ملقب ہوئے ۔ حضرت ابراہیم اور آذر کا مفصل بیان "اسلامی اور عربی تشبیہات،، کے ضمن میں آ چکا ہے ۔ اس لئے ان حالات کا یہاں اعادہ تحصیل حاصل ہے ۔ آپ ان تشبیہات و استعارات کو دیکھئے ۔ جو حضرت ابراہیم یا آذر یا بت اور بتکدہ سے تعلق رکھتے ہیں :-

ابراہیم ۱ - بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بتگر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں
(جواب شکوہ)

۲ - آگ ہے اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے
(خضر راہ)

۳ - توڑ دیتا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستی تسنیم عشق
(سوامی رام تیرتھ)

آذر - ۱ - اٹھیں گے آذر ہزاروں شعر کے بتخانے سے
مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
(داغ)

۲ - مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
(وطنیت)

ابراہیم، آذر، بتکدہ - بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا
(نانک)

صنمکدہ - یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنمکدہ ہے جہاں، لا الہ الا اللہ
(ضرب کلیم)

بتکدہ - رخت جاں بتکدۂ چیں سے اٹھا لیں اپنا
سب کو محو رخ سعدیٰ و سلیمیٰ کر دیں
(عبدالقادر کے نام)

بت - ۱ - یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے
(وطنیت)

۲ - یہ بتان عصر حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ نہ تراش آذرانہ
(بال جبریل)

۳ - تمدن ، تصوف ، شریعت ، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام (بال جبریل)

۴ - یہ عالم یہ بت خانہ رنگ و صورت
یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت (بال جبریل)

۵ - یہ عالم یہ بت خانہ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش (بال جبریل)

۶ - یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں ، لا الہ الا اللہ
(ضرب کلیم)

۷ - شہری ہو ، دہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
(ضرب کلیم)

۸ - عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات
(بال جبریل)

بت ، بتکدہ وغیرہ کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقبال نے اس پرانی تشبیہہ میں بھی اپنا تصرف دکھایا ہے ۔ دنیا کو ''بت خانہ رنگ و صورت،، اور ''بت خانہ چشم و گوش،، کہنا اقبال کا تصرف ہے اور آخری شعر کی تشبیہہ تو ہر لحاظ سے قابل تعریف ہے ۔ شرع و دین میں عشق کے خلوص کا ہونا نہایت ضروری ہے ۔ ورنہ شرع و دین کے اصول یا شرع و دین کا فلسفہ خالی خولی باتیں رہ جاتا ہے ۔ ان باتوں میں عشق سے جان پڑ جاتی ہے اور مومن صرف اپنے اقوال سے ہی نہیں بلکہ افعال و اعمال سے بھی شرع و دین کی صداقت و شہادت دیتا ہے۔ بے سوز عشق حکمت شرع و دین کے دفتر کو بتکدہ تصورات کہنا نہایت ہی موزوں تشبیہہ ہے۔ اسی سوز عشق کے ہونے یا نہ ہونے کی بنا پر اقبال نے نہایت بیباکی سے کہا ہے :-

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

ز ۔ مے ، میکدہ اساقی ، پیر مغاں ، جام ، بادہ ، صراحی ، سبو ، سبوچہ ، کدو وغیرہ :

مے ، میکدہ ، بادہ و جام ، ساقی ، پیر مغاں وغیرہ کی تشبیہات بھی بہت پرانی ہیں ۔ فارسی اور اردو کے ابتدائی دور کے شاعروں کے کلام میں شراب کی مستی ، ساقی کی نوازش اور جام و بادہ کی تشبیہات پائی جاتی ہیں۔ شراب کی تشبیہات اس قدر زیادہ ہیں کہ اور کسی چیز سے اتنی زیادہ تشبیہات پیدا نہیں کی گئیں ۔ عشق کی مختلف کیفیات کو ، عاشق کی مستی اور بے خبری کی حالت کو ، شراب کے نشہ سے تشبیہہ دے کر زیادہ واضح کیا جا سکتا ہے ۔ تصوف کے رموز بھی مے اور میکدہ وغیرہ تشبیہات سے

زیادہ اچھی طرح سمجھائے جا سکتے ہیں ۔ اسی وجہ سے غالب نے کہا تھا کہ :۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اقبال نے بھی اپنے مطالب کے اظہا و ابلاغ کے لئے مے و میکدہ ، ساقی و پیر مغاں وغیرہ کا کہیں بطور استعارہ اور کہیں بطور تشبیہہ سہارا لیا ہے لیکن ان تشبیہات میں بھی اپنی انفرادیت کا رنگ دکھایا ہے اور اپنا سکہ چلایا ہے ، دیکھئے :۔

مےشراب ۔ ۱ ۔ محبت کے لئے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں
(غزلیات)

محبت کو مے سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔

۲ ۔ چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
(التجائے مسافر)

علم کو شراب سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔

۳ ۔ شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا
(تصویر درد)

۴ ۔ شیشۂ دہر میں مانند مئے ناب ہے عشق
روح خورشید ہے خون رگ مہتاب ہے عشق
(. . . کی گود میں بلی دیکھ کر)

۵ - خالی شراب عشق سے لالے کا جام ہو
پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو

ان تینوں شعروں میں محبت اور عشق کو شراب سے تشبیہہ دی گئی ہے -

۶ - حسن تیرا جب ہوا بام فلک سے جلوہ گر
آنکھ سے اڑتا ہے یکدم خواب کی مے کا اثر
(آفتاب صبح)

نیند کو شراب کے نشہ سے تشبیہہ دی گئی ہے -

اب "مے" کے ان استعارات کو دیکھئے :-

۱ - مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر
پیتا ہے مئے شفق کا ساغر
(انسان اور بزم قدرت)

۲ - ضمیر لالہ، مئے لعل سے ہوا لبریز
اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز (بال جبریل)

بہار کے موسم میں صوفی بھی پرہیز توڑ دیتا ہے - میخوار شراب پینے سے توبہ کرتا ہے - لیکن بہار آنے پر ع - بہار توبہ شکن می رسد چہ چارہ کنم ---- کہہ کر پھر نائے و نوش میں محو ہو جاتا ہے - شاعر بہار کے موسم میں دیوانہ ہو جاتا ہے :-

بہار آئی ہے گلشن میں نہیں کچھ ہم ہی دیوانے
گلوں نے بھی جنوں میں دامن اپنے پھاڑ ڈالے ہیں

اقبال گل لالہ کے کھلنے کو بہار کی آمد سے تعبیر کرتے ہیں لیکن
گل لالہ کے کھلنے کو ایک استعارہ سے رنگین کرتے ہیں اور کہتے ہیں -

ع ضمیر لالہ مئے لعل سے ہوا لبریز

۳ - اے مئے غفلت کے سرمستو کہاں رہتے ہو تم
کچھ کہو اُس دیس کی آخر جہاں رہتے ہو تم
(خفتگان خاک سے استفسار)

۴ - ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے
کچھ اور آجکل کے کلیموں کا طور ہے (درد عشق)

۵ - مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الہ الا ھو (بال جبریل)

۶ - شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سبو ہو
شمشیر کی مانند ہو تیزی میں تری مے (بال جبریل)

۷ - لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
تھی تہ میں کہیں درد خیال ہمہ دانی
(زہد اور رندی)

ساقی ، میخانہ

۱ - اٹھ گئے ساقی جو تھے میخانہ خالی رہ گیا
یادگار بزم دلی ایک حالی رہ گیا (داغ)

۲ - میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقی موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا
(صبح کا ستارہ)

۳ - میں ہوں نومید تیرے ساقیان سامری فن سے
کہ بزم خاوراں میں آئے لے کر ساتگیں خالی (ضرب کلیم)

باده کش

۱ - جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی (ساقی)

۲ - خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے
اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے
(شمع اور شاعر)

ساقی ، میخانہ ، پیر میخانہ اور بادہ خوار

گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہاں میخانہ ہر کوئی بادہ خوار ہو گا
کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیر میخانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا
(غزلیات)

ساغر

۱ - گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا مجھ کو گویا جہاں نما ہو (ایک آرزو)

کلی کو ساغر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۲ - یا رب اس ساغر لبریز کی مے کیا ہوگی
جادۂ ملک بقا ہے خط پیمانۂ دل (دل)

۳ - شورش میخانۂ انسان سے بالاتر ہے تو
زینت بزم فلک جس سے ہو وہ ساغر ہے تو
(آفتاب صبح)

۴ - سنا ہے عالم بالا میں کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کی خاک پا میں بڑھ کر ساغر جم سے (محبت)

پیمانہ

۱ - جلوہ آشام ہے یہ صبح کے میخانے میں
زندگی اس کی ہے خورشید کے پیمانے میں (کلی)

۲ - لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مئے لا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ الا (بال جبریل)

۳ - رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے
(شمع اور شاعر)

خم ، مینا ، صراحی ، سبو ، سبوچہ ، کدو :-

۱ - بادہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا ابھی
رہنے دو خم کے سر پہ تم خشت کلیسیا ابھی
(طلبہ علیگڑھ کالج کے نام)

۲ - کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
مئے گلرنگ خم شام میں تونے ڈالی
(انسان اور بزم قدرت)

۳ - مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوتگاہ مینا میں شراب خوشگوار (نمود صبح)

۴ - میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی (بال جبریل)

۵ - توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشم محفل میں ہے اب تک کیف صہبائے امیر (داغ)

۶ - لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
تھی تہ میں کہیں درد خیال ہمہ دانی
(زہد اور رندی)

۷ - مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقا ہوں میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو (بال جبریل)

۸ - آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سر مست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو (بال جبریل)

۹ - چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا اتنا بیدرد کیوں ہے انساں
تری نگاہوں میں ہے تبسم شکستہ ہونا مرے سبو کا
(غزلیات)

۱۰ - گدائے میکدہ کی شان بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو (بال جبریل)

ح - خنجر ، شمشیر ، تیر و کماں ، نیزہ وسناں ، زرہ ، ہدف وغیرہ

خنجر ، دشنہ ، شمشیر ، تیر ، کمان ، نیزہ وسنان ، زرہ ، ہدف ، ناوک وغیرہ سے ہمارے قدیم فارسی شعراء اور اُن کے مقلد اُردو شاعروں نے عموماً ایسی تشبیہات و استعارات پیدا کئے ہیں جو عشقیہ شاعری کا سرمایۂ فخر ہیں اور زیادہ تر عشقیہ شاعری کے لئے ہی مخصوص ہیں ۔ مثلاً خنجر ناز ، تیر نگاہ ، تیر نظر، تیغ نگاہ ، دشنۂ مژگاں ، ہدف ملامت،

ہدف جور زماں ، ہدف ناوک بیداد ، کماں ابرو ، قوس ابرو ، تیر الفت ، سنانِ عشق ، وغیرہ وغیرہ ۔ قدیم تشبیہات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

۱ - اُس کماں ابرو نے اک تیرہ نظارہ مارا
جس کے لگتے ہی جگر ہو گیا پارہ پارا (لاعلم)

۲ - قوس ابرو سے جو گردوں میں گیا تیر مژہ
اے میاں گاو فلک کو وہیں قرباں دیکھا (فقیہہ)

۳ - کوئی تو کشتہ ابرو ہے کوئی مژگاں کا
تیغ قسمت میں کسی کے ہے کوئی تیر نصیب (سودا)

۴ - ابروئے پر چیں پہ اُس کے دل نظر کر غور سے
دیکھتے ہیں اصفہانی تیغ کو گوہر سمیت (شاہ نصیر)

۵ - یار نے ابرو و مژگاں سے مجھے صید کیا
اُس کنے تیر و کماں تھے مجھے معلوم نہ تھا (سراج)

۶ - جس کے ہم تیغ نگاہ کے ہوئے گھائل یا رب
چشم زخم اُس سے زمانے میں رہے دور سدا (سودا)

۷ - خال دانہ زلف دام ، ابرو کماں ، مژگاں ہیں تیر
دل ہمارا سہم کھاتا ہے کہ کار ابتر ہے آج
(شاہ حاتم)

۸ - تیر نگاہ ناز کا رہتا ہے سامنا
چھلنی ہوا یہ سینہ مشبک ہے دل تمام (آتش)

۹ - قدسی بھی کشتہ ہیں تری شمشیر ناز کے
مارے پڑے ہیں متصل و منفصل تمام (آتش)

۱۰ - چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کئے ہوئے (غالب)

۱۱ - کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے (غالب)

۱۲ - زخمی کیا ہے مجھ تیری پلکوں کی انی نے
یہ زخم ترا خنجر و بھالاں سے کھونگا (ولی)

۱۳ - تیغ ابرو کو لئے شوخ اکڑتا ہے کھڑا
دیکھئے کس کو کرے قتل ستمگار جھکا (فرخ)

۱۴ - ابرو کی اس کے بات ذرا چل کے تھم گئی
تلوار آج ماہ لقا چل کے تھم گئی
(حافظ ویران)

۱۵ - ترکش الینڈ سینہ عالم کا چھان مارا
مژگاں نے تیرے پیارے ارجن کا بان مارا (سودا)

علامہ اقبال نے غزل کے روایتی مضامین کو بہت ہی کم ہاتھ لگایا ہے اس لئے مذکورہ بالا تشبیہات کی بھی انہیں ضرورت نہیں پڑی۔ بانگ درا ، بال جبریل اور ضرب کلیم میں صرف ایک جگہ "نیر نگاہ" کی تشبیہ میری نظر سے گزری ہے اور وہ بھی بیانیہ مضمون میں یعنی 'مسجد قرطبہ" کے عنوان والی نظم میں۔

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

خنجر و دشنہ ، تیغ و شمشیر ، قوس و کماں ، تیر و سناں ، ناوک و ہدف وغیرہ کو مشبہ‌بہ اقبال نے بھی بنایا ہے ۔ البتہ ان کے مشبہ ابرو ، مژگاں ، نظر ، نگاہ ، آنکھیں وغیرہ نہیں ہیں ۔ یہ تشبیہات و استعارات دیکھئے ۔

خنجر

۱ ۔ تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
(ترانہ ملی)

ہلال کو خنجر سے تشبیہ دی ہے اور نہایت موزوں تشبیہ ہے ۔

علاوہ بریں اس شعر میں ایسی تاثیر اور ایسا جوش ہے ۔ جس کو ہر ایک دل محسوس کرتا ہے ۔ ہلال کا نشان شروع سے ہی اسلامی پرچم کی زینت رہا ہے ۔ اس ہلال کو خنجر سے تشبیہ دینا اور ساتھ ہی یہ کہنا کہ ہم تیغوں کے سائے میں پل کر جواں ہوئے ہیں ۔ بے انتہا جوش و ولولہ کو پیدا کرتا ہے ۔ خنجر بطور مشبہ‌بہ وہی خنجر ہے ۔ جو ابرو یا نگہ کے لئے شعرائے سلف نے استعمال کیا ۔ لیکن یہی خنجر اقبال کی کارگہ فکر سے ایسا صیقل ہو کر نکلا ۔ کہ اس کی تابانی و درخشانی نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے آج ہر بچے اور جوان کی زبان پر فخر سے یہ شعر بار بار نکلتا ہے ۔

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

۲ - خنجر

کھینچ کر خنجر کرن کا پھر ہو سرگرم ستیز
پھر سکھا تاریکیِ باطل کو آداب گریز

(نوید صبح)

اس تشبیہ سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے اس سے پہلے دو شعر اور آخری دو شعر بھی اس شعر کے ساتھ ملا کر پڑھیں ۔ تو وضاحت ہوجاتی ہے ۔ کہ یہ خنجر کیسا خنجر ہے ۔ اس نظم کا عنوان "نوید صبح" ہے ۔ خلاصہ یہ ہے ۔ کہ صبح ہنگامہ در دامن آتی ہے دنیا سے خاموشی سفر کر جاتی ہے ۔ محفل قدرت کی ہر چیز پرندے ۔ اشجار ۔ پھول وغیرہ اپنی زندگانی کا ثبوت دیتے ہیں ۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد علامہ اقبال "مسلم خوابیدہ" سے خطاب کرتے ہیں ۔ کہ

مسلم خوابیدہ اُٹھ ! ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ چمک اُٹھا افق گرم تقاضا تو بھی ہو

وسعت عالم میں رہ پیما ہو مثل آفتاب
دامن گردوں سے نا پیدا ہوں یہ داغ سحاب

کھینچ کر خنجر کرن کا پھر ہو سرگرم ستیز
پھر سکھا تاریکی باطل کو آداب گریز

تو سراپا نور ہے خو شتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدۂ خفاش ہو
اے دل کون و مکان کے راز مضمر فاش ہو

یہ ساری نظم بھی مسلم خوابیدہ کو جگانے کے لئے جادو کا اثر رکھتی ہے ۔ اس میں احرام باندھنا ۔ وسعت عالم میں مثل آفتاب رہ پیما ہونا ۔ اور برق دیدۂ خفاش ہونا وغیرہ اور تشبیہات بھی ہیں ۔ جن کا ذکر اور عنوانوں کے تحت کیا جائے گا ۔

تیغ و شمشیر

۱ ۔ خام ہے جب تک کہ ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

(جواب خضر)

۲ ۔ ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
براں صفت تیغ دو پیکر نظر اس کی

(ضرب کلیم ۔ تقدیر)

۳ ۔ اک نکتہ مرے پاس ہے شمشیر کی مانند
برندہ و صیقل زدہ و روشن و براق
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(ضرب کلیم)

۴ ۔ کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشاد شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گزر

(بال جبریل)

۵ ۔ تیغ

عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

۱ - نیام

مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زر نگار و بے شمشیر

ایک زر نگار اور خوبصورت خالی نیام کس کام کا ؟ جس طرح بغیر شمشیر کے نیام خواہ وہ کیسا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو ، کسی کام کا نہیں ہوتا - سوائے نمایش کے - اسی طرح وہ انسان (پیکر خاکی) جو خودی کے جوہر سے خالی ہے - مصاف زندگانی میں بیکار اور ہیچ ہے -

۲ - میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
(ضرب کلیم)

قل ہو اللہ کی شمشیر استعارہ ہے -

۱ - سپر یا ڈھال

ضرب شمشیر حوادث میں نہ کھو قوت ضبط
سخت خود دار ہو دنیا میں سپر کی صورت
(سرود رفتہ)

۲ - یہ سوج نفس کیا ہے ، تلوار ہے
خودی کیا ہے ، تلوار کی ڈھال ہے
(بال جبریل)

ناوک اور ہدف

ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سر سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج
(ضرب کلیم)

تیر آرزو کو خون رلواتی ہے بیداد اجل
مارتا ہے تیر تاریکی میں صیاد اجل (داغ)

ناوک فگن اور تیر

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون (داغ)

فولاد

۱ - اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد (ضرب کلیم)

۲ - مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
(طلوع اسلام)

۳ - ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (ضرب کلیم)

رزم گاہ ، لشکر

مرا دل ، مری رزم گاہ حیات
گمانوں کے لشکر ، یقیں کا ثبات (بال جبریل)

میدان جنگ

عقل کی فوج نے ہر جنگ میں منہ کی کھائی

عشق میدان میں آیا تو ظفر یاب آیا (سرود رفتہ)

زرہ

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں

زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

(بال جبریل)

سان اور فسان

۱ - چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغ خودی

ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ (بال جبریل)

۲ - خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ

خودی ہے تیغ فسان لا الہ الا اللہ (ضرب کلیم)

ط - گل و بلبل ، قمری و شمشاد ، گلشن ، سرو و لالہ ، غنچہ ، کلی وغیرہ :

گل و بلبل کے عشق و محبت کے اشعار کی فارسی اور اردو شاعری میں اتنی ہی کثرت ہے جتنی کہ شمع و پروانہ کے اشعار کی ۔ قدماء نے گل کو محبوب اور بلبل کو اس کا عاشق ٹھہرایا ہے ۔

حافظ

بنال بلبل اگر با منت سر یاری است

کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

اسی طرح قمری کو سرو و شمشاد کا عاشق ٹھہرایا ہے اور بلبل و گل یا قمری و شمشاد سے تشبیہ یا استعارہ کے طور پر بھی عاشق اور اس کا معشوق مراد لئے ہیں - عشقیہ مضامین میں گل و بلبل کی تشبیہ بہت عام ہے - اگرچہ کلام اقبال عشقیہ مضامین سے پاک ہے تاہم بعض مطالب کے اظہار کے لئے گل و بلبل ، قمری و شمشاد ، سرو ، لالہ ، غنچہ ، کلی وغیرہ سے تشبیہات پیدا کی ہیں - مثلاً

۱ - گلزار ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ . (غزلیات)

اس دنیا کو گلشن ، گلزار ، گلستان یا چمن سے تشبیہ دینا شروع سے ہی قدماء کا شیوہ رہا ہے - اقبال بھی اس تشبیہ میں شعرائے سلف کا تتبع کرتے ہیں -

۲ - یہ حکم تھا کہ گلشن کن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لے کے خواب پریشاں ہزار دیکھ (شمع)

۳ - آئی نئی ہوا چمن ہست و بود میں
اے درد عشق اب نہیں لذت نمود میں (درد عشق)

۴ - ریاض دہر میں ناآشنائے بزم عشرت ہوں
خوشی روتی ہے جسکو میں وہ محروم مسرت ہوں (تصویر درد)

۵ - گلشن دہر میں اگر جوئے مئے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو، کلی نہ ہو، سبزہ نہ ہو، چمن نہ ہو (شاعر)

٦ - کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزاں ہے موت
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

گل - ۱ - نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نشیں میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں (شکوہ)

" ۲ - ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جان و جان جاں مجھ کو
(التجائے مسافر)

" ۳ - کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورت گل، مانند بو پریشاں
(رات اور شاعر)

" ۴ - شاہد مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی، گل شیراز پر (غالب)

سید عابد علی عابد نے تلمیحات اقبال میں "غنچۂ دلی" اور "گل شیراز" کو تلمیحات سمجھ کر غنچہ دلی سے مراد غالب اور گل شیراز سے حافظ شیراز یا سعدی شیرازی کی طرف اشارہ سمجھا ہے۔ راقم خاکسار کے خیال میں یہ دونوں مرکب تلمیح نہیں ہیں بلکہ استعارے ہیں۔ غنچہ دلی استعارہ ہے اردو زبان سے، اور گل شیراز فارسی زبان سے استعارہ ہے۔ چونکہ اردو زبان کے شاعر شروع سے ہی اردو کو فارسی کے بلند

معیار تک لانے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور غالب نے تو خاص طور پر کہا ہے ۔

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکر ہو رشک فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

اس لئے مرزا غالب پر نظم لکھتے ہوئے غالباً اقبال کے ذہن میں یہ شعر آیا ہوگا ۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ شاہد مضمون تیرے انداز پر قربان ہے اور تیری شاعری کی بدولت غنچہ دلی (اردو یا ریختہ) گل شیراز (زبان فارسی) پر خندہ زن ہونے کے قابل ہوا ہے ۔

بلبل۔ ۱ ۔ بلبل دلی نے باندھا اس چمن میں آشیاں
ہمنوا ہیں سب عنادل باغ ہستی کے جہاں (داغ)

" ۲ ۔ نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر (صقلیہ)

" ۳ ۔ میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے (دعا)

" ۴ ۔ قوم آوارہ ، عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز
لے اڑا بلبل بے پر کو مذاق پرواز (شکوہ)

" ۵ ۔ عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پرداز چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم ابتک

،، ۶ - مضطرب ہے اب دل نالاں بیاباں کے لئے
جس طرح بلبل تڑپتا ہے گلستاں کے لئے (نالہ یتیم)

قمری و شمشاد ۔

۱ - حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
اقبال کہ ہے قمری شمشاد معانی
پابندیٔ احکام شریعت میں ہے کیسا
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہمدانی
(زہد اور رندی)

قمری بطور استعارہ ۔

۲ - قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں
پتیاں پھول کی جھڑجھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں
ڈالیاں پیرہن برگ سے عریاں بھی ہوئیں
قید موسم سے طبیعت رہی آزاد اُس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اُس کی (شکوہ)

سرو - ۱ - وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

،، ۲ - نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
ہوا نہ سر سبز رہ کے پانی میں عکس سرو کنار جو کا
(غزلیات)

لالہ - ۱ - مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت، خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی (بال جبریل)

,, - ۲ - ابر نیساں یہ تنک بخشی شبنم کب تک
میرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی (غزلیات)

کلی یا غنچہ - ۱ -
مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا
چمن میں مشت خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑونگا
(تصویر درد)

کلی (استعارہ) - ۲ -
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
(حضور رسالتمآب میں)

,, - ۳ - کہا حضور نے اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمئی نوا سے گداز (,,)

"عندلیب باغ حجاز" تشبیہہ ہے اور کلی کلی استعارہ ہے - تمام افراد ملت سے -

بو - ۱ - کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورت گل، مانند بو پریشاں
(رات اور شاعر)

۲ - کبھی ساتھ اپنے اُس کے آستاں تک مجھ کو تو لے چل
چھپا کر اپنے دامن میں برنگ موج بو لے چل
(پھولوں کی شہزادی)

ی - آرایش حسن کا سامان مثلاً آئینہ ، شانہ ، سرمہ ، غازہ ، حنا وغیرہ :

آرایش حسن یا زینت حسن کے سامان سے بھی فارسی شعراء نے تشبیہات پیدا کی ہیں اور اردو کے شاعروں نے فارسی شاعروں کی تقلید کر کے اپنی بساط شاعری کو انہی تشبیہات سے سجایا ہے - علامہ اقبال نے بھی ان تشبیہات سے اپنے خاص مطالب کے اظہار و ابلاغ کے لئے کام لیا ہے - مثلاً

آئینہ - ۱- آنکھ تیری صفت آئنہ حیران ہے کیا
نور آگاہی سے روشن تری پہچان ہے کیا
(. . . کی گود میں بلی دیکھ کر)

,, ۲ - چشمۂ دامن ترا آئنہ سیال ہے
دامن موج ہوا جس کے لئے رومال ہے (ہمالہ)

,, ۳ - شفق صبح کو دریا کا خرام آئینہ
نغمہ شام کو خاموشی شام آئینہ (شیکسپیر)

,, ۴ - برگ گل آئینۂ عارض زیبائی بہار
شاہد مے کے لئے حجلۂ جام آئینہ

,, ۵ - حسن آئینۂ حق اور دل آئینہ حسن
دل انساں کو ترا حسن کلام آئینہ (شیکسپیر)

آئینہ بطور استعارہ۔

٦ - اے وائے آبروئے کلیسا کا آئینہ
روما نے کر دیا سر بازار پاش پاش (ضرب کلیم)

آئینہ۔ ٧۔ غازۂ الفت سے یہ خاک سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکس ہمدم دیرینہ ہے (وصال)

٨ - شاہد قدرت کا آئینہ ہو میرا دل نہ ہو
سر میں جز ہمدردی انساں کوئی سودا نہ ہو (آفتاب صبح)

٩ - پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو (ایک آرزو)

آئینہ دار۔

١ - نا مرادی محفل گل میں مری مشہور تھی
صبح میری آئنہ دار شب دیجور تھی (وصال)

" ٢ - وداع غنچہ میں ہے راز آفرینش گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے (ستارہ)

شانہ

١ - بن کے گیسو رخ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں
شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں (ابر کہسار)

شانہ

٢ - دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
(التجائے مسافر)

سرمہ

۱ - خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف (بال جبریل)

سرمہ (استعارہ)

۲ - روشن اس سے خرد کی آنکھیں
بے سرمۂ بوعلی و رازی
(ضرب کلیم) جاوید سے

غازہ

۱ - کانپتا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر (ہمالہ)

غازہ بطور استعارہ

۲ - غازۂ الفت سے یہ خاک سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکس ہمدم دیرینہ ہے (وصال)

۳ - کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازہ رنگ تکلف کا نہ تھا (ہمالہ)

غازہ

۴ - حادثات غم سے ہے انساں کی فطرت کو کمال
غازہ ہے آئینہ دل کے لئے گرد ملال (فلسفہ غم)

حنا (بطور استعارہ)

۱ - مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی (بال جبریل)

۲ - صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام
(جنگ یرموک کا ایک واقعہ)

۳ - مہندی لگائے سورج جب شام کی دولہن کو
سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو (ایک آرزو)

۴ - صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے
کف آئینہ پر باندھی ہے، او ناداں، حنا تونے (تصویر درد)

افشاں

اجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشاں کا
نسیم زندگی پیغام لائی صبح خنداں کا (پیام صبح)

ک - شیریں خسرو ، لیلیٰ مجنوں ، فرہاد کوہکن ، یوسف زلیخا وغیرہ

فارسی ادب میں شیریں خسرو ، شیریں فرہاد ، لیلیٰ مجنوں ، یوسف زلیخا ، وامق و عذرا ، سلماں و ابسال وغیرہ کئی منظوم عشقیہ داستانیں موجود ہیں جو بہت مشہور اور مقبول ہیں ۔ اور ان قصوں کے لکھنے والے فردوسی ، نظامی اور جامی جیسے نامی گرامی شاعر ہیں ۔ ان قصوں کے عاشقوں اور معشوقوں کے نام بطور تلمیح ، تشبیہ یا استعارہ فارسی غزلیات اور دیگر اصناف سخن میں کثرت سے آتے ہیں ۔ اُردو شاعری میں بھی لیلیٰ مجنوں ، فرہاد شیریں ، یوسف و زلیخا کے نام تلمیحات ، تشبیہات اور استعارات میں کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں ۔ مثلاً

مجنوں

۱ - مرگ مجنوں پہ عقل گم ہے میر
کیا دوانے نے موت پائی ہے (میر)

۲ - ہوتا مکین سے ہے مکاں کو شرف اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے (غالب)

۳ - پوچھ مت معرکۂ عشق کا ہنگامہ کہ واں
قیس مارا گیا ، وامق باسیری آیا (مصحفی)

۴ - نکل کے وادیٔ وحشت سے دیکھ اے مجنوں
کہ زور دھوم سے آتا ہے ناقۂ لیلیٰ (انشا)

۵ - صحرا میں سیل اشک مرا جا بجا پھرا
مجنوں بھی اس کی موج میں مدت بہا پھرا

(میر تقی میر)

٦ - سن کے مجنوں نے مرے سوز جنوں کو یہ کہا
واقعی مجھ سے بھی یہ شوریدہ سر اچھا ہوا (ذوق)

فرہاد کوہکن

۱ - فرہاد کوہکن کی لی تونے جان شیریں
اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا (حالی)

۲ - تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا (غالب)

۳ - بہ ہمت جس سے شکل کافر شیریں بنائی تھی
اسی تیشہ سے پھر آخر کو کار کوہکن بگڑا (مصحفی)

۴ - ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے (غالب)

یوسف

۱ - یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ جاتا تو میں لائق تعزیر بھی تھا (غالب)

۲ - قید میں یعقوب نے گو لی نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزن دیوار زنداں ہو گئیں (غالب)

۳ - بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے (حالی)

۴ - دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
خواہاں نہیں پر واں کوئی اس جنس گراں کا (سودا)

۵ - دیں پاکی داماں کی گواہی مرے آنسو
اس یوسف بے درد کا اعجاز تو دیکھو (مومن)

زلیخا

۱ سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں (غالب)

۲ - قسم جو کھائیے تو طالع زلیخا کی
عزیز مصر سا بھی صاحب اک غلام لیا (میر)

۳ - زلیخا کی نمط کر ورد دل میں سورۂ یوسف
کہ تجھ کو آ ملے دلدار تیرا چاہ کی صورت (سودا)

۴ - نظارۂ یوسف ہو زلیخا کو مبارک
بدلے ہوئے ہے مصر کا بازار عجب روپ (آتش)

لیلیٰ ، سلمیٰ ، شیریں ، عذرا

کان ملاحت بحر صباحت جوئے فصاحت گلشن راحت
شور میں لیلیٰ، نور میں سلمیٰ، لہجہ میں شیریں جلوہ میں عذرا
(ذوق)

یہ چند مثالیں اُن ہزارہا مثالوں میں سے نمونہ مشتے از خروارے کے مصداق ہیں جن میں مجنوں ، لیلیٰ ، فرہاد ، شیریں ، یوسف ، زلیخا وغیرہ ناموں کو بطور تلمیح ، تشبیہ یا استعارہ استعمال کیا گیا ہے ۔

علامہ اقبال نے ان مشہور تشبیہات یا استعارات سے بہت کم استفادہ کیا ہے اور جہاں کہیں ان ناموں سے وابستہ تلمیح ، تشبیہ یا استعارہ کو اپنے کلام میں داخل کیا ہے ۔ وہ بھی عشقیہ مضامین کے اظہار کے لئے نہیں بلکہ اپنے خاص پیغام کو مروجہ انداز بیان میں ظاہر کرنے کے لئے ۔ مثلاً

۱ ۔ دیکھ یثرب میں ہوا ناقۂ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں
(عبدالقادر کے نام)

۲ ۔ رخت جاں بتکدہ چیں سے اٹھا لیں اپنا
سب کو محو رخ سعدیٰ و سلیمیٰ کر دیں
(عبدالقادر کے نام)

۳ ۔ وادیٔ نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارہ محمل نہ رہا (شکوہ)

۴ ۔ لیلی شب کھولتی ہے آ کے جب زلف رسا
دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا (ہمالہ)

۵ - رہتی ہے روز قیس کو لیلی شام کی ہوس
اختر صبح مضطرب ، تاب دوام کے لئے
(کوشش نا تمام)

۶ - پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلیٰ دے (دعا)

۷ - ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے داخل تو ہوئی ہے شیریں
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ
(تعلیم اور اس کے نتائج)

۸ - جلوۂ یوسف گم گشتہ دکھا کر ان کو
تپش آمادہ تر از خون زلیخا کر دیں
(عبدالقادر کے نام)

۹ - آرزو نور حقیقت کی ہمارے دل میں ہے
لیلی ذوق طلب کا گھر اسی محمل میں ہے (آفتاب صبح)

۱۰ - تھی زبان داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلی معنی وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے (داغ)

۱۱ - محفل میں خامشی کے لیلائے ظلمت آئی
چمکے عروس شب کے موتی وہ پیارے پیارے (بزم انجم)

۱۲ - حسن کا گنج گرا نمایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل (دل)

۱۳ - کنوئیں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے
(تصویر درد)

۱۴ - وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی ، کوہکن بھی ہے
(تصویر درد)

۱۵ - نغمۂ امید تیری بربط دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیرے محمل میں نہیں (مسلم)

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال نے مجنوں ، لیلیٰ ، شیریں ، فرہاد ، یوسف زلیخا وغیرہ مشہور ناموں سے پیدا کی ہوئی تشبیہات یا استعارات کو قدیم انداز میں استعمال نہیں کیا ۔ بلکہ اپنے خاص پیغام کے اظہار و ابلاغ کے لئے کہیں کہیں ان سے کام لیا ہے ۔ اور زیادہ تر استعارات کی صورت میں ۔ مثلاً لیلیٰ ذوق طلب ، لیلی معنی ، لیلائے ظلمت ، لیلی شب ، ناقۂ لیلیٰ یثرب میں بیکار ہو گیا ہے ۔ قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں وغیرہ وغیرہ ۔ علامہ اقبال نے مشہور مسلمان بزرگوں کے ناموں کو بھی بطور استعارہ استعمال کیا ہے ۔ مثلاً

۱ - کیا نہیں اور غزنوی کار گہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات (بال جبریل)

سلطان محمود غزنوی نے ہندوؤں کے مشہور بت سومنات کو بیچا نہیں تھا ، بلکہ توڑا تھا ۔ محمود بت فروش نہیں تھا ، بت شکن تھا ۔

اقبال کو محمود کا یہ فعل بے حد پسند تھا ۔

اور جہاں کہیں کفر ، رسوم و رواج ، غلط عقاید ، گمراہی اور ضلالت انھیں نظر آتی ہے ۔ آسے انھوں نے بت سے تعبیر کیا ہے اور محمود جیسے بت شکن مجاہد کی ضرورت کو محسوس کیا ہے ۔ اسلامی رہنما (اکثر رہنماؤں کے ضعف کردار کی وجہ سے) اقبال کی نظر میں برہمنوں کی مانند تھے ع مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن، اور اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے رہے کہ کوئی محمود اٹھے اور اہل حرم کے ان سومنات کی مانند بتوں کو توڑ ڈالے اور ان برہمنوں کی گردن مروڑ ڈالے جو اسلام کے اندر رہ کر ، اسلام کے رہنما کہلا کر ، دینی خدمت کے بھیس میں دین اسلام میں دراصل رخنہ اندازی کر رہے ہیں ۔

۲ ۔ بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے (بال جبریل)

"کوئی حیدر کرار" سے مراد حیدر کرار (حضرت علی) کی صفات رکھنے والا حیدر کرار جیسا مرد ہے ۔ "دین و وطن" کا معرکہ یہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علماء یہ کہتے تھے کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں پھر مسلمان ۔ حالانکہ اسلام قید وطن سے آزاد ہے ۔ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا ۔ وطنیت کا بت نئی تہذیب نے تراشا ہے ۔ اقبال وطنیت کے اس مغربی تصور کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں ۔ ان کی نظم "وطنیت" (بانگ درا صفحہ ۱۷۳) آن کے خیالات کی ترجمان ہے ۔ پھر بال جبریل یا ضرب کلیم کے متفرق اشعار میں بھی اقبال نے اس "قید مقامی" کی مخالفت کی ہے وہ اسے معرکۂ خیبر کی مانند ایک بڑا معرکہ سمجھتے رہے ہیں اور آرزومند

رہے ہیں کہ کوئی حضرت علی (حیدر کرار) کی سی صفات والا مرد آہن پیدا ہو اور اس معرکۂ دین و وطن کو سر کرے ۔

۳ ۔ قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات (بال جبریل)

قافلۂ حجاز سے مراد قافلہ اسلام ہے ۔ گیسوئے دجلہ و فرات کی تابداری سے مراد اصول اسلام کی صداقت اور دلکشی ہے اور حسین علیہ السلام سے مراد ایسا غازی ہے جو صداقت کی خاطر آج بھی سر کٹوانے یا شہادت کا جام پینے کو تیار ہو ۔ اقبال حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ اسلامی صداقت تو اسی طرح ہے جیسی قرون اولیٰ میں ۔ کیا سبب ہے کہ کاروان اسلام میں حسین علیہ السلام جیسے فدائے اسلام اشخاص نظر نہیں آتے ۔

۴ ۔ دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (بال جبریل)

اس قطعہ میں بھی شعیب سے مراد حضرت شعیب کی سی صفات رکھنے والا کوئی بزرگ مراد ہے اگر شعیب علیہ السلام جیسا کوئی بزرگ آج بھی کسی نوجوان کی تربیت کرے تو اس نوجوان کا شبانی سے کلیمی کے درجے تک پہنچنا ناممکن نہیں ۔

۵ ۔ ہے فکر مجھے مصرع ثانی کی زیادہ
اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار

قبضے میں یہ تلوار بھی آ جائے تو مومن

یا خالد جانباز ہے یا حیدر کرار (ضرب کلیم)

خالد جانباز اور حیدر کرار سے حضرت خالد بن ولید اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سی صفات رکھنے والے شجاع و دلیر آدمی مراد ہیں۔

ل ۔ متفرق فارسی تشبیہات :

آب

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو

مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز (طلوع اسلام)

آب حیات

زمیں میں ہے گو خاکیوں کی برات

نہیں اس اندھیرے میں آب حیات (بال جبریل)

آب کوثر

آب کوثر تشنہ کامان محبت کا ہے تو

جس کے ہر قطرے میں سو موتی ہوں وہ دریا ہے تو (نالۂ یتیم)

سیاست کی شطرنج

اس کھیل میں تعیین مراتب ہے ضروری

شاطر کی عنایت سے تو فرزیں میں پیادہ

بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرۂ ناچیز

فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ (بال جبریل)

سیاست بھی شطرنج کے کھیل کی مانند ہے ۔ غیر ملکی حکومت کو شاطر کی مانند ٹھہرایا ہے ۔ انگریز شاطر نے اپنی حکومت کا نظام چلانے کے لئے کسی دیسی آدمی کو پیادوں کی مانند چھوٹے چھوٹے عہدے دئے اور کسی کو فرزین کی مانند زیادہ بلند عہدے اور زیادہ اختیارات دئے ۔ لیکن کبھی کسی دیسی آدمی کو حقیقی معنوں میں شریک حکومت نہیں کیا ۔ فرزین کو پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ فلاں فلاں معاملات سیاست میں انگریز حکومت کی اگلی چال کیا ہوگی ۔

قمار بازی

مجھے یہ ڈر ہے مقامر ہیں پختہ کار بہت
نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی (بال جبریل)

سیاست کو قمار بازی سے تشبیہ دی گئی ہے اور مقامر سے مراد مسلمانوں کے دونو حریف ہیں ۔ ہندو اور انگریز ، ہندو اور انگریز دونو مسلمانوں کے درپردہ دشمن تھے۔ دونوں ملی بھگت سے مسلمانوں کو سیاست کی بساط پر شکست دینا چاہتے تھے ۔ ادہر مسلمان شروع سے ہی سادہ ہے ۔ ہر جگہ مسلمان سادہ ہے ۔ انگریزی حکومت کے اواخر میں انگریزوں نے ہندوستانیوں کو آزادی دینے کا وعدہ کر لیا اور درجہ بدرجہ آزادی کے مراحل طے ہونے لگے۔ اس موقع پر ہندو اور مسلمان کانگریس اور مسلم لیگ دو سیاسی گروہوں میں بٹ کر اپنے اپنے مطالبات کی فہرستیں بنانے لگے ۔ کسی ایسے ہی موقع پر اقبال نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ دوسرے مقامر بہت پختہ کار ہیں ۔ کہیں تمہارے ہاتھ کی خامی تمہاری شکست کا باعث نہ بن جائے ۔

قمار خانہ

جہان نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ (بال جبریل)

شمع و پروانہ :

شمع و پروانہ سے فارسی زبان والوں نے بے شمار تشبیہات و استعارات پیدا کئے ہیں ۔ پروانہ کو شمع کا عاشق قرار دیا ہے اور عاشق بھی ایسا جو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکے جو اپنے محبوب کے لئے جان دینا کھیل سمجھتا ہو ۔ فارسی شاعروں نے کہیں تو پروانے سے جاں نثاری کا سبق حاصل کرنے کو کہا ہے اور کبھی شمع کو پروانے پر رحم کرنے اور نگاہ التفات سے دیکھنے کی تلقین کی ہے ۔ مثلاً

۱ ۔ اے مرغ سحر ، عشق ز پروانہ بیاموز
کاں دل زدہ را جاں شد و آواز نیامد (سعدی)

۲ ۔ غنیمتے شمر اے شمع وصل پروانہ
کہ ایں معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند (حافظ)

شمع و پروانہ سے تعلق رکھنے والے اشعار فارسی میں بے شمار ہیں ۔ اردو شاعروں نے بھی فارسی شاعری کی تقلید کرتے ہوئے شمع و پروانہ کے متعلق اس قدر شعر کہے ہیں کہ اردو کا کوئی بھی شاعر ایسا نہ ہوگا ۔ جس کے کلام میں شمع اور پروانے کا ذکر نہ پایا جاتا ہو ۔ مشاہیر شعرا کے کلام میں سے چند ایک مثالیں دیکھئے :-

۱ - مجلس میں رات ایک ترے پر تو کے بغیر
کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضور تھا
(میر تقی میر)

۲ - شوق نظارہ ہے جب سے اس رخ پر نور کا
ہے مرا مرغ نظر پروانہ شمع طور کا (ذوق)

۳ - آتش عشق کے شعلے کو یہ بھڑکانا ہے
پر پروانہ نہیں شمع کو پنکھا کرتا
(شاہ نصیر دہلوی)

۴ - پروانے کی تپش نے خدا جانے کان میں
کیا کہہ دیا کہ شمع کے سر سے دھواں اٹھا (مومن)

۵ - ایسا پروانہ زمانے میں کبھی دیکھا نہ شمع
طور کا شعلہ ہے پروانہ رخ جانانہ شمع (ناسخ)

۶ - اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گذار یا اسے رو کر گزار دے (ذوق)

۷ - شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد (غالب)

۸ - رات مجلس میں ترے حسن کے شعلہ کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا (میر درد)

۹ - فرش گل بلبل کی نیت سے بچھایا چاہیے
شمع پروانوں کی خاطر سے جلایا چاہیے (آتش)

۱۰ - تجھ نگاہ گرم کی حسرت میں دل سارے ہے جوش
رات کو جب دیکھتا ہوں شمع پروانے میں دھوم (سودا)

اقبال بھی شمع و پروانہ سے اپنی بزم سخن کو منور کرتے ہیں ۔ انہوں نے نہ صرف شمع و پروانہ کی تشبیہات و استعارات سے استفادہ کیا ۔ بلکہ شمع و پروانے کے عنوان سے نظمیں بھی لکھی ہیں ۔ درج ذیل عنوانات کو دیکھئے :-

۱ - شمع و پروانہ (بانگ درا صفحہ ۲۷)
۲ - شمع (بانگ درا صفحہ ۳۲)
۳ - بچہ اور شمع (بانگ درا صفحہ ۴۹)
۴ - شمع اور شاعر (بانگ درا صفحہ ۲۰۱)

ان نظموں کے علاوہ بھی علامہ اقبال نے شمع و پروانہ کا ذکر کیا ہے۔ شمع و پروانہ کی قدیم تشبیہات کو اپنے کلام میں استعمال کیا ہے ۔ نئی تشبیہات اور نئے استعارات پیدا کئے میں ۔ شمع و بروانہ کی ان تشبیہات کو دیکھئے ۔

شمع

۱ - لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری (بچے کی دعا)

۲ - شمع نو محفل صداقت کی
حسن کی بزم کا دیا ہوں میں (عقل و دل)

۳ - جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں (جگنو)

۴ - شمع کی طرح جئیں بزمگہ عالم میں
خود جلیں ، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں
(عبدالقادر کے نام)

۵ - پھر یہ انساں آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسماں اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

۶ - گئے وہ ایام اب زمانہ نہیں ہے صحرا نوردیوں کا
جہاں میں مانند شمع سوزاں میان محفل گداز ہو جا
(پیام عشق)

۷ - انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا، سب کا رفیق
("مرد بزرگ" ، ضرب کلیم)

۸ - آج لیکن ہمنوا سارا چمن ماتم میں ہے
شمع روشن بجھ گئی بزم سخن ماتم میں ہے (داغ)

۹ - یہ تلاش متصل شمع جہاں افروز ہے
توسن ادراک انساں کو خرام آموز ہے (گل رنگیں)

۱۰ - ہے زمین قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور

(بلاد اسلامیہ)

۱۱ - شمع حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارش رحمت ہوئی لیکن زمیں قابل نہ تھی (نانک)

شمع سزار

۱۲ - ملا محبت کا سوز مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
مثال شمع سزار ہے تو تری کہیں انجمن نہیں ہے (غزلیات)

۱۳ - صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری
آہ اے رات بڑی دور ہے منزل میری

(رات اور شاعر)

پروانہ

(۱۴) زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب (بچے کی دعا)

(۱۵) کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلک پروانہ خو
شمع کے شعلوں کو گھڑیوں دیکھتا رہتا ہے تو

(بچہ اور شمع)

شمع اور پروانہ

۱۶ - شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے

(شمع اور شاعر)

اب ان استعارات کو دیکھئے ۔

شمع تخیل

۱ - دیدۂ باطن پہ راز نظم قدرت ہو عیاں
ہو شناسائے فلک شمع تخیل کا دھواں (آفتاب صبح)

شمع آردو

۲ - گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دلسوزی پروانہ ہے (مرزا غالب)

شمع دل

۳ - جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کرکے چھوڑونگا (تصویر درد)

پروانۂ دل

۴ - جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے (تصویر درد)

۵ - خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل (دل)

اشک شمع

۷ - ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

(تصویر درد)

قبائے شمع

۸ - [illegible] صورت شمع نور کی [illegible]
[illegible] کو خدا [illegible]

شمع گوتم

۹ - برہمن سرشار ہے ابتک مئے پندار میں
شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں (نانک)

سیماب سے فارسی شاعروں نے بیقراری اور بے چینی کے اظہار کے لئے تشبیہات وضع کی ہیں جو اُردو شاعری میں بھی رواج پا گئیں ۔ اقبال بھی اس معاملہ میں شعرائے سلف کا تتبع کرتے ہیں ۔

سیماب کی چند تشبیہات دیکھئے :-

۱ - سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اُسے
آداب عشق تونے سکھائے ہیں کیا اُسے
(شمع و پروانہ)

۲ - میں جوش اضطراب سے سیماب وار بھی
آگاہ اضطراب دل بیقرار بھی (شمع)

۳ - مضطرب رکھتا ہے میرا دل بیتاب مجھے
عین ہستی ہے تڑپ صورت سیماب مجھے (موج دریا)

۴ - میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا سیماب تھا
ارتکاب جرم الفت کے لئے بیتاب تھا (وصال)

۵ - آہ سیماب پریشاں انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

۶ - نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلک سیماب پا ہوں مکتب ہستی میں میں (ماہ نو)

۷ - آسماں مجبور ہے ، شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

فارسی زبان کی بہت سی اور تشبیہات ہیں جن کو شعرائے سلف کی مانند علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جگہ دی ہے لیکن ہم اُن تمام تشبیہات کا یہاں جمع کرنا مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ طوالت کلام سے بھی قارئین کرام بیزار ہو جاتے ہیں ۔ اگلے ابواب میں ہم اقبال کی ہندی اور انگریزی تشبیہات پر بحث کریں گے ۔

چھٹا باب

ہندی یا ہندوستانی تشبیہات :

اُردو شاعری پر فارسی شاعری کا اتنا گہرا اور ہمہ گیر اثر پڑا ۔ کہ اُردو زبان کے شاعر فارسی میں شعر کہنا فضیلت کا نشان اور علمی برتری کی دلیل جانتے تھے ۔ اور اُردو زبان میں شعر گوئی کو درجۂ فضیلت سے گرا ہوا گردانتے تھے ۔ غالب ، جس کی فارسی کو پڑھنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھنے والے روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں ۔ اور جس کے اردو اشعار کا دیوان ہی اب اہل علم کے لیے حرز جان ہے ، اپنی فارسی دانی اور فارسی میں شعر گوئی پر ناز کرتے رہے ۔

فارسی بیں تابہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذز از مجموعۂ اُردو کہ بے رنگ من است

اور کوشش کرتے رہے ۔ کہ اُن کا "ریختہ،، "رشک فارسی" ہو جائے ۔ یہی حال اُردو کے عام شعراء کا ہے ۔ وہ فارسی شاعری کی پوری پوری نقل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں ۔ اور سوائے چند ایک کے (مثلاً نظیر اکبر آبادی) سب کا کلام فارسی شاعری کی تقلید نظر آتا ہے ۔ شعرائے سلف کی اس روش کی وجہ سے اُردو شاعری پر جدید زمانے

میں یہ سب سے بڑا اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس خود اس کا کوئی ذاتی سرمایہ نہیں ۔ مثلاً ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے ۔ اس میں سینکڑوں پہاڑ ، ہزاروں چشمے ، اور کئی ندیاں اور دریا ہیں ۔ یہ ملک ایک زرعی ملک ہے ۔ جس میں ہر قسم کے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں ۔ اس سرزمین نے بھی سینکڑوں نامور اور بہادر پیدا کئے ہیں ۔ مگر اردو شاعری اپنی قدرتی پیداوار اور وطنی سرمایہ کو چھوڑ کر ایران کی طرف قدم بڑھاتی ہے ۔ اور اپنے تمام اساسی مضامین کا مواد ایران سے لیتی ہے ۔ مثلاً جیحوں ، سیحوں ، جوئے شیر ، کوہ الوند ، کوہ بیستوں ، رستم ، اسفندیار ، مانی ، بہزاد ، مجنوں ، فرہاد شیریں ، گل و بلبل شمع و پروانہ سرو و قمری ، نرگس سنبل ، سرو و شمشاد ، صنوبر وغیرہ ان مضامین کے ساتھ ساتھ تشبیہ و استعارہ بھی فارسی سے لئے گئے ۔ اشعار کے لئے فارسی بحور و اوزان استعمال میں آئے اور اصناف شعر (قصیدہ ، غزل ، رباعی ، مثنوی وغیرہ) بھی فارسی شاعری سے لئے گئے ۔ حتیٰ کہ اردو شاعری ہر لحاظ سے فارسی شاعری کی نقل یا ترجمہ یا وجود ظلی بن کے رہ گئی ۔

ہم اس اعتراض کو حق بجانب تسلیم کرتے ہیں ۔ مگر ساتھ ہی یہ گزارش کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اردو شاعری پر ملکی اثر ضرور پڑتا رہا ہے اور ولی دکنی کے زمانے سے لے کر آج تک شعراء کے کلام میں تلمیح یا تشبیہ کے رنگ میں ظاہر ہوتا رہا ہے ۔ مثلاً

یاد کرتی ہے خط کو زلف صنم
کام ہندو کا بید خوانی ہے (ولی)

معنی طرف چلا ہے صورت سے یوں مرا دل
سورت ستی چلا ہے کعبہ جہاز گویا (ولی)

دل مرا تم کو تو لنکا ہے دسہرہ کی بتاں
فتح ہے سال بھر اُس کی جو اسے لوٹے گا (قایم)

ہو کے اُس کے شربتی لب سے جدا
کچھ بتاشا سا گھلا جاتا ہے جی (میر)

شمس و قمر نے دیکھ لیا کیا اُس کے گورے مکھڑے کو
کوٹھے پر دن رات پڑے جو چیلوں سے منڈلاتے ہیں (مصحفی)

ہے چاک چاک روز ازل سے یہ دل مرا
جوں خربزہ عیاں ہے جدا ایک ایک قاش (میر حسن)

دل میں سما رہا ہے یوں داغ عشق اپنے
جس طرح کوئی بھونرا ہووے کنول میں بیٹھا (انشاء)

سیہ خال اس کے یوں رخسار پر ہے کان کے آگے
ملنگ اڑ جائے ہے جیسے کسی دوکان کے آگے (رنگین)

ہجوم رکھتے میں جانباز یوں ترے آگے
جواریوں کا دوالی ہیں جیسے جمگھٹ ہو (ناسخ)

نیلوفر آنکھ ہے مرے دریائے حسن کی
شبرنگ مردمک نہیں ، بھنورا کنول میں ہے (آتش)

افشری کا بوسہ بازی میں مجھے ملتا ہے لطف
قند کی ڈلیاں وہ لب ہیں ، خال لب ہیں فالسے (آتش)

ہوا دھوپ میں بھی نہ کم حسن یار
کنھیا بنا وہ جو سنولا گیا (بحر)

شجر کیا آم کا ہے شاخ مژگاں
ہمیشہ اشک کا ٹپکا لگا ہے (امانت)

درد دل اس بت بیدرد سے کہئے تو کہے
جا کے یہ رام کہانی تو سنا اور کہیں (جرأت)

خط نکلے پہ بوسہ رخ پر نور کا پایا
خیرات برہمن کو ملی چاند گہن کی (رند)

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے
جی میں ہے اک مصرع رنگین کو تضمیں کیجئے (یقین)

رات دن ہے پکار میں داؤد
جوں پپیہا پیا پیا تجھ بن (داؤ

خاک شہید ناز سے بھی ہولی کھیلئے
رنگ اس میں ہے گلال کا بو ہے عبیر کی (

صنم خانہ میں جب دیکھا بت و ناقوس کا جوڑا پڑ
لگا ٹھا کر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا (م

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر
اوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر (ا

اس قسم کے آٹھ دس اشعار ہمارے شعراء میں سے تقریباً ہر شا
کلام میں مل جائیں گے - بعض شعراء نے پوری پوری غزلیں بھی

کہی ہیں جن کا موضوع ساون ، ساون کے بادل ، گھٹا ، بسنت ، ہولی اور دیوالی وغیرہ ہے ۔ پھر ہندوستان کی مشہور عمارات و باغات بھی شعرائے سلف کی توجہ کا مرکز رہے ہیں اور اس طرح سے قلعہ اکبرآباد ، تاج محل شالا مار باغ ، مقبرہ جہانگیر ، مقبرہ نور جہاں وغیرہ پر بھی متاخرین نے نظمیں لکھی ہیں اور اس وقت تک اتنا ملکی سرمایہ (یا اردو کا اپنا سرمایہ) شاعری میں جمع ہو چکا ہے کہ مندرجہ بالا اعتراض کا اطلاق اب اُردو شاعری پر نہیں ہو سکتا ۔

اقبال کی شاعری میں تنوع و وسعت اور آفاق گیری ہے ۔ عربی اور فارسی کے الفاظ ، تراکیب ، تلمیحات ، تشبیہات اور استعارات کے استعمال کے باوجود اقبال اپنے ہندوستانی یا ہندی ہونے کا بھی اعتراف کرتے ہیں اور ہندی الفاظ و محاورات ، کو آسی بے تکلفی سے استعمال میں لاتے ہیں ۔ جیسے فارسی الفاظ و تراکیب کو ہندی ہونے کا بار بار اشعار میں ذکر کیا ہے :-

کوئی دیکھے تو میری نے نوازی
نفس ہندی ، مقام نغمہ تازی
نگاہ ، آلودۂ انداز افرنگ
طبیعت غزنوی ، قسمت ایازی

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مرد تن آساں تھا تن‌آسانوں کے کام آیا

اقبال نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں بعض ملکی اور مقامی چیزوں پر ایسی نظمیں لکھی ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں ۔ "بانگ درا" میں

نظموں کی تعداد ایک سو تینتالیس ہے ۔ غزلیات اور ظریفانہ کلام اس کے علاوہ ہے ۔ ان نظموں میں سے پچیس نظمیں ایسی ہیں ۔ جن کا تعلق خاص ہندوستان سے یا پنجاب سے ہے ۔ باقی نظموں میں بہت سی نظمیں ایسی ہیں جن کا تعلق عام نسل انسانی سے ہے یا بزم قدرت سے ۔ اور جنہیں ہر ملک و نسل کے لوگ ایک جیسی دلچسپی سے پڑھ سکتے ہیں ۔ مثلاً آفتاب صبح ، انسان اور بزم قدرت ، پیام صبح ، دل ، موج دریا ، طفل شیرخوار، چاند ، صبح کا ستارہ ، محبت ، کلی ، کوشش ناتمام ، عشرت امروز، انسان، جلوہ حسن ، ستارہ ، دو ستارے ، شبنم اور ستارے ، پھولوں کی شہزادی ، وغیرہ وغیرہ ۔

جو نظمیں خاص ہندوستانی یا ملکی رنگ رکھتی ہیں ۔ ان کے عنوانات درج ذیل ہیں ۔ اور ان کی ترتیب بھی وہی قائم رکھی ہے جو "بانگ درا" میں مدنظر رکھی گئی ہے ۔

۱ ۔ ہمالہ :

یہ وہ عظیم الشان نظم ہے کہ اگر اقبال اور کچھ نہ لکھتے تو صرف یہی نظم آن کی حب الوطنی اور ملکی محبت کی سب سے بڑی سند ہوتی ۔ یہ نظم روشنی کا وہ مینار ہے ۔ جس نے بحر شاعری کے شناوروں کی رہنمائی کی اور انہیں نئے موضوعات کا راستہ دکھایا ۔ ہمالہ جیسی نظم نہ اقبال سے پہلے لکھی گئی اور نہ اقبال کے بعد ۔ یہ نظم ہمالہ کی مانند تا ابد زندہ و پائندہ رہے گی ۔

۲ ۔ مرزا غالب :

ہندوستانی زبانوں میں سے اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو سب سے زیادہ بولی ، پڑھی اور لکھی جاتی تھی ۔ یہ زبان ہندوؤں اور مسلمانوں کا

مشترک ورثہ تھی - اس زبان پر فخر کرنے والے ہنود بھی تھے اور مسلم بھی اور آج بھی یہ زبان بھارت میں ویسی ہی مقبول ہے جیسی کہ پہلے تھی - اور پاکستان کی تو یہ قومی زبان ہے - مرزا غالب اردو زبان کے ایک عظیم الشان شاعر تھے - جنھوں نے اردو زبان کی ترقی اور توسیع کے نئے دروازے کھولے اور اردو کو "رشک فارسی" بنا کر "غنچہ دلی" کو اس قابل بنا دیا کہ وہ "گل شیراز" پر خندہ زن ہو سکے - ایسے عالی مقام شاعر کے متعلق نظم لکھنا ثابت کرتا ہے کہ اقبال اپنے پیشرو شاعروں کی قدر دانی اور قدر افزائی میں کسی محب وطن ہندوستانی سے کم نہ تھے - یہ نظم اپنے صوری اور معنوی محاسن کی وجہ سے بہت بلند پایہ ہے - اور اردو زبان کا ایک قیمتی سرمایہ ہے -

۳ - ایک مکڑا اور مکھی :

بچوں کے لئے ایک دلچسپ نظم ہے اور سبق آموز ہے کہ خوشامد سے لوگ کس طرح اپنا کام چلاتے ہیں - زبان بھی نہایت سادہ اور آسان ہے -

۴ - ایک پہاڑ اور گلہری :

اگرچہ یہ نظم ایمرسن سے ماخوذ ہے لیکن پہاڑ ہر ملک میں ہوتے ہیں اور گلہری بھی ہر ملک میں - اس لئے بچوں کی یہ نظم بھی ملکی ہی تصور کی جاتی ہے - یہ نظم بھی سبق آموز ہے کہ زمانے میں کوئی چیز نکمی نہیں اور قدرت کے کارخانے میں کوئی بھی برا نہیں -

۵ - گائے اور بکری :

یہ بھی بچوں کے لئے دلچسپ اور سبق آموز ہے -

٦ - پرندے کی فریاد :

یہ نظم بھی بچوں کے لئے لکھی گئی مگر اس میں تاثر ، سوز اور دلگدازی کی وہ کیفیت ہے کہ ہر پڑھنے والے کو رلاتی ہے جس شخص نے بھی اسے بچپن میں پڑھا آخری عمر تک آسے اس کے اکثر اشعار یاد رہے -

۷ - خفتگان خاک سے استفسار :

اقبال کے ابتدائی دور کی اکثر نظموں میں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راز کائنات اور راز آفرینش کو جاننے کے لئے بیتاب ہیں کبھی چاند ستاروں سے خطاب کر رہے ہیں اور کبھی سورج سے - کبھی صبح کے ستارے سے استفسار کر رہے ہیں اور کبھی خفتگان خاک سے کہ اس کائنات یا اس گنبد گرداں میں راز کیا ہے - ہستی کیا ہے اور نیستی کیا ہے - عدم کیا ہے اور وجود کیا ہے - اس نظم میں خفتگان خاک سے اسی قسم کے کئی سوال پوچھے گئے ہیں -

۸ - صدائے درد :

خالص ملکی نظم ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ ہماری سر زمیں نیاست کی نفاق‌انگیز ہے یہاں ایک ہی خرمن کے دانے جدا جدا رہنا پسند کرتے ہیں - یہاں کے پھولوں سے اخوت اور یک‌رنگی کی خوشبو نہیں آتی اور آخری شعر میں اس افسوس کا اظہار ہے کہ جب سب کچھ تباہ و برباد ہو چکا ہے تو ہماری لذت گفتار کو اپنی زبان کھولنے کا موقعہ ملا ہے -

۹ - آفتاب :

آفتاب سے خطاب کرتے ہوئے اُس سے درخواست کی ہے کہ

اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے
چشم خرد کو اپنی تجلی سے نور دے

۱۰ - سید کی لوح تربت :

سید کی لوح تربت سے معلم دین ، سیاسی رہنما اور اہل قلم تین گروہوں کو یہ سبق سکھایا ہے کہ دین کی تعلیم دینے والے فرقہ بندی کے لئے اپنی زبان وا نہ کریں اور اپنی تقریروں سے کسی دوسرے فریق کا دل نہ دکھائیں - سیاسی رہنماؤں کے لئے دلیری نہایت ضروری ہے - کیونکہ

بندہ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوت فرمانروا کے سامنے بیباک ہے

پھر شاعروں اور ادیب لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ سونے والوں کو شعر کے اعجاز سے جگا دیں اور اپنی آواز کے شعلہ سے خرمن باطل کو جلا دیں - اس زمانے میں جب انگریز کی حکومت "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے اصول پر ہندوستانیوں میں پھوٹ ڈال رہی تھی ، یہ درس اتحاد بہت ضروری تھا اور اس اتحاد کے لئے معلم دین ، سیاسی مدبر شاعر اور ادیب کا تعاون بھی بیحد لازمی تھا -

۱۱ - تصویر درد :

اس نظم میں ہندوستانیوں کے باہمی نفاق اور افتراق کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

۱۲ - ترانہ ہندی :

ہندوستانی بچوں کے لئے اس سے بہتر ترانہ نہیں لکھا گیا - آج جبکہ ہندوستان مذہب کی بنا پر دو حصوں میں منقسم ہوکر بھارت اور پاکستان

بن چکا ہے ۔ بھارت کے ریڈیو پر کبھی کبھی یہی ترانہ سننے میں آتا ہے ۔ نظم کی جان یہ شعر ہے ۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستاں ہمارا

۱۳ ۔ ہندوستانی بچوں کا قومی گیت :

نظم کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ یہ گیت ہندوستانی بچوں کا قومی گیت ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جہاں چشتی نے پیغام حق سنایا ۔ جس سر زمیں میں نانک نے وحدت کا گیت گایا ۔ جہاں تاتاری آ کر بسے ۔ جس سر زمین نے علم و ہنر میں اتنی ترقی کی کہ یونانی حیران رہ گئے ۔ جہاں پہاڑ کوہ طور کی مانند ہیں ۔ جہاں بندے حضرت موسیٰ کی مانند دیدار خدا کے طالب ہیں ۔ جہاں نوح نبی کا سفینہ آ کر ٹھہرا تھا ۔ جہاں زندگی گزارنا ایسا ہی ہے جیسے گلزار جنت میں رہنا ۔ میرا ۔ وہی وطن ہے ۔

۱۴ ۔ نیا شوالہ

خالص وطنی نظم ہے ۔ ہندو مسلم اتحاد کی تلقین ہے ۔ بظاہر برہمن اور واعظ سے خطاب ہے لیکن برہمن اور واعظ دو قوموں کے نمائندہ ہیں ۔ اس لئے جو کچھ واعظ کو کہا گیا ہے وہ گویا ساری مسلم قوم کو کہا گیا ہے اور جو کچھ برہمن کے متعلق اظہار کیا گیا ہے وہ گویا ساری ہندو قوم کے متعلق ہے ۔ نظم کا آخری بند دونوں قوموں کے اتحاد کی زبردست خواہش کا حامل ہے ۔

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
داماں آسماں سے اس کا کلس ملا دیں

ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

۱۵ - کنار راوی :

دریائے راوی لاہور کے بالکل قریب بہتا ہے - کسی زمانے میں باہر گھومنے والے اور سیر کرنے والے اہل لاہور کے لئے راوی کے کنارے سے بہتر کوئی مقام نہ تھا - صبح و شام لاہور کے اکثر رہنے والے راوی تک پیدل چل کر جایا کرتے تھے یہ نظم بھی خالص وطنی ہے اور خیالات کے لحاظ سے بھی بلند پایہ ہے - زندگی کا جو فلسفہ سادہ الفاظ میں اس نظم میں بتایا گیا ہے وہی آئندہ نظموں میں ذرا مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے - شاعر کنار راوی پر کھڑا ہوا ایک تیز رفتار کشتی کو دیکھ رہا ہے - کچھ دیر کے بعد دور جا کر وہ نظر سے غائب ہو جاتی ہے - شاعر کو معاً یہ خیال آتا ہے کہ آدمی کی زندگی کا جہاز بھی ابد کے بحر میں یونہی رواں دواں ہے جو نظر سے چھپ جاتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا -

سبک روی میں ہے مثل نگاہ یہ کشتی
نکل کے حلقۂ حد نظر سے دور گئی

جہاز زندگی آدمی رواں ہے یونہیں
ابد کے بحر میں پیدا یونہیں نہاں ہے یونہیں

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

۱۶ - سوامی رام تیرتھ :

حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ اپنے وطن کی نامور اور بزرگ ہستیوں کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جائے - یہ نظم سوامی رام تیرتھ کی یاد کا اک بہانہ ہے - سوامی رام تیرتھ ایک صوفی مشرب اور صلح کل مسلک رکھنے والے بزرگ تھے - وہ روزانہ صبح کے وقت دریا کی سیر کو جایا کرتے اور دریا میں نہایا کرتے تھے - ایک دن جذب و مستی کے عالم میں دریا میں کہیں دور نکل گئے اور غرق آب ہو کر اپنے خالق سے جا ملے - اقبال نے اسی وجہ سے ایک قطرۂ بیتاب کے دریا سے ہمکنار ہونے یا لا کے دریا میں الا اللہ کے موتی کے نہاں ہونے کا مضمون باندھا ہے -

۱۷ - نمود صبح :

صبح کا نظارہ ہر شاعر کے لئے دلکشی کا حامل رہا ہے - یہ نظم ہندوستان کی صبح کی نمود ہے - عبادت کرنے والے مسلمان صبح کو بستر سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور پوجا پاٹھ کرنے والے ہندو بھی سحر خیز ہوتے تھے - مسجدوں سے اذان کی آواز بلند ہوتی تھی اور مندروں میں یا تو گھنٹیاں بجائی جاتی تھیں یا ناقوس بجایا جاتا تھا - یہ آوازیں سن کر ہندوستانی مسلم اور ہندو اپنی اپنی عبادت گاہوں کا رخ کیا کرتے تھے - (جیسا کہ اب بھارت میں ہوتا ہوگا) - کوئل خالص ہندوستانی پرندہ ہے اور ہندی شاعری میں بلبل کی بجائے کوئل کا ذکر آتا ہے - نمود صبح کے یہ اشعار دیکھئے کہ دو قوموں کی ملی جلی زندگی کی کیسی عکاسی کرتے ہیں -

ہے تہ داماں باد اختلاط انگیز صبح
شورش ناقوس ، آواز اذاں سے ہم کنار

جاگے کوئل کی اذاں سے طائران نغمہ سنج
ہے ترنم ریز قانون سحر کا تار تار

۱۸ - رام :

اپنے وطن کی بزرگ اور نامور ہستیوں کی یاد تازہ رکھنے کی ایک مثال یہ نظم ہے ۔ رام چندر جی قدیم ہندوستان (آریہ ورت) کی وہ بزرگ ہستی ہیں ۔ جنہیں اہل ہنود اوتار مانتے ہیں ۔ اور ایک مثالی انسان خیال کرتے ہیں ۔ اقبال چند اشعار میں اس نامور ہستی کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہندوستان کا نام ایسے بزرگوں کی وجہ سے ہی مشہور ہوا ۔ یہاں تک کہ اہل مغرب بھی رام ہند ہوئے ۔ ایسے ہی بزرگوں کے دم قدم سے ہند کی شام روشن تر از سحر ہے ۔

۱۹ - **نانک :**

نانک ایک ایسے ہندوستانی بزرگ ہو گزرے ہیں جنہیں ہندو لوگ ہندو سمجھتے تھے اور مسلمان انہیں اسلام کا پیرو کار خیال کرتے تھے ۔ یہ پکے موحد تھے اور توحید کے قائل ۔ بابا نانک پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں پیدا ہوئے اور اپنے آبائی مذہب سے بیزار ہو کر ایک ایسے راستے پر گامزن ہوئے ۔ جو تصوف کی منزل کو جاتا ہے ۔ بابا نانک صلح کل انسان تھے اور اسی عقیدہ کی تبلیغ کرتے رہے ۔ سکھ قوم کے لوگ ان کو "سکھ مت" کا بانی اور اپنا پہلا گورو مانتے ہیں اور ان کے اشعار (گر بانی) کو مقدس کلام گردانتے ہیں ۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے :-

آہ ! شودر کے لئے ہندوستان غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے

برہمن سر شار ہے اب تک مئے پندار میں
شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں

بتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

ان نظموں کی طرف اشارہ کرنے سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اقبال کے شاعرانہ احساس پر صرف عربی و فارسی یا انگریزی اور مغربی علوم ہی اثر انداز نہیں ہوئے ۔ بلکہ ملکی مناظر ، ملکی رسم و رواج ، ملکی حالات اور ملکی مسائل بھی ان کے دل و دماغ پر اپنے نقوش مرتسم کرتے رہے ہیں ۔ ان کا ظریفانہ کلام تقریباً تمام کا تمام ملکی حالات و مسائل کا آئینہ دار ہے ۔ اس مضمون پر مزید بحث کو خارج از آہنگ خیال کرتے ہوئے ہم اپنے اصلی موضوع کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اقبال ملکی تشبیہات و استعارات کو کس طرح استعمال میں لاتے ہیں ۔

آرسی :

آرسی ہندوستانی عورتوں کا ایک مخصوص زیور ہے ۔ جو انگوٹھی کی طرح ہوتا ہے اور عام طور پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر پہنا جاتا ہے ۔ انگوٹھی اور آرسی میں یہ فرق ہے کہ انگوٹھی میں عام طور پر نگ یا

نگینہ جڑا ہوتا ہے ۔ اور آرسی میں نگینہ کی بجائے ایک چھوٹا سا ، گول ، آئینہ جڑا ہوتا ہے ۔ آرسی پہننے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نئی دلہن وقتاً فوقتاً آرسی کے آئینہ میں اپنا منہ دیکھ سکے ۔ اور بال وغیرہ درست رکھ سکے ۔ اب آرسی پہننے کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے ۔ پاکستانی اور ہندوستانی خواتین مغربی فیشن کی تقلید میں اپنے ہاتھ میں ایک خوبصورت بٹوا (پرس) رکھتی ہیں ۔ اور اس پرس (PURSE) میں بناؤ سنگھار کا ضروری سامان بھی رکھتی ہیں ۔ اسی سامان میں ہمیشہ ایک چھوٹا سا آئینہ بھی ہوتا ہے ۔ خواتین جب گھر سے باہر ہوتی ہیں تو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آئینہ دیکھ کر بال کنگھی سے آراستہ اور ہونٹ لپ سٹک (LIP-STICK) سے مزین کرتی رہتی ہیں ۔ آرسی بھی اس مقصد کے لئے پہنی جاتی تھی ۔

شعرائے قدیم میں سے اکثر شاعروں نے آرسی پر شعر کہے ہیں ۔ مثلاً

نہ بھول اے آرسی گر یار کو تجھ سے محبت ہے
نہیں ہے اعتبار اس کا یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

اقبال نے آرسی کے استعمال میں بھی اپنی جدت و جودت طبع سے کام لیا ہے ۔ اور آرسی کا ذکر شعرائے سلف کے روایتی انداز میں نہیں کیا ۔ بلکہ شبنم کو عروس فطرت کی آرسی کہا ہے ۔

۱ ۔ رنگیں کیا سحر کو بانکی دولہن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا ، شبنم کی آرسی دی (جگنو)

۲ ۔ آ میں تجھے دکھاؤں رخسار روشن اس کا
نہروں کے آئینے میں ، شبنم کی آرسی میں (چاند)

۳ - حسن ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں
جس طرح عکس گل ہو شبنم کی آرسی میں (بزم انجم)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پہلے شعر میں سحر کو "بانکی دلہن" سے تشبیہ دی ہے۔ اور پھر اُسے پھولوں کی سرخی کی رعایت سے "لال جوڑا پہنایا ہے۔ لال جوڑا بھی ہندوستانی دولہنوں کے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ مغرب کی دولہن اپنی تقریب عروسی پر سفید لباس پہنتی ہے۔ دوسرے شعر میں نہر کے پانی کو آئینے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

آنچل :

دوپٹہ اور آنچل بھی ہندوستانی عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔ آنچل کی تشبیہ دیکھئے :-

جیسے ہو جاتا ہے گم نور کا آنچل لے کر
چاندنی رات میں، مہتاب کا ہمرنگ، کنول
ہے ترے سیل محبت میں یونہی دل میرا
(حسن و عشق)

اچھوت :

ہندو مذہب میں ذات پات کی تمیز آج تک قائم ہے۔ منو جی مہاراج نے قدیم زمانے میں ہندوؤں کو چار گروہوں یا ذاتوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ سب سے افضل ذات برہمنوں کی ہے۔ ان کا کام مذہبی تعلیم حاصل کرنا اور پوجا پاٹھ کرنا اور کرانا اور تمام اہل ہنود کی مذہبی قیادت کرنا ہے۔ دوسرے درجہ پر کھشتری ہیں۔ جن کا فرض منصبی ملک میں

حکومت قائم کرنا اور امن و امان قائم رکھنا اور جنگ کی صورت میں ملک کا دفاع کرنا ہے ۔ تیسرے درجے پر تجارت پیشہ لوگ اور صنعت کار آتے ہیں ۔ جو ویش کہلاتے تھے اور چوتھے درجے پر وہ لوگ جن کا کام مندرجہ بالا تین گروہوں کی خدمت کرنا (ان کے گھروں سے غلاظت اور گندگی اٹھانا) ہے ۔ یہ فرقہ شودر کہلاتا ہے ۔ شودر پر برہمنی نظام نے بہت سی کڑی پابندیاں عائد کی ہوئی ہیں ۔ شودر اچھوت بھی کہلاتا ہے۔ ان معنوں میں کہ وہ اعلیٰ ذات کے کسی ہندو کو چھو نہیں سکتا ۔ اور نہ ہی وہ تعلیم حاصل کر سکتا ہے ۔ نہ ہی کسی قسم کی ترقی کر کے معاشرہ میں ذرا اونچا مقام حاصل کر سکتا ہے ۔ اچھوت کے لئے ہندوستان میں ہر قسم کی تعلیمی یا سماجی ترقی کے دروازے بند ہیں ۔ اسی بات سے متاثر ہو کر اقبال نے کہا تھا :۔

آہ ! شودر کے لئے ہندوستاں غم خانہ ہے
درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے (نانک)

اقبال نے شہباز کے مقابلے میں چیل ، کووں اور چمگادڑوں کو ، اڑنے والے جانوروں کی برادری میں ، اچھوت سے تشبیہ دی ہے ۔ اور یہ کس قدر موزوں تشبیہ ہے ۔

زاغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کورچشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز! یہ مرغان صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بے خبر (ضرب کلیم)

بالی ، بالیاں :

کان کا ایک گول سا زیور ہے ۔ جسے بالی یا بالا کہتے ہیں ۔ اور جمع کی صورت میں انہیں بالیاں کہتے ہیں ۔ بالی یا بالا بھی ہندوستان سے مخصوص ہے۔ اگرچہ دوسرے ممالک میں بھی کانوں میں زیور پہنا جاتا ہے۔ لیکن ایک آدھ ۔ اور وہ بھی عموماً کان میں چھید کئے بغیر۔ لیکن ہندوستان میں تو چھوٹی سی عمر میں لڑکیوں کے کان چھید دئے جاتے ہیں ۔ اور اکثر پانچ پانچ چھ چھ سوراخ نکال کر ان میں حسب استطاعت چاندی یا سونے کی بالیاں پہنائی جاتی ہیں ۔ اور آج سے دس بیس سال پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جس قدر کوئی گھرانا امیر ہوتا ہے ۔ اسی قدر آن کی بچیوں کے کانوں میں بالیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ یعنی بالیاں تمول کے اظہار کا یا تمول پر افتخار کا ایک نشان ہیں ۔

اقبال نے کسی محبوبہ کی بالیوں کی تعریف نہیں کی ۔ لیکن ان سے ایسی تشبیہات پیدا کی ہیں جن پر اردو شاعری ہمیشہ فخر کرے گی ۔

۱ ۔ چرخ نے بالی چرا لی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی (ماہ نو)

۲ ۔ سیر کرتا ہوا جس دم لب جو آتا ہوں
بالیاں ، نہرکو ، گرداب کی پہناتا ہوں (ابر کوہسار)

پہلے شعر میں ”ماہ نو،، کو عروس شام کی بالی کہا گیا ہے اور دوسری تشبیہ اسی شعر میں یہ ہے کہ ماہ نو ایک ایسی مچھلی کی مانند ہے جو نیل کے پانی میں تیرتی پھرتی ہے ۔ یہ دونوں تشبیہیں نہایت بلیغ ہیں اور دوسرے شعر میں ایک ایسی عمدہ تشبیہ ہے جس کا تعلق شاعر

کی زبردست قوت مشاہدہ ہے ۔ آپ نے بھی کبھی غور کیا ہوگا ۔ کہ بارش کی بوندیں جب تالاب یا نہر کے پانی میں پڑتی ہے تو پانی کی سطح پر چھوٹے چھوٹے گول دائروں میں ننھی ننھی لہریں اٹھتی ہیں ۔ گول دائروں میں یہ اٹھنے والی لہریں بالکل بالیوں کی ہم شکل ہوتی ہیں ۔ اس مشاہدہ اور باریک بینی نے اقبال کو ایسی تشبیہ سمجھا دی کہ کسی اور شاعر کو کم ہی سوجھی ہوگی ۔

بستی :

چند گھروں کی آبادی یا ایک چھوٹے گاؤں کو بستی کہتے ہیں ۔ اقبال نے اس دنیا کو "آہ و فغاں" کی ایک بستی سے تشبیہ دی ہے اور شعرائے سلف کی تقلید میں دل کو بھی ایک بستی سے تشبیہ دی ہے اور قبرستان کو بھی ایک بستی کہا ہے ۔ پھر دنیا کو ایک عجیب بستی سے تشبیہ دی ہے جہاں ایک کا اوج دوسرے کی پستی ہے ۔

۱ ۔ اے تارو نہ پوچھو چمنستان جہاں کی
گلشن نہیں یہ بستی ہے اک آہ و فغاں کی
(شبنم اور تارے)

۲ ۔ دل کی بستی عجیب بستی ہے
لوٹنے والے کو ترستی ہے (سرود رفتہ)

۳ ۔ تھم ذرا بیتابی دل ، بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے
(خفتگان خاک سے استفسار)

۴ ۔ چمکنے والے مسافر ! عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے (ستارہ)

برہمن :

ہندوؤں کی سب سے اونچی اور مشہور ترین ذات ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے - اقبال نے کعبہ کے مجاوروں ، سجادہ نشینوں اور اسی قبیل کے بزعم خود اسلامی رہنماؤں کو طنزاً برہمن سے تشبیہ دی ہے کیونکہ وہ اپنی عزت قائم رکھنے کے لئے عموماً مذہب کی آڑ لیتے ہیں -

۱ - شہری ہو دہاتی ہو مسلماں ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن (بال جبریل)

۲ - پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا
ہے شیخ بھی مثال برہمن صنم تراش (مذہب)

بوٹا :

۱ - پھلا پھولا رہے یا رب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں (غزلیات)

۲ - دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو
سرسبز جن کی نم سے بوٹا امید کا ہو
(ایک آرزو بحوالہ سرود رفتہ)

امید کو بوٹے سے تشبیہ دی گئی ہے -

پارا :

مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارا
(عشق اور موت)

ایک فرشتہ جس کا نام "عشق،، تھا ۔ ایک بار فردوس کی سیر کو جا رہا تھا کہ اچانک "اجل،، نامی قضا کے فرشتہ سے اس کی ملاقات ہوئی اجل اپنا تعارف عشق سے کراتی ہے کہ میں رخت ہستی کے پرزے اڑاتی ہوں اور زندگی کا شرارا بجھا دیتی ہوں ۔ میں تمام چیزوں کو فنا کرتی ہوں مگر ایک چیز فنا نہیں کر سکتی اور وہ چیز ایسی ہستی ہے کہ خود آگ کی مانند ہے اور میں اس کے سامنے پارے کی مانند ہوں اور وہ ہستی، جو شرر بن کر انسان کے دل میں رہتی ہے اور آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے ٹپکتی ہے اور نور مطلق کی آنکھوں کا تارا ہے ، عشق ہے ۔

پھندا :

پھندا ایک قسم کا جال ہے جو پرندوں یا جانوروں کو پکڑنے کے لئے لگایا جاتا ہے ۔ اقبال نے "تاویل" کو پھندے سے تشبیہ دی ہے ۔ قرآن پاک کا لفظی ترجمہ ایک عام فہم چیز ہے لیکن لفظی ترجمہ کرنے کے بعد کئی مقام ایسے آتے ہیں جہاں صرف لفظی ترجمہ سے دل کی تسلی نہیں ہوتی ، ہم کچھ اور وضاحت طلب کرتے ہیں اس قسم کی وضاحت تفسیر کہلاتی ہے۔ تفسیر ایک اصطلاح بن چکی ہے جو صرف قرآنی مطالب کی تشریح کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے ۔ ترجمہ اور تفسیر کے بعد بظاہر کسی اور تشریح کی حاجت نہیں رہتی مگر مسلمانوں میں قدیم زمانے سے ہی بعض علماء کا یہ عقیدہ رہا ہے اور آج تک ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن پاک کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن جس طرح کہ ہر چیز کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے ۔ قرآن پاک کے ظاہری لفظ ، بعض مقامات پر ، اپنے ظاہری معنی نہیں رکھتے بلکہ ایک باطنی معنی رکھتے ہیں ۔ ان باطنی معنوں کو سمجھنا

"تاویل" کہلاتا ہے۔

اقبال "تاویل" کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بال جبریل میں ایک جگہ طنزاً فرماتے ہیں :-

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

اور پھر تاویل کو ایک پھندے سے تشبیہ دیتے ہوئے مرد مسلماں کو ایک پرندے سے تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی صیاد (مذہبی رہنما) تاویل کا پھندا لگا دے تو یہ پرندہ اپنی شاخ نشیمن (اصلی اسلامی عقائد) سے بہت جلد اتر آتا ہے اور اس پھندے میں پھنس جاتا ہے۔

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد (ضرب کلیم)

پھر ایک مقام پر تہذیب جدید کو پھندے سے تشبیہ دی ہے۔

"ترکان جفا پیشہ" کے نیچے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار (ضرب کلیم)

الیکشن ، ممبری ، کونسل ، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے (ظریفانہ)

پھول :

پھول سے تشبیہات بھی پیدا کی ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں اور پھول کو استعارہ کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔ یہ استعارہ بھی کسی اور شاعر کے دام خیال میں نہیں آیا۔

۱ - عدم کو قافلۂ روز تیزگام چلا
شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا (کنار راوی)

۲ - سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو
طشت افق سے لے کر لالے کے پھول مارے (بزم انجم)

۳ - پھول بے پروا ہیں تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آواز درا ہو یا نہ ہو
(شمع اور شاعر)

پانی :

۱ - میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت سے شناسا
گہرا ہے بہت میرے خیالات کا پانی
(زہد اور رندی)

۲ - جوہر انساں ، عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک، غم کی شعلہ افشانی سے ہے
سرد یہ آگ، اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

انسان کے ذہن میں یہ ایک لطیف احساس ہے کہ جو ہر انسان نظر سے تو غائب ہوتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا۔ غم اپنی شعلہ افشانی سے غمزدہ لوگوں کو جلا دیتا ہے مگر یہ لطیف احساس پانی کی مانند ، غم کی آگ کو بجھا دیتا ہے اور انسان پھر زندگی بسر کرنے کی طاقت پا لیتا ہے ۔

تارا ، تارے :

عام فہم تشبیہ ہے ۔ وجہ مشابہت چمک اور روشنی ہے ۔

۱ ۔ یا تو مری جبیں کا تارا گرا ہوا ہے
رفعت کو چھوڑ کر جو پستی میں آ بسا ہے
(رات اور شاعر)

۲ ۔ شرر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا
(عشق اور موت)

۳ ۔ مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں (فلسفہٗ غم)

۴ ۔ عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا ، مہ کامل نہ بن جائے (بال جبریل)

۵ ۔ کبھی اے نوجواں مسلم، تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
(خطاب بہ جوانانِ اسلام)

ان پانچ اشعار میں تارا یا تارے مشبہ بہ ہیں ۔ یعنی کسی اور چیز کو تارے سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ اب درج ذیل اشعار کو دیکھئے ۔ تاروں کو موتیوں سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ یعنی تارے مشبہ ہیں اور موتی مشبہ بہ ۔

محمل میں خامشی کے لیلائے ظلمت آئی
چمکے عروس شب کے موتی وہ پیارے پیارے

وہ دور رہنے والے ہنگامۂ جہاں ہے
کہتا ہے جن کو انساں اپنی زباں میں 'تارے'

تلوار :

یہ موج نفس کیا ہے، تلوار ہے
خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے (بال جبریل)

سانس کی آمد و شد کو تلوار سے اور خودی کو تلوار کی دھار سے تشبیہ دی گئی ۔

تیزاب :

تیزاب ایک ایسا تیز، سیال کیمیاوی مادہ ہے جو جلا دیتا ہے یا چیزوں کو پگھلا دیتا ہے ۔ زیادہ تر اس کو سنار لوگ استعمال کرتے ہیں ۔ اقبال نے دور حاضر کی تعلیم کو تیزاب سے تشبیہ دی ہے جو انسان کے ایمانی جوہر کو جلا دیتی ہے ۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اسکی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اُدھر پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر (ضرب کلیم)

جھالر :

ہے ترے خیمۂ گردوں کی طلائی جھالر
بدلیاں لال سی آتی ہیں افق پہ جو نظر
(انسان اور بزم قدرت)

چاندی کے گہنے :

دن کی روشنی کو قدرت کے چاندی کے گہنے کہا گیا ہے اور شفق کی سرخی مائل زردی کو سونے کے گہنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے (بزم انجم)

چاند اور چاند گہن :

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں (جگنو)

چراغاں :

جلانا ہے مجھے شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑونگا (تصویر درد)

چنگاری :

۱ - یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

(فاطمہ بنت عبداللہ)

۲ - آہ ! سیماب فروزاں ، انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز

(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

پہلے شعر میں ایک مسلمان حوصلہ مند اور ہمدرد اسلام لڑکی کو چنگاری سے اور دوسرے شعر میں تاروں کو شوخ چنگاریوں سے تشبیہ دی گئی ہے -

چوٹی :

یہ لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے - پہاڑ کا بلند ترین مقام پہاڑ کی چوٹی کہلاتا ہے - لڑکیوں اور عورتوں کے بال جو باندھ اور گوندھ کر پیچھے ڈال دئے جاتے ہیں - وہ بھی چوٹی کہلاتے ہیں - اور چیزیں چرانے والی لڑکی بھی چوٹی کہلاتی ہے -

مانگ اور چوٹی کے متعلق کئی شعر لکھے گئے ہیں - ایک شعر جس میں ایہام بھی ہے ، ملاحظہ کیجئے :-

نہ کم تھی مانگ دل کے مانگنے کو
یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے

اقبال نے گھٹا کو حور کی کھلی ہوئی چوٹی سے تشبیہ دی ہے - یہی تشبیہ اقبال سے پہلے امیر مینائی کے کلام میں ملتی ہے -

اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی
کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی
(عشق اور موت)

گھٹا کی سیر حجرے سے نکل کر دیکھ اے زاہد
نہانے کو یہ چوٹی حور نے جنت میں کھولی ہے (امیر مینائی)

دستار :

دستار کا ذکر اور دستار کی فضیلت کی تشبیہ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ دستار، رسم دستار بندی، دستار فضیلت وغیرہ ہندوستان (اور پاکستان) کے ساتھ خاص نسبت رکھتے ہیں۔ تشبیہ ملاحظہ کیجئے :-

برف نے باندھی ہے دستار فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہ مہر عالمتاب پر

دیا :

رات کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے انسان کی ابتدائی ایجاد آگ کا الاؤ تھا۔ پھر آہستہ آہستہ روشنی کرنے کے آلات ایجاد ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ آج برقی قمقموں سے رات کو دن میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ دیا اس ارتقا کی تیسری یا چوتھی منزل ہے۔ دئے کی تشبیہ میں وجہ مشابہت روشنی ہے۔

۱۔ اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا (ہمدردی)

۲۔ شمع تو محفل صداقت کی
حسن کی بزم کا دیا ہوں میں (عقل اور دل)

دیوتا :

اہل ہنود مافوق الفطرت طاقت رکھنے والی ہستیوں کو دیوتا کہتے ہیں اور اپنے ان دیوتاؤں کی پوجا کرنا مذہبی فریضہ خیال کرتے ہیں۔ وہ انسان جو نیک کردار اور پرہیز گار ہو اور دنیاوی حرص اور لالچ سے دور رہتا ہو اور بدی سے اجتناب کرتا ہو محاورۃً اسے بھی دیوتا کہتے ہیں۔ اقبال "نیا شوالہ" میں برہمن سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو

پتھر کی مورتوں (یعنی دیوی ، دیوتاؤں کے بت) میں خدا کو پنہاں سمجھتا ہے۔ مگر میری نظر میں تو خاک وطن کا ہر ایک ذرہ دیوتا کی سی عظمت رکھتا ہے اور اس قابل ہے کہ اسے پوجا جائے ۔

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو، خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ ، دیوتا ہے (نیا شوالہ)

ڈالی :

اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا (ترانہ ملی)

راکھ کا ڈھیر :

لکڑی ، کوئلہ ، ایندھن وغیرہ جل کر راکھ کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو شخص قوت عمل کھو چکا ہو اور زندگی کی تگ و دو کے قابل نہ رہا ہو اُسے بھی تشبیہاً راکھ کا ڈھیر کہتے ہیں ۔

بجھی عشق کی آگ ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں ، راکھ کا ڈھیر ہے (بال جبریل)

زیور :

۱ - کہا یہ میں نے کہ اے زیور جبین سحر
غم فنا ہے تجھے گنبد فلک سے اُتر
ٹپک بلندیٔ گردوں سے ہمرہ شبنم
مرے ریاض سخن کی فضا ہے جاں پرور
میں باغباں ہوں محبت بہار ہے اس کی
بنا مثال ابد پائیدار ہے اس کی (اختر صبح)

۲ - ہو جو در گوش عروس صبح وہ گوہر ہے تو
جس سے سیمائے افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو (آفتاب صبح)

زنار ، زناری،

اہل ہنود اور قدیم آتش پرست لوگ ایک دھاگا سا گلے میں پہنتے ہیں جسے زنار کہتے ہیں - زنار ایک قسم کا حلقہ اطاعت ہے یا بندگی کا نشان ہے -

۱ - مسلماں ہے توحید میں گرم جوش
مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش (بال جبریل)

۲ - تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
زناری برگساں نہ ہوتا (ضرب کلیم)

سنتری :

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا (ترانہ ہندی)

سرمہ :

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف (بال جبریل)

کنی :

آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
(ایک مکڑا اور مکھی)

کھیتی :

۱ - مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز
جہاں میں ہوں میں مثال سحاب دریا پاش

(ایک خط کے جواب میں)

دلوں کو کھیتیوں سے تشبیہ دی ہے۔ سخن کا استعارہ بارش سے ہے اور شاعر کو سحاب سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

۲ - شعلۂ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دہقان گردوں نے جو تاروں کے شرار (نمود صبح)

کھیتی استعارہ ہے آسمان کا ۔ گردوں کو ایک دہقان سے اور تاروں کو شراروں سے تشبیہ دی ہے ۔

کانٹا :

تم بتا دو راز جو اس گنبد گرداں میں ہے
موت اک چبھتا ہوا کانٹا دل انساں میں ہے

(خفتگان خاک سے استفسار)

موت کیا ہے ؟ اس سوال کو ایسے کانٹے سے تشبیہ دی ہے جو دل انساں میں چبھتا رہتا ہے جس کی خلش ہر وقت محسوس ہوتی رہتی ہے اور جسے دل سے نکالا بھی نہیں جا سکتا ۔

کنول :

پانی کا ایک خوبصورت سفید رنگ کا پھول جو ہندوستان پاکستان کے تالابوں اور جوہڑوں میں کھلتا ہے ۔ تیز رو یا بہتے ہوئے پانی میں کنول کی جڑیں جم نہیں سکتیں اس لئے عموماً ٹھہرے ہوئے پانی میں خود

بخود اگتا اور پھلتا پھولتا ہے ۔ کنول کا پھول ہندی شاعری میں وہی درجہ رکھتا ہے جو فارسی شاعری میں گلاب کا پھول ۔

مرا کنول کہ تصدق ہیں جس پہ اہل نظر
مرے شباب کے گلشن کو ناز ہے جس پر
کبھی یہ پھول ہم آغوش مدعا نہ ہوا
کسی کے دامن رنگیں سے آشنا نہ ہوا

(پھول کا تحفہ عطا ہونے پر)

مچھلی :

تاروں کے موتیوں کا شاہد ہے جوہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو

(رات اور شاعر)

مہندی ۔

مہندی لگائے سورج جب شام کی دولہن کو
سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو (ایک آرزو)

شام کی دولہن کو سورج کا مہندی لگانا استعارہ ہے مگر اس کی وجہ جامع (وجہ تشبیہ) بہت واضح ہے اس لئے تشبیہات کے ضمن میں لایا گیا ہے ۔ پھول کی پتیوں کو قبا سے اور شفق کی رنگت کے انعکاس کی وجہ سے اس قبا کو سرخی مائل سنہری رنگ کی قبا سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

موتی کی لڑی :

شبنم کو موتیوں سے تشبیہ دینا کوئی نئی بات نہیں ۔ انیس کہتے ہیں۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

مگر اقبال پھولوں پر ایک قطرہ شبنم کا نہیں بلکہ کئی قطروں کو دیکھتے ہیں تو انہیں موتیوں کی لڑی سے تشبیہ دیتے ہیں اور لڑی کو پرونے کا دھاگا سورج کی کرن ہے ۔ یعنی سورج کی کرن کو دھاگے سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

ہے رگ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سورج کی کرن شبنم میں ہے الجھی ہوئی

یہ تشبیہ بھی عمدہ اور بلیغ تشبیہات میں سے ایک ہے اور ایک خاص جدت کی حامل ۔

مندر :

ایڈورڈ ہشتم کی تخت سے دست برداری کے متعلق ۱۹۳۸ء میں کہا ۔

شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری پاش پاش

ہے یہ مشک آمیز افیوں ہم غلاموں کے لئے
ساحر انگلیس ! ما را خواجہ دیگر تراش

مداری :

گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا (بال جبریل)

دور سرمایہ داری کو مداری سے تشبیہ دی ہے ۔ سرمایہ داری کا دور اس طرح سے غائب ہو کے رہ گیا جیسے ایک مداری اپنے کرتب اور شعبدے دکھانے کے بعد چلا جاتا ہے ۔

نگ :

نگ سستے ، سادہ اور جھوٹے بھی ہوتے ہیں اور قیمتی ، رنگین اور اصلی پتھر کے بھی ہوتے ہیں ۔ سچے نگ بڑے قیمتی ہوتے ہیں ۔ عصرحاضر میں مغرب میں مصنوعی نگ ایسے بنائے جاتے ہیں جو آب و تاب کے لحاظ سے اصلی نگوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اگر اصلی اور نقلی نگوں کو ساتھ ساتھ رکھا جائے تو کوئی پہچان نہ سکے۔ چونکہ جھوٹے نگ نظر کو دھوکا دیتے ہیں اور تہذیب حاضر بھی ایک دھوکا ہے اس لئے تہذیب حاضر کو جھوٹے نگوں سے تشبیہ دی ہے ۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

(طلوع اسلام)

نیلم پری :

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری (جواب خضر)

جس جمہوریت کو تو آزادی کی نیلم پری سمجھتا ہے وہ بھی آزادی نہیں اس میں بھی استبداد کارفرما ہے ۔ استبداد کو دیو سے اور آزادی کو نیلم پری سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

ہیرا :

۱ - ہیں ہزاروں اس کے پہلو رنگ ہر پہلو کا اور
سینے میں ہیرا کوئی ترشا ہوا رکھتا ہوں میں
دل نہیں شاعر کا ہے کیفیتوں کا رستخیز
کیا خبر تجھ کو درون سینہ کیا رکھتا ہوں میں

(عاشق ہرجائی)

دل کو ٹوٹے ہوئے ایسے ہیرے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے ہزاروں پہلو ہیں اور ہر پہلو کا رنگ جداگانہ ہے ۔

۲ ۔ آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا

(ایک مکڑا اور مکھی)

چھوٹے سے نگ کو کنی کہتے ہیں ۔ مکھی کی آنکھوں کو ہیرے کی کنیوں سے تشبیہہ دی ہے ۔ وجہ تشبیہ چمک اور چھوٹا ہونا ہے ۔ قدماء نے دانتوں کو ہیروں یا ہیرے کی کنیوں سے تشبیہ دی ہے ۔ ذوق کے اس شعر کو دیکھئے : اگرچہ اس میں ایہام ہے تاہم در دنداں کی ہیرے کی کنی سے مناسبت واضح ہوتی ہے ۔

در دنداں نہ دکھا بزم میں تو ہنس ہنس کر
چاٹ جائے کوئی ہیرے کی کنی خوب نہیں

ان مثالوں کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اقبال کی کارگاہ فکر میں جہاں علمی ، ادبی ، فارسی ، عربی اور انگریزی تشبیہات و استعارات کی ایجاد ہوتی تھی ۔ وہیں ہندوستانی یا ملکی اثرات بھی اُن کی زبان و بیان پر اپنے نقوش مرتسم کرتے رہتے تھے ۔ اگرچہ زیادہ تر تشبیہات فارسی سے ماخوذ ہیں لیکن ہندوستانی تشبیہات کا بھی ایک معتدبہ حصہ ان کے کلام میں موجود ہے ۔

انگریزی تشبیہات

اقبال کے اردو کلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان پر فارسی کا کافی غلبہ ہے۔ سوائے ان چند نظموں کے جو بچوں کے لئے سادہ زبان میں لکھی گئیں۔ اقبال کی کوئی نظم ایسی نہیں جس میں فارسی الفاظ و تراکیب دا فارسی تشبیہات و استعارات نہ ہوں۔ بانگ درا میں سب سے پہلی نظم "ہمالہ" ہے (جس کا ذکر ہم اس سے پہلے بھی کر چکے ہیں) اس نظم کی فارسی تراکیب دیکھئے:-

قصیل کشور ہندوستاں ، دیرینہ روزی ، گردش شام و سحر
کلیم طور سینا ، سراپا ، چشم بینا ، امتحان دیدۂ ظاہر ،
دیوار ہندستاں ، مطلع اول ، سوئے خلوتگاہ دل ، دامن
کش انساں ، دستار فضیلت ، خندہ زن ، کلاہ مہر عالمتاب
عمر رفتہ ، عہد کہن ، خیمہ زن ، سرگرم سخن ، پہنائے فلک ،
چشمۂ دامن ، آئینۂ سیال ، دامن موج ہوا ، رومال ،
رہوار ہوا ، برق سر کوہسار ، بازیگاہ ، دست قدرت
فرط طرب ، فیل بے زنجیر ، جنبش موج نسیم صبح
نشۂ ہستی ، زبان برگ ، دست گلچیں ، کنج خلوت خانۂ قدرت ،
فراز کوہ ، شاہد قدرت ، سنگ راہ ، عراق دلنشیں ،
لیلیٔ شب ، زلف رسا ، دامن دل ، رنگ شفق
مسکن آبائے انساں ، غازۂ رنگ تکلف ، گردش ایام ،

اس نظم میں تین شعروں یا چھ مصرعوں کے آٹھ بند ہیں ۔ گویا کل چوبیس اشعار کی نظم ہے جس میں فارسی کی پینتالیس تراکیب ہیں ۔ فارسیت کے غلبہ کو ظاہر کرنے کے لئے یہی ایک نظم کافی ہے ۔ اقبال کے اُردو کلام میں فارسی کا غلبہ ظاہر کرنے سے ہمارا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اقبال فارسی زبان اور فارسی ادب سے ایک فطری لگاؤ رکھتے تھے جس پر ان کا فارسی کلام (اسرار خودی ، رموزی بیخودی ، زبور عجم ، پیام مشرق وغیرہ) ایک شاہد عادل ہے اور اُردو کلام (بانگ درا ، بال جبریل اور ضرب کلیم) سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کی طرح ان کی زبان بھی فارسی سے بے حد متاثر تھی ۔

لیکن اقبال شاعر تھے ، ادب کا صحیح ذوق رکھنے والوں میں ان کا نام سرفہرست ہے۔ برسوں انگلستان میں رہے ۔ انگریزی ادب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ۔ ایمرسن ، ولیم کوپر ، لانگ فیلو ، ٹینی سن وغیرہ انگریزی شاعروں کے تتبع میں نظمیں لکھیں ۔ اس کے علاوہ کئی نظمیں انگریزی نظموں کا آزاد ترجمہ ہیں اور کئی نظمیں ایسی ہیں جن کا مرکزی خیال انگریزی ادب سے ماخوذ ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اقبال شاعری میں قدماء کی کورانہ تقلید کو مذموم خیال کرتے تھے اور اس معاملہ میں غالب کے ہمنوا تھے کہ ع آنچہ در گفتار فخر تست آں ننگ من است ۔ پھر بھی وہ دع ما کدر اور خذ ما صفا کے قائل تھے اس لئے اس جوہر قابل سے یہ توقع کبھی نہیں ہو سکتی تھی کہ انگریزی ادب کے بحر بے پایاں کی شناوری اور غواصی کرے اور گوہر مراد ہاتھ نہ لائے ۔ انگریزی ماحول میں اعلیٰ تعلیم پائے انگریزی زبان اور محاورات کو سنے ۔ بڑے بڑے انگریز دانشوروں کی تقاریر اور مضامین سے لطف اندوز ہو کر

ان کی زبان اور انداز بیان سے متاثر نہ ہو اس اثر کا ایک ثبوت تو وہ نظمیں ہیں جو انگریزی سے ماخوذ ہیں ۔ دوسرا ثبوت وہ نظمیں ہیں جو شیکسپیئر کے کلام کی مانند ایسی ہیں جن سے صرف ایک ملک یا ایک خطہ یا ایک مذہب کے لوگ ہی لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ اُن نظموں کی وسعت ، آفاقیت اور ہمہ گیری کی وجہ سے ہر مذہب و ملت کے لوگ اُن سے یکساں طور پر محظوظ اور لطف اندوز ہوسکتے ہیں ۔ مثلاً عہد طفلی ، ابر کوہسار ، خفتگان خاک سے استفسار ، آفتاب صبح ، گل پژمردہ ، ماہ نو ، انسان اور بزم قدرت ، موج دریا ، چاند ، صبح کا ستارا ، چاند اور تارے وغیرہ وغیرہ ۔

اقبال کے خطوط کے مطالعہ سے بھی یہ شہادت ملتی ہے کہ وہ انگریزی ادب سے کافی حد تک متاثر ہوئے تھے ۔ چنانچہ (بحوالہ اقبال نامہ صفحہ ۱۱۶) ایک خط میں منشی سراج الدین کو کہتے ہیں کہ "ملٹن کی تقلید میں کچھ لکھنے کا ارادہ ہے ۔"

انگریزی ادب سے متاثر ہونے کی سب سے بڑی اندرونی شہادت یہ ہے کہ اقبال نے ایسی نادر اور جدید تشبیہات وضع کی ہیں جن پر انگریزی ادب کی چھاپ بہت نمایاں ہے اور یہی وہ قابل فخر تخلیق ہے جس پر اردو زبان ہمیشہ ناز کرے گی ۔

جن نظموں کو انگریزی سے اخذ کیا گیا ہے ۔ ان کے متعلق یہی گمان کیا جاتا ہے کہ ان نظموں کی تشبیہات یا ان کے استعارات بھی انگریزی زبان سے ماخوذ ہونگے ۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے ۔ اقبال نے مرکزی خیال انگریزی سے لیا ہوگا ۔ لیکن اس خیال کو اردو کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ اب وہ انگریزی سے ماخوذ کم دکھائی دیتی ہیں اور

اردو یا فارسی سے زیادہ ۔ اور اخذ و ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے ۔ اردو زبان کا سرمایہ ابھی قلیل ہے ۔ اس قلت کو اخذ و ترجمہ سے پورا کرنا چاہئے ۔ سب سے پہلے غالباً مولانا محمد حسین آزاد نے اردو کے قدردان معاونوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی ۔ اور آج تک دانشور یا تو اس کمی کو اخذ و ترجمہ سے پورا کر رہے ہیں ۔ یا اس خلاء کو پر کرنے کی تلقین کر رہے ہیں ۔ اور اخذ و ترجمہ کا حق یہ ہے کہ موخوذ موضوع کو اپنی زبان کا ایسا لباس پہنا دیا جائے کہ لوگ ان کے اصلی رنگ اور اصلی لباس کا تصور بھی نہ کر سکیں ۔ اقبال نے ہمارے لئے ایک مثال قائم کر دی ہے کہ کسی غیر زبان کے کسی مضمون کو اپنی زبان میں کس طرح منتقل کرنا چاہئے ۔ مثلاً

بانگ درا میں پہلی ماخوذ نظم بچوں کے لئے "ایک مکڑا اور مکھی" ہے ۔ اس کی زبان بالکل سادہ اور عام فہم ہے ۔ اس میں صرف ایک تشبیہ ہے ۔ ع "آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں" ۔۔۔کہ اگر عنوان کے ساتھ "ماخوذ" نہ لکھا ہوتا ۔ تو کسی شخص کی توجہ کبھی اس طرف نہ جا سکتی کہ یہ نظم یا اس نظم کا خاکہ ، یا خیال کسی اور زبان سے لیا گیا ہے ۔

دوسری نظم پھر بچوں کے لئے ہے ۔ "ایک پہاڑ اور گلہری" ۔۔۔ پہاڑ گلہری کو بنظر تحقیر دیکھ کر کہتا ہے کہ تو کیا ہے ؟ اور کس بات پر مغرور ہے ؟ گلہری کا جواب بڑا مسکت ہے ۔ اور اس سوال و جواب سے شاعر ہمارے سامنے ایک حکمت پیش کر دیتا ہے ۔ کہ

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
برا نہیں کوئی قدرت کے کارخانے میں

تیسری ماخوذ نظم بھی بچوں کے لئے ہے - ''ایک گائے اور بکری'' اس نظم میں پہلے ایک چراگاہ کا ذکر ہے جو انار اور پیپل کے درختوں کی کثرت سے بالکل ہندوستانی چراگاہ دکھائی دیتی ہے اور ساری نظم پڑھ جائیے - کسی لفظ یا ترکیب سے یہ ظاہر نہیں ہو سکتا کہ آخر شاعر نے اس نظم میں کون سی چیز اخذ کی تھی -

''بچے کی دعا'' کے خالص اردو اور ہندوستانی ہونے میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہو سکتا - اور اس نظم پر تو ''ہرکہ شک آرد کافرگردد،، کا اطلاق ہوتا ہے -

''ہمدردی،، وایم کوپر سے ماخوذ ہے - اس میں زبان کی سادگی وہی ہے جو بچوں کی تمام نظموں کے لئے پیش نظر رکھی گئی - اس نظم میں ایک تشبیہ بھی ہے :-

اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ تشبیہ کسی اور زبان سے اردو میں آئی ہے -

''ماں کا خواب،، بے شک ایک اچھوتی ، جدید اور سبق آموز نظم ہے - اور اس قسم کی نظم پہلے اردو میں موجود نہ تھی - اس میں ایک تشبیہ ہے - ''زمرد سی پوشاک،، اور ایک استعارہ ہے - ''اشکوں کے ہار پرونا،، --- اشکوں کا ہار پرونا بالکل ہندوستانی استعارہ ہے - البتہ ''زمرد سی پوشاک،، انگریزی ادب میں ملتی ہے - لیکن پوشاک کے معاملہ میں ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ فلاں رنگ فلاں ملک کے لئے مخصوص ہے - سبز پوشاک اگر انگلستان میں مقبول ہے تو ہندوستان اور پاکستان

میں کم مقبول نہیں ۔ اس لئے ہم اس تشبیہ کو بھی انگریزی سے ماخوذ نہیں کہہ سکتے ۔

''پیام صبح،، لانگ فیلو سے ماخوذ ہے ۔ اس کی زبان فارسی آمیز اردو ہے ۔ جیسی کہ بانگ درا کی دوسری نظموں کی ہے ۔ اس نظم میں پانچ تشبیہات ہیں ۔ لیکن ان کا انداز اور ان کی زبان ملاحظہ کیجئے :۔

۱ ۔ "جبین شب کی افشاں"

۲ ۔ سورۂ والنور سے طلسم ظلمت شب کا توڑنا (استعارہ ، تشبیہ)

۳ ۔ غچنہ گل کا گلستاں کے موذن کی مانند ہونا ۔

۴ ۔ "شمع شبستاں کا تاج زر"

۵ ۔ ہر ذرہ کا جگنو کی مانند چمکنا ۔

یہ سب استعارے یا تشبیہیں فارسی کی ہیں ۔

"عشق اور موت" انگلستان کے مشہور شاعر ٹینی سن سے ماخوذ ہے۔ اس کی تشبیہات و استعارات پر بھی ایک نظر ڈالئے ۔

۱ ۔ مہر کا تاج زر

۲ ۔ خودی کا تشنہ کام مئے بیخودی ہونا

۳ ۔ گھٹا کا حور کی چوٹی کی مانند ہونا

۴ ۔ رخت ہستی کے پرزے اڑانا

۵ ۔ زندگی کا شرارا بجھانا

۶ - عشق کا آتش کی مانند ہونا

۷ - موت کا عشق کے سامنے پارے کی مانند ہونا

۸ - نور مطلق کی آنکھوں کا تارا

۹ - تبسم کی بجلی

یہ سب استعارات یا تشبیہات بھی اردو اور فارسی کی ہیں - اور ان پر انگریزی کی چھاپ کہیں نظر نہیں آتی -

"رخصت اے بزم جہاں" ایمرسن سے ماخوذ ہے۔ اس کی تشبیہات و استعارات بھی دیکھئے :-

۱ - زنجیر طلائی کا اسیر

۲ - موج بحر کی مانند بیتاب

۳ - مانند بو

۴ - چمن کو وطن کہنا اور ہمسایۂ بلبل ہونا

۵ - مسند دارا و سکندر پہ خندہ زن ہونا

یہ سب تشبیہات اردو یا فارسی کی ہیں - البتہ "گل کی پتی کا راز دارہست و بود ہونا،، انگریزی تشبیہ بھی ہوسکتی ہے - کیونکہ ورڈز ورتھ نے کہا ہے کہ جنگل کا پتا پتا علم و حکمت کے وہ راز سکھا سکتا ہے - جو بڑے بڑے عالم بھی نہ سکھا سکیں۱ -

---

1. One impulse from a vernal wood
May teach us more of man :
Of moral evils and of good,
Than all the sages can.

لیکن کیا کیا جائے ۔ سعدی علیہ الرحمتہ ورڈز ورتھ سے پہلے فرما چکے ہیں ۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورق دفتریست معرفت کردگار

"ایک شام،، جو دریائے نیکر (ہائیڈل برگ) کے کنارے پر گزاری ۔ اس نظم میں بھی اقبال نے اسلامی اور فارسی تشبیہات سے کام لیا ہے ۔

۱ ۔ نوا فروش

۲ ۔ تاروں کا قافلہ بے درا

۳ ۔ کہسار کے سبز پوش

۴ ۔ قدرت ہے مراقبے میں گویا

یہ سب تشبیہات اردو یا فارسی کی ہیں اور ان پر کسی طرح سے انگریزی ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا ۔

انگریزی سے ماخوذ نظموں کا تجزیہ کرنے کے بعد ایک اور خیال ہمارا رہنما ہوا ۔ وہ یہ کہ انگریزی کی نظموں میں عام طور پر جو تشبیہات استعمال میں لائی جاتی ہیں ۔ اس میں سب سے زیادہ وہ تشبیہات ہیں ۔ جو سمندر ، دریا ، ندی ، آبجو ، موج ، لہر ، مد و جزر ، ساحل ، جہاز ، کشتی ، زیر آب چٹانیں ، روشنی کا مینار ، طوفان ، تلاطم ، گہرا پانی یا پایاب پانی ، سمندر یا دریا کی تہ میں موتیوں کا ہونا ۔ بھنور ، گرداب ، ڈوبنا ، ابھرنا وغیرہ وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں ۔ اس نقطہ نظر سے جب ہم نے مندرجہ بالا آبی یا بحری تشبیہات پر نظر ثانی ڈالی تو معلوم ہوا کہ اقبال کی اکثر آبی یا بحری تشبیہات ایسی ہیں جن کی مثال اردو یا فارسی میں پہلے سے موجود ہے ۔ مثلاً

۱ - وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا
ہر قطرہ ہے بحر بے کرانہ (ضرب کلیم)

۲ - اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
(شمع اور شاعر)

قطرہ اور بحر کا تعلق اور اس سے پیدا ہونے والی سب تشبیہات فارسی کی ہیں بلکہ اردو شاعروں نے بھی بہت پہلے سے انہیں استعمال کیا ہے - مثلاً

دل ہر قطرہ ہے ساز اناالبحر
ہم ان کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا (غالب)

اقبال نے آدمی کی زندگی کو ایسے جہاز سے تشبیہ دی ہے جو اللہ کے بحر میں کبھی پیدا ہے اور کبھی پنہاں ہو جاتا ہے - جہاز سے تشبیہ پہلے سے موجود ہے -

جہاز عمر رواں پر سوار بیٹھے ہیں
سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

البتہ اس تشبیہ میں جہاز کے ساتھ کوئی قید یا شرط نہیں ہے - حالی کی تمثیل بھی ملاحظہ کیجئے :

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے

کنارہ ہے دور اور طوفاں بپا ہے
گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے

نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

ان مثالوں کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ پانی سے تعلق رکھنے والی تشبیہات اردو اور فارسی میں کثرت سے ہیں لیکن انگریزی میں سمندر سے متعلقہ کچھ ایسی تشبیہات بھی ہیں جن کا تعلق ایسے سائنٹیفک یا میکانکی پہلوؤں سے ہے جن کو اہل مشرق نے ابھی تک استعمال نہیں کیا ۔ پس ایسی تشبیہات جن میں زیر آب چٹانوں ، روشنی کے مینار (Light House) ، جہاز کے مختلف حصوں سے ، مد و جزر ، وغیرہ سے وجہ شبہ اخذ کی گئی ہو ۔ وہ تشبیہات انگریزی سے متاثر سمجھی جائیں بشرطیکہ ان کی مثال اردو اور فارسی میں نہ ملتی ہو ۔ مثلاً

آب میں مثل ہوا جاتا ہے توسن میرا
خار ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا (موج دریا)

توسن موج کے لئے استعارۃً استعمال ہوا ہے ۔ مثل ہوا تشبیہ ہے اور خار ماہی سے دامن کا نہ اٹکنا ایسی توجیہ ہے جس کی مثال اردو اور فارسی میں نہیں ملتی اس لئے ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تشبیہ انگریزی سے ماخوذ یا متاثر ہے ۔

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست
وائے ناکامی خزف چین لب ساحل ہوں میں (غزلیات)

علم کو دریا سے تشبیہ دینا کوئی نئی بات نہیں ۔ مولانا روم بہت پہلے سے کہہ چکے ہیں ۔ کہ

علم دریائیست بے حد و کنار
طالب علم است غواص بحار

اور گوہر بدست ہونا یا گوہر مراد کو پانا بھی فارسی اور اردو میں پہلے سے موجود ہے لیکن خزف چین لب ساحل ہونا یقیناً نئی بات ہے اور نیوٹن کے اس اظہار کی یاد دلاتا ہے جو اس نے اپنی موت سے چند روز پہلے کیا تھا۔

"میں کہہ نہیں سکتا کہ دنیا میرے متعلق کیا رائے قائم کرے گی لیکن اپنے متعلق مجھے خود یوں محسوس ہوتا ہے کہ علم کے ناپیدا کنار سمندر میں ابھی میں نے پاؤں بھی نہیں ڈالا اور اب تک ایک بچے کی مانند ساحل پر بیٹھا سیپوں اور گھونگھوں سے کھیل رہا ہوں"۔

اس لئے "خزف چین لب ساحل" کو انگریزی سے ماخوذ یا متاثر سمجھنا چاہیے۔

سبزۂ مزرع نو خیز کی امید ہوں میں
زادۂ بحر ہوں ، پروردۂ خورشید ہوں میں (ابر کوہسار)

سورج کی گرمی سے سمندر کا پانی بخارات بن بن کر اڑتا رہتا ہے اور آخر یہی بخارات بادل بنتے ہیں اس لئے بادل کا زادۂ بحر ہونا اور پروردۂ خورشید ہونا بجا ہے اس خیال سے ابر کوہسار کی یہ صفت بھی انگریزی سے ماخوذ یا متاثر نظر آتی ہے کیونکہ اردو اور فارسی کے شاعروں نے بادل کی تجزی نہیں کی اور اس کو بہ حیثیت مجموعی مدنظر رکھا ہے۔

دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا
مہ و ستارہ ہیں بحر وجود میں گرداب (بال جبریل)

"دل و نظر کا سفینہ" اور "بحر وجود،، اور بحر وجود میں ''مہ و ستارہ کا گرداب کی مانند ہونا،، یہ تینوں تشبیہیں انگریزی سے متاثر ہیں اس نظم کا پہلا شعر یہ ہے -

یہ حوربان فرنگی ، دل و نظر کا حجاب
بہشت مغربیاں جلوہ ہائے پا برکاب

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

زمانے کو سمندر سے تشبیہ دینا انگریزی سے متاثر معلوم ہوتا ہے اور پھر ''زمانے کے سمندر سے گوہر فردا کا نکالنا،، بالکل جدید استعارہ ہے

آہ اے سسلی ! سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح ، اس پانی کے صحرا میں ہے تو (صقلیہ)

پانی میں رہنمائی ، روشنی کے مینار (Light house) سے کی جاتی ہے یہ تشبیہ بھی انگریزی سے اردو میں لائی گئی ہے -

سینہ٘ دریا شعاعوں کے لئے گہوارہ ہے
کس قدر پیارا لب جو ، مہر کا نظارہ ہے

یہ بھی انگریزی سے ماخوذ تشبیہ ہے اور انگریزی کے مشہور شاعر شیلے نے اپنی نظم ''فلسفہ محبت،، میں اسی قسم کی تشبیہ استعمال کی ہے اور "سینہ٘ دریا کو شعاعوں کا گہوارہ کہنا" ایسی تشبیہ ہے جس کی مثال اردو اور فارسی شاعری نہیں ملتی -

۱ - جوئے رود آفریں آتی ہے کوہسار سے
پی کے شراب لالہ‌گوں میکدۂ بہار سے (شاعر)

۲ - چشم حیراں ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے
(رخصت اے بزم جہاں)

۳ - نہنگ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگ مردہ کو موج سراب بھی زنجیر (ضرب کلیم)

مد و جزر کی تشبیہ بھی انگریزی شاعری سے ماخوذ ہے -

تو معنی والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج (ضرب کلیم)

ان آبی یا بحری تشبیہات کے بعد اب ایسی تشبیہات ملاحظہ کیجئے۔ جن کو بعض وجوہات کی بنا پر انگریزی سے ماخوذ سمجھنا چاہیے - شیشے سے دل کو تشبیہ دی جاتی ہے اور آئینے سے بھی مگر ''شیشے کے گھر،، ایسی تشبیہ ہے جو انگریزی میں عام ہے اور ایک محاورہ بھی بہت مشہور ہے ''وہ لوگ جو شیشے کے گھروں میں رہتے ہیں، انہیں دوسروں پر پتھر پھینکنا نہیں چاہیے اس لئے "شیشہ کے گھر"، "شیشہ کی دوکان" اور "شیشے کا بدن" اس خیال کی حامل تشبیہات کو انگریزی سے ماخوذ سمجھنا چاہیے -

۱ - بارش سنگ حوادث کا تماشائی بھی ہو
اُمت مرحوم کی آئینہ دیواری بھی دیکھ (غزہ شوال)

۲ - جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ، ہو نہ سکے گا حریف سنگ (ضرب کلیم)

۳ - زجاج گر کی دکاں شاعری و ملائی
ستم ہے خوار پھرے دشت و در میں دیوانہ (ضرب کلیم)

۴ - کیوں مسلماں نہ خجل ہو تری سنگینی سے
کہ غلامی سے ہوا مثل زجاج اس کا وجود
(ضرب کلیم ، مسجد قوت الاسلام)

۵ - اے وائے آبروئے کلیسا کا آئنہ
روما نے کر دیا سر بازار پاش پاش (ضرب کلیم)

"عزلت خانہ" کی تشبیہ بھی انگریزی سے ماخوذ ہے :-

۱ - نعرہ زن رہتی ہے کوئل باغ کے کاشانہ میں
چشم انساں سے نہاں ، پتوں کے عزلت خانہ میں
(گورستان شاہی)

۲ - جو نغمہ زن تھے خلوت اوراق میں طیور
رخصت ہوئے ترے شجر سایہ دار سے
(پیوستہ رہ شجر سے)

پتوں کا عزلت خانہ یا "خلوت اوراق" ایک ہی بات ہے -

"دختر"، کی تشبیہات بھی انگریزی سے ماخوذ ہیں - اُردو اور فارسی کے کسی شاعر نے "ابر"، یا "صبح"، کو دختر سے تشبیہ نہیں دی - نہ ہی زلزلوں ، بجلیوں اور قحط و آلام کو کسی نے "دختران مادر ایام" کہا ہے -

۱ - پھرتی ہے وادیوں میں کیا دختر خوش خرام ابر
کرتی ہے عشقبازیاں سبزۂ مرغزار سے (شاعر)

۲ - ہو رہی ہے زیر داماں افق سے آشکار
صبح ، یعنی دختر دوشیزۂ لیل و نہار (نمود صبح)

۳ - زلزلے ہیں ، بجلیاں ہیں ، قحط ہیں ، آلام ہیں
کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں

(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

''گندے انڈے،، کی تشبیہ بھی انگریزی سے آئی ہے :-

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے (ظریفانہ)

''جمہوریت،، کے متعلق اکثر تشبیہات انگریزی سے ماخوذ ہیں ۔

۱ - ہے وہی ساز کہن ، مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

۲ - دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

۳ - مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

۴ - گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس ، الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

ارباب سیاست کے متعلق بھی اکثر تشبیہات انگریزی سے ماخوذ ہیں ۔ مثلاً

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

(بال جبریل صفحہ ۲۱۵)

ڈراما ، سین اور پردہ اٹھنا ۔ یہ تشبیہات و استعارات بھی انگریزی سے اردو میں آئے ہیں ۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مد نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ (ظریفانہ)

''نقطۂ جاذب،، انگریزی سے ماخوذ ہے۔

آہ یزب دیس مسلم کا ہے تو ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب، تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
(بلاد اسلامیہ)

صیاد اجل فارسی کی تشبیہ ہے مگر اس صیاد کا تاریکی میں تیر مارنا یہ ثابت کرتا ہے کہ تفصیل کے لحاظ سے یہ انگریزی تشبیہ معلوم ہوتی ہے:

آرزو کو خون رلواتی ہے بیداد اجل
مارتا ہے تیر تاریکی میں صیاد اجل (داغ)

''پیر فلک کا دست رعشہ دار میں جام اٹھانا،، انگریزی تشبیہ ہے۔

شراب سرخ سے رنگین ہوا ہے دامن شام
لئے ہے پیر فلک دستہ رعشہ دار میں جام (کنار راوی)

''اس سر زمین کو جنت کی مانند بنانا،، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ایک عام تشبیہ ہے۔ مثلاً ہم محنت کریں گے۔ پھل اور پھول اگائیں

گے اور اپنے وطن کو جنت کی مانند بنائیں گے ۔ اس میں وجہ شبہ پھلوں اور پھولوں کی کثرت ہے ۔ اقبال ایک نئی وجہ تشبیہ بیان کرتے ہیں جو مغربی علوم سے مختص ہے اور اس لحاظ سے ان کی درج ذیل تشبیہ بھی انگریزی تشبیہات میں شامل کی جا سکتی ہے :-

کیا اسیر شعاعوں کو، برق مضطر کو
بنا دی غیرت جنت یہ سر زمیں میں نے

(سرگزشت آدم)

شعاعوں کو قید کر کے اور برق کو اپنا مطیع و منقاد بنا کے ان دونوں سے انسان نے ایسے ایسے کام لئے ہیں جن سے یہ سرزمین ، یہ دنیا ، جنت کی مانند بن گئی ہے ۔ اس وجہ شبہ کے لحاظ سے یہ تشبیہ بھی انگریزی تشبیہات میں شامل ہو گئی ہے ۔

''حسن و عشق'' (بانگ درا صفحہ ۱۲۱) میں تشبیہات کے پیش کرنے کا انداز بالکل مغربی ہے ۔

جس طرح ڈوبتی ہے کشتی سیمین فلک
نور خورشید کے طوفان میں ہنگام سحر

جیسے ہو جاتا ہے گم نور کا آنچل لے کر
چاندنی رات میں مہتاب کا ہمرنگ کنول

جلوۂ طور میں جیسے ید بیضائے کلیم
موجۂ نکہت گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سیل محبت میں یونہیں دل میرا

تو جو محفل ہے تو ہنگامۂ محفل ہوں میں
حسن کی برق ہے تو عشق کا حاصل ہوں میں

تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شام غربت ہوں اگر میں تو شفق تو میری

مرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
تری تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حسن کامل ہے ترا عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغ سخن کے لئے تو باد بہار
میرے بیتاب تخیل کو دیا تونے قرار

قافلہ ہو گیا آسودۂ منزل میرا

بازیچہ اطفال ، بازی طفلاں ، بازی گر وغیرہ کی تشبیہات قدیم ہیں لیکن "بازی گاہ" کی تشبیہ مغربی ادب کی خوشہ چینی کی غماز ہے ۔

۱ ۔ اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی جسے
دست قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لئے (ہمالہ)

۲ ۔ تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی (صقلیہ)

"شعاع آفتاب،، (بانگ‌درا صفحہ ۲۶۷) میں ایک عجیب استعارہ ہے۔ شاعر شعاع آفتاب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے ۔

تو کوئی چھوٹی سی بجلی ہے کہ جس کو آسماں
کر رہا ہے خرمن اقوام کی خاطر جواں

اگرچہ خرمن اقوام عالم کی خاطر کسی بجلی کو پالنا یا جوان کرنا ایک نامانوس استعارہ ہے تاہم یہ استعارہ بھی انگریزی سے متاثر ہے ۔

اردو یا فارسی شاعری میں ایسی کوئی تشبیہ یا استعارہ نہیں ملتا ۔

جیسا کہ ہم اس مضمون کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں ۔ اقبال کی ایسی تشبیہات کو جن پر انگریزی یا مغربی ادب کا اثر نمایاں ہو ۔ تلاش کرنے کے لئے ہم نے چند اصول پیش نظر رکھے ہیں اور ان اصولوں کے مطابق ہم نے مندرجہ بالا تشبیہات کا انتخاب کیا ہے ۔ یہ مضمون یا موضوع بالکل نیا ہے اور ابھی تک کوئی مضمون یا کتاب یا مقالہ اس موضوع پر ہماری نظر سے نہیں گزرا ۔ اس لئے امید ہے کہ قارئین کرام ہماری اس کوشش کو بنظر استحسان دیکھیں گے ۔

ساتواں باب

(بعض اہم تشبیہات)

اس باب میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بعض ایسی تشبیہات پر تبصرہ کیا جائے گا جو تشبیہات اقبال کا نہایت اہم حصہ ہیں لیکن اُن کو گذشتہ ابواب میں پیش نہیں کیا گیا :—

(ا) حروف مفردہ اور شعری اصطلاحات کی تشبیہات ۔

(ب) تشبیہات اقبال اپنے متعلق ۔

(ج) خودی کی وضاحت کے لئے تشبیہات ۔

(د) عشق اور عقل کے لئے تشبیہات ۔

(ر) قوت و شوکت کی تشبیہات ۔

(س) نئی تعلیم اور تہذیب حاضر کی توضیح کے لئے تشبہات ۔

(ص) مرد مومن—تشبیہات کے آئینے میں ۔

(ط) نادر اور فقید المثال تشبیہات ۔

(ا) ۔ حروف مفردہ اور شعری اصطلاحات سے تشبیہات وضع کرنا ۔

فارسی اور اردو کے قدیم شاعروں نے حروف مفردہ یا شعری اصطلاحات سے تشبیہات پیدا کی ہیں ۔ مثلاً قد کو الف سے ، زلف کو

لام سے یا جیم سے اور آنکھوں کو عین (ع) سے تشبیہ دی ہے۔ نظامی گنجوی نے ضعیف آدمی کے قد خمیدہ کو دال (د) سے تشبیہ دی ہے ۔ مندرجہ ذیل تشبیہات پر ایک نظر ڈالیے :-

(حروف مفرد)

نیست بر لوحِ دلم جز الف قامتِ یار
چکنم حرفِ دگر یاد نداد استادم (حافظ)

آفریں باد بران عارضِ پاکیزہ چو سیم
وان دو زلفینِ سیاہِ تو بدان شکلِ دو حیم (اسکافی)

در جہانی و از جہاں بیشی
ہمچو معنی کہ در بیان باشد (انوری)

ہوا حمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا (ذوق)

لام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے
" " " " اس لام کے (سودا)

کہیں ہیں زلف کو سب دیکھ اس روئے مخطط پر
یہ لام انزدو کیوں قرآن کی نفسیر پر لکھا (سودا)

شعری اصطلاحات ۔

مصرع۔ مصرعِ زلف کا نہ پایا پیچ
شاعروں نے بھی فکر کر دیکھا (میر)

مصرع

جگہ دی نالۂ دل کو تری زلفِ چلیپا میں
یہ مصرع کر کے موزوں ہم نے اس زنجیر پر لکھا (سودا)

" دنداں مثالِ در ہیں دہن میں جو یار کے
مصرع مری زبان کا بھی سلک گہر میں ہے (سودا)

" لائق تھا ریجھنے کے ہی مصراعِ قدِ یار
میں معتقد ہوں میر ترے انتخاب کا (میر)

" کوئی جب مصرع برجستہ پڑھتا ہے مرے آگے
مجھے بے ساختہ وہ سروِ موزوں یاد آتا ہے (تاباں)

تضمین

آس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے
جی میں ہے اک مصرع رنگیں کو تضمیں کیجئے (داغ)

سطر

سطر زلف آئی ہے آس روئے مخطط پہ نظر
یہ عبارت نئی لاحق ہوئی قرآن کے ساتھ (سودا)

مضمون اور نظم

اسد اٹھنا قیامت قامتوں کا وقت آرائش
لباس نظم میں بالیدن مضمون عالی ہے (غالب)

علی ہذالقیاس

اقبال کے کلام میں بھی ایسی تشبیہات کا کافی ذخیرہ ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل چند ایک تشبیہات ملاحظہ کیجئے :-

حرف

حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
(بال جبریل صفحہ ۱۷۴)

حرف و معنی

ارتباط حرف و معنی ، اختلاط جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے
(ضرب کلیم صفحہ ۵۲)

الفاظ و معانی

کہتے تھے کہ پنہاں ہے تصوف میں شریعت
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں معانی
(زہد اور رندی)

تمہید

ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقل انسانی ہے فانی زندۂ جاوید عشق (فلسفہ غم)

مطلع اور مضمون

مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوتگاہ مینا میں شراب خوشگوار (نمود صبح)

مطلع اور دیوان

مطلع اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو
سوئے خلوتگاہ دل دامن کش انساں ہے تو (ہمالہ)

مضمون اور ناظم

مضمون فراق کا ہوں ثریا نشاں ہوں میں
آہنگ طبع ناظم کون و مکاں ہوں میں (شمع)

مضمون باندھنا اور دیوان میں تحریر کرنا :-

باندھا مجھے جو اس نے تو چاہی مری نمود
تحریر کر دیا سر دیوان ہمت و بود (شمع)

بندش اور مضمون

گوہر کو مشت خاک میں رہنا پسند ہے
بندش اگرچہ سست ہے مضموں بلند ہے (شمع)

صیغے اور مصدر

انتہائے نور سے ہر ذرہ اخترخیز ہے
مہر و ماہ و مشتری صیغے ہیں اور مصدر زمیں (سرود رفتہ)

صحیفہ اور تفسیر

انجمن حسن کی تو ہے تری تصویر ہوں میں
عشق کا تو ہے صحیفہ تری تفسیر ہوں میں
(انسان اور بزم قدرت)

حقیقت اور مجاز

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہے حیات
پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں
(شفاخانۂ حجاز)

سخن گستر

بسکہ گلشن ریز ہے ہر قطرۂ ابر بہار
ہے شگفتہ صورت طبع سخن گستر زمیں (سرود رفتہ)

کتاب ، مکتب اور طفل مکتب سے وضع کی ہوئی تشبیہات بھی اسی ضمن میں دیکھئے ۔

فسانۂ ستم انقلاب ہے یہ محل
کوئی زبان سلف کی کتاب ہے یہ محل (کنار راوی)

نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلک سیماب پا ہوں مکتب ہستی میں میں (ماہ نو)

"خامہ،، اگرچہ شعری اصطلاح نہیں ہے لیکن اشعار کو لکھنے کا آلہ تو ضرور ہے ۔ اس سے بھی ایک عمدہ تشبیہ وضع کی گئی ہے ۔

مانند خامہ تیری زباں پر ہے حرف غیر
بیگانہ شے پہ نازش بے جا بھی چھوڑ دے (غزلیات)

ب ۔ تشبیہات اقبال ، اپنے متعلق :

عربی ، فارسی اور اردو کے تقریباً تمام شعراء کا یہ شعار رہا ہے کہ اپنے متعلق یا اپنے اشعار کے متعلق فخریہ اشعار بھی کہتے چلے آ رہے ہیں ۔ عرب کے شاعروں نے اپنے اپنے خاندان یا قبیلوں کی تعریف میں بڑے پرجوش شعر کہے ہیں اور اپنی شاعری پر بھی فخر کا اظہار کیا ہے نشامہ بن حزن نہشلی اپنے فخریہ اشعار میں کہتا ہے :۔

"ہم نہشل کے پوتے ، نہشل کے پوتے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور نہشل ہمارا دادا ہونے پر فخر کرتا ہے ۔

عزت اور برتری کی کسی بھی حد تک گھوڑے دوڑائے جائیں تو سب سے آگے بڑھنے والے جب پاؤ گے بنی نہشل کے ہی گھوڑے پاؤ گے ۔

ہم میں سے کوئی سردار جب تک کہ کوئی لڑکا اپنا جانشین بننے کے لائق نہیں چھوڑتا دنیا سے نہیں اٹھتا ۔

لڑائی کے دن ہم اپنی جانیں سستی کر دیتے ہیں مگر امن کے زمانے میں اگر ان کی قیمت پوچھئے تو انمول ہیں ۔

ہماری مانگوں کے بال (عطریات کے استعمال سے) سفید ہیں ۔ ہماری دیگیں مہمانوں کے لئے گرم ہیں ۔ ہمارا مال مقتولوں کے خوں بہا کے لئے وقف ہے ۔

میں اس قوم سے جس کے بزرگوں نے دشمنوں کے اتنا کہنے پر کہ کہاں ہیں قوم کے حامیتی ؟ اپنے آپ کو نیست و نابود کر دیا ۔

اگر برابر میں ہمارا ایک بھی موجود ہو تو بھی جب یہ کہا جائے گا کہ کون ہے شہسوار ؟ تو اس کی اپنے ہی پر نگاہ پڑے گی ۔

ہمارے لوگوں پر کیسی ہی سخت مصیبت پڑے ۔ ان کو اوروں کی طرح اپنے مقتولوں پر روتا ہوا نہ پاؤ گے ۔

ہم اکثر ہولناک موقعوں میں گھس جاتے ہیں ۔ مگر حمیت اور تلواریں جنھوں نے ہم سے قول ہارا ہے ۔ ہماری سب مشکلیں آسان کر دیتی ہیں ۔

بحوالہ مقدمہ شعر و شاعری
باب "جوش سے کیا مراد ہے"

عربی ادب میں فخریہ شاعری کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں ۔ ہم اس جگہ امراءالقیس کی دو مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔ پہلی مثال اپنی ذات پر فخر کرنے کی ہے اور دوسری اپنی شاعری پر ۔ لیکن دونوں مثالیں ایسی ہیں کہ ان پر مبالغہ کا گمان نہیں گزرتا ۔

(۱) "میں نے نیزہ اٹھایا جس کا پھل اس شعلۂ آتشیں کی مانند تھا ۔ جس سے دھواں لگا لپٹا نہ ہو ۔"

(۲) "میں قوافی کو جب وہ مجھ پر ہجوم کر کے آتے ہیں یوں ہٹاتا ہوں جیسے کوئی تیرپر چھوکرا اپنے کھیت میں گرتی ہوئی ٹڈی کے دل کو ۔ لیکن جب بہت سی ہو جائیں اور آسے تھکا ماریں تو وہ ان میں سے پانچ چھ اچھی اچھی چن لے ۔ میں بھی ان قوافی میں سے مرجان مرجان الگ نکال لیتا ہوں اور اچھے اچھے موتی رول لیتا ہوں ۔"

(بحوالہ مرآۃالشعر مصنفہ عبدالرحمن صفحہ ۱۷)

ایران کئی بار غیروں کے پاؤں تلے روندا گیا ۔ اس وجہ سے ایرانی شاعروں کے پاس اپنی قوم کے حربی کارناموں پر فخر کرنے کے لئے کچھ ایسا شاندار مواد نہ تھا ۔ تاہم انہوں نے اپنے اپنے ممدوحین کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دئے ۔ اور بڑے بڑے شاندار قصیدے کہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض شعراء نے ببانگ دہل اور بعض نے دبی آواز سے اپنے اشعار کی تعریف کی ۔ اور کردار کی تعریف کی کمی کو گفتار کی تعریف کی زیادتی سے پورا کر دیا ۔

عباس مروی فارسی شاعری کے اولیں دور کے شاعروں میں سے ہے ۔ اس سے ایک قصیدہ بزبان فارسی منسوب ہے جو اس نے مرو میں مامون

رشید کے ورود پر یعنی ۱۹۳ ہجری میں لکھا ۔ اس قصیدہ کے آخر میں عباس کہتا ہے کہ فارسی زبان میں اس طرح کا قصیدہ لکھنا مجھ سے پہلے کسی شاعر کو نصیب نہ ہو سکا :-

کس بریں منوال پیش از من چنیں شعری نگفت
مر زبان پارسی را ہست تا ایں نوع بین

فردوسی اپنے کلام کے متعلق نہایت وثوق سے کہتا ہے کہ میں نے نظم کا ایک ایسا عالی شان محل کھڑا کر دیا ہے کہ جس کو باد و باران سے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ۔ میں نے تیس سال بڑے دکھ اٹھائے ہیں ۔ لیکن ایران کو اس فارسی (نظم) سے زندہ کر دیا ہے :-

پے افگندم از نظم کاخ بلند
کہ از باد و باراں نیابد گزند

بسی رنج بردم دریں سال سی
عجم زندہ کردم بدیں پارسی

انوری کہتا ہے کہ صرف شاعری ہی میرے لئے ذریعۂ عزت نہیں ۔ میں علوم منطق ، حکمت ، الٰہیات اور موسیقی وغیرہ میں بھی ماہر ہوں ۔

منطق و موسیقی و حکمت شناسم اندکی
راستی گویم نہ گویم با نصیبی وافرم

وز الٰہی آنچہ تصدیقش کند عقل صریح
گر تو تصدیقش کنی در شرح و بسطش ماہرم

نیستم بیگانہ از اعمال و احکام نجوم
ور ہمی باور نداری رنجہ شو من حاضرم

شیخ عطار نے اپنے اشعار کے متعلق فرمایا کہ حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر اس وقت تک کسی شخص نے کسی شاعر کے خزانے میں ایسے قیمتی جواہرات نہیں دیکھے - جیسے کہ عطار کے خزانے میں موجود ہیں :-

بشعر خاطر عطار ہمدم عیسیٰ است
از انکہ ہست چو موسیش صد یدبیضا

ز وقت آدم تا ایں زماں نیافت کسی
نظیر ایں گہر اندر خزانۂ شعراء

رشید وطواط شاعر بھی تھا اور خوشنویس بھی - وہ اپنے ان دونوں فضائل کی یوں تعریف کرتا ہے :-

از نظم من برند بہر خطہ یادگار
از نثر من زنند بہر بقعہ داستاں

ہم کاتب بلیغم و ہم شاعر فصیح
ہم صاحبِ بیانم و ہم حاکم بناں

شیخ سعدی رح فرماتے ہیں کہ میں نے ملکِ سخن کو تیغ فصاحت سے فتح کر لیا ہے اور اب یہ اقلیم میرے قبضہ و اختیار میں ہے - حافظ اپنے ہم عصر شاعروں کو "سست نظم" اور "حاسد" کہتے ہیں - اور اپنے اشعار کو قبول عام کی خلعت یوں پہناتے ہیں :-

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ
قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است

غرض فارسی زبان کے تمام شاعر اپنی یا اپنے کلام کی مدح میں کم و بیش ضرور رطب اللساں رہے ہیں ۔ اور اسی طرح اپنی مدح کرنا یا اپنے اشعار کی تعریف کرنا گویا ایک قسم کی سنتِ شعراء بن گئی ۔

اردو شاعری نے فارسی شاعری کی گود میں پرورش پائی اور فارسی شعراء کے آزمائے ہوئے راستوں پر قدم فرسا ہوئی ۔ اور اس طرح "در مدح خود" کہنے کی سنتِ شعراء پر عمل پیرا ہوئی ۔ اردو زبان کے شاعر الا ما شاء اللہ ، اپنی یا اپنے کلام کی تعریف میں اشعار کہنا ضروری خیال کرتے رہے ۔ میر تقی میر پہلے ذرا دبی آواز سے کہتے ہیں :-

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

پھر نہایت وثوق سے ببانگ بلند یوں فرماتے ہیں :-

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہے

غالب کہتے ہیں :-

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

ذوق اپنے متعلق کہتے ہیں :-

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق و گرنہ
ہر فن میں ہوں طاق مجھے کیا نہیں آتا

میر انیس کہتے ہیں کہ مضامین نو کی تخلیق میں کرتا ہوں اور دوسرے شاعر میرے خوشہ چیں ہیں ۔

داغ کہتے ہیں کہ اردو زبان کو میں ہی جانتا ہوں ۔ اور میری شاعری کی وجہ سے ہی سارے جہان میں اردو زبان کی دھوم ہے ۔

ان چند مثالوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اقبال کے پیشرو اپنی اپنی شاعری یا اپنی زباندانی پر فخر کرتے رہے ہیں ۔ اقبال نے بھی قدماء کی اس روش پر گامزن ہوتے ہوئے ایک آدھ شعر اپنے کلام کی تعریف میں کہا ہے ۔ مثلاً

کبھی ذکر رہتا ہے اقبال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی (غزلیات)

یا
اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا
(بانگ درا ۔ آخری شعر)

لیکن کلام اقبال کے مطالعہ سے یہ بات جلد ہی مبرہن ہو جاتی ہے کہ اس قسم کی مدح سرائی انہوں نے بہت ہی کم کی ہے ۔ جو النادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے ۔ اقبال نے بہت جلد اپنا اور اپنے ماحول کا جائزہ لینا شروع کیا ۔ اور شاعری کی مسلمہ روایات اور مروجہ اقدار کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایک نئے دور کا آغاز کیا ۔ ابتدا میں انہیں یوں محسوس ہوا کہ وہ شعر کے ذریعے جو جادو جگانا چاہتے ہیں ۔ شاید اس میں کامیاب نہ ہو سکیں ۔ اور اپنی قوم کو خواب غفلت سے بیدار نہ کر سکیں ۔ اس تنہائی کا انہوں نے یوں اظہار کیا :۔

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا (ترانہ ہندی)

لیکن ان کے کلام میں ایسی تاثیر تھی کہ بہت جلد آن کو محرم راز اور درد آشنا دوست مل گئے چنانچہ فرمایا :-

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

(بال جبریل صفحہ ۹۰)

کلام اقبال کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نفسیاتی کیفیات اور ذہنی واردات کے لحاظ سے اقبال مختلف مراحل سے گزرے ہیں ۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جب انہوں نے مسلمانوں کو من حیث الجماعت بڑا پسماندہ اور پریشان حال پایا ۔ جو تسبیح کے دانوں کی طرح رشتہٗ تسبیح کے ٹوٹ جانے سے بکھرے پڑے تھے ۔ اور اقبال نے عہد کیا :-

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کا
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کرکے چھوڑونگا

(تصویر درد)

اور اقبال اپنے مقصد کو پانے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے ۔ اس مرحلہ میں انہیں اپی تنہائی اور اکیلے پن کا بڑی شدت سے احساس تھا ۔ دوسرا مرحلہ وہ ہے جب انہیں کئی اور رازداں بھی مل گئے ۔ ہمسفر اور رفیق راہ ملنے سے منزل آسان ہو گئی ۔ اور آخر ایسے مقام پر جا پہنچے جہاں انہوں نے پورے وثوق ، اخلاص اور اعتماد کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا اور اپنے پیام کو لوگوں تک پہنچایا ۔

مذکورہ بالا تین حالتوں میں انہوں نے اپنے کلام کے متعلق بہت کچھ کہا ہے ۔ ہم صرف آنہی مثالوں پر اکتفا کریں گے ۔ جن میں

علامہ اقبال نے اپنے کلام کو ان مختلف مراحل میں مختلف تشبیہات کے لباس میں پیش کیا ۔

''نالہ یتیم،، اور ''یتیم کا خطاب ہلال عید سے،، یہ دو نظمیں ظاہر کرتی ہیں کہ اقبال شروع سے ہی مسلمانوں کی حالت زار سے بہت متاثر ہو چکے تھے ۔ وہ کاروان اسلام کی صحیح منزل کی طرف رہنمائی کرنا چاہتے تھے ۔ مسلمان اُن کے نزدیک بھٹکے ہوئے آہو کی مانند تھے جو شہر کا خوگر ہو کر وسعت صحرا کو بھول چکا ہے ۔ اس ابتدائی منزل میں اقبال نے اپنے کلام کو اور اپنی ذات کو ''بانگ درا،، سے تشبیہ دی ہے ۔

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کاروان ہمارا (ترانہ ملی)

کارواں سے گذر گیا آگے
مثل آوازۂ درا ہوں میں (سرود رفتہ)

قدیم ایام میں جب کہ سفر واقعی سفر ہوتا تھا ۔ سفر میں بے شمار صعوبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا ۔ اکیلے سفر کرنا ناممکن تھا۔ چور، ڈاکو ، ٹھگ اور قزاق قدم قدم پر رہزنی کرتے تھے ۔ اُس زمانے میں لوگ قافلے یا کارواں بنا کر سفر کیا کرتے تھے ۔ امیر کارواں کے حکم پر کارواں قیام اللیل کے لئے کسی مناسب مقام پر پڑاؤ ڈال دیتا تھا ۔ اگلے دن امیر کارواں کے حکم سے قافلہ روانہ ہوتا تھا ۔ ایک گھنٹی زور زور سے بجائی جاتی تھی ۔ اس گھنٹی کی آواز کو ''بانگ درا،، کہتے ہیں۔ بانگ درا اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ قافلہ روانہ ہو رہا ہے ۔ جو رہ گیا سو رہ گیا ۔ یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد ۔

اقبال نے کارواں ، امیر کارواں ، بانگ درا ، منزل ، راہی وغیرہ تشبیہات کو مسلمانوں کی حالت بیان کرنے کے لئے اور اپنے پیام کے اظہار و ابلاغ کے لئے زیادہ موزوں پایا ۔ چنانچہ اُن کے کلام میں یہ تشبیہات کئی جگہ نظر آتی ہیں ۔

۱ ۔ پھول بے پروا ہیں تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آواز درا ہو یا نہ ہو
(شمع اور شاعر)

۲ ۔ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
(شمع اور شاعر)

۳ ۔ کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی
(بال جبریل صفحہ ۲۸)

۴ ۔ پوچھ اُس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی
تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی
(بال جبریل صفحہ ۵۵)

۵ ۔ پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جسکی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے (طلوع اسلام)

۶ ۔ ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں (غزلیات)

۷ ۔ قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا
غیر یک بانگ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
(جواب شکوہ)

اسی دور میں اقبال نے اپنے لئے ایک اور تشبیہ کا انتخاب کیا وہ بلبل سے تشبیہ ہے ۔ اسلام کا چمن خزاں کے ہاتھوں پامال ہو گیا ہے ۔ ہر پھول کملایا ہوا اور بے حال ہے ۔ ایک خستہ حال بلبل زار ہے جو اس گلشن کی تباہی اور پامالی پر گریہ کناں ہے ۔

۱ ۔ عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پرداز چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک (شکوہ)

۲ ۔ میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے (دعا)

شاعر مشرق جب عالم خیال میں حضور رسالتمآب میں حاضر ہوتے ہیں تو حضور کی زبان سے بھی اپنے لئے ''عندلیب باغ حجاز'' کی تشبیہ کو زیادہ باعث فخر سمجھتے ہیں :-

۳ ۔ کہا حضور نے اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمی نوا سے گداز
(حضور رسالتمآب میں)

پرندوں کی آواز ، بالخصوص بلبل کی آواز ، نوا کہلاتی ہے ۔ جب تشبیہاً اقبال بلبل یا عندلیب ٹھہرے تو اُن کے اشعار ، نوائے بلبل یا نوائے عندلیب ہوں گے ۔ چنانچہ ان اشعار میں بلبل کی تشبیہ کی مناسبت سے اپنے اشعار کو ''نوا'' سے تعبیر کیا ہے ۔

۴ ۔ چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں
جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں (شکوہ)

۵ - پھول بے پروا ہیں تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آواز درا ہو یا نہ ہو

(شمع اور شاعر)

اب نوا پیرا ہے کیا ، گلشن ہوا برہم تیرا
بے محل تیرا ترنم نغمۂ بے موسم ترا

اسی ابتدائی دور میں اقبال نے اپنے لئے تیسری تشبیہ جو حسب حال خیال کی وہ ''شمع'' ہے - بچے کی زبان سے کہلوایا ہے - کہ

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے (بچے کی دعا)

پھر ''عبدالقادر کے نام'' میں یوں رقم طراز ہوئے کہ ہمیں شمع کی طرح دنیا میں زندگی بسر کرنا چاہئے - خود جلیں اور دوسروں کو روشنی دینے کا باعث بنیں -

شمع کی طرح جئیں بزمگہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

(عبدالقادر کے نام)

شمع کی طرح خود جل کر دوسروں کے لئے روشنی اور رہنمائی کا سامان فراہم کرنا ایک مثالی زندگی ہے اور اقبال امید اور رجائیت کے شاعر ہیں - تاہم معلوم ہوتا ہے کہ وہ یاس اور قنوطیت کے پرآشوب دور سے بھی گذرے ہیں - چنانچہ شمع کی تشبیہ میں ہی ان کے یہ دو شعر بڑے یاس انگیز ہیں -

۱ - ملا محبت کا سوز مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
مثال شمع مزار ہے تو مری کوئی انجمن نہیں ہے (غزلیات)

۲ - صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری
آہ اے رات بڑی دور ہے منزل میری
(رات اور شاعر)

تیسرے مرحلے میں انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں اپنے کلام کی تعریف کی ہے - لیکن یہ تعریف محض شاعرانہ تعلی نہیں - حقیقت پر مبنی ہے - فرمایا کہ :-

مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز
جہاں میں ہوں میں مثال سحاب دریا پاش
(ایک خط کے جواب میں)

پھر مسلمانوں کو پستی اور قعر مذلت میں گرا ہوا دیکھ کر نصیحت کی کہ اے مسلم ! تو زمانے کی اس اندھیری رات میں اپنے قافلے سے بچھڑ گیا ہے - اس تاریکی کو دور کرنے کے لئے اور اپنی منزل کی طرف یقین کے ساتھ گامزن ہونے کے لئے تجھے ایک قندیل کی ضرورت ہے - او میرے اشعار (مرا شعلۂ نوا) تیرے لئے قندیل کا کام دیں گے -

اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لئے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل
(بال جبریل صفحہ ۳

دانش حاضر کو آگ کے عذاب سے تشبیہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں میں بھی مثل خلیل اس آگ میں ڈالا گیا - لیکن خدا کے فضل و

سے اس آگ سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا ۔ لیکن عام مسلمانوں کو صحیح مذہبی تربیت نہ ملنے کی وجہ سے بہت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے ۔

عذاب دانش حاضر سے با خبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

(بال جبریل صفحہ ۹۲)

اور اب دیکھئے کہ اپنے فکر بلند کی تعریف کتنے وثوق اور یقین سے کرتے ہیں :-

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی

(بال جبریل صفحہ ۱۰۹)

خدا مسلمانوں کو ان کے فکر بلند سے بہرہ اندوز ہونے کی توفیق عطا کرے ۔

ج ۔ خودی کی وضاحت کرنے والی تشبیہات :

"خودی" اور "بیخودی" ایک ایسا فلسفہ ہے جس کے خالق ، جس کے پیش کرنے والے اور جس کی توضیح و تشریح کرنے والے حکیم ملت ، شاعر مشرق ، علامہ اقبال خود ہیں ۔ اس فلسفہ کی وضاحت کے لئے علامہ اقبال نے فارسی نظم میں دو کتابیں لکھی ہیں ۔ پہلی کا نام "اسرار خودی" ہے اور دوسری کا عنوان "رموز بیخودی"، علامہ اقبال نے سب سے پہلے اپنا جو کلام چھپوایا اور جس کے ذریعے انہوں نے اپنا تعارف ادبی اور علمی حلقوں سے کرایا ۔ آن کی یہی دو کتابیں ہیں ۔ انہی کتابوں میں انہوں نے ایسے اچھوتے نظریات پیش کئے ہیں کہ جن سے اقبال کی

شہرت نہ صرف اسلامی دنیا میں بلکہ دور دراز مشرق اور مغربی دنیا میں بھی پھیل گئی -

اقبال کے فلسفہ خودی پر دانشوروں اور عالموں نے ہر پہلو سے نظر ڈالی ہے اور اس موضوع پر مشرق و مغرب کے نقادان فن اور ادیبوں نے بڑے بڑے فاضلانہ مضامین لکھے ہیں - اور خودی اور بیخودی کی وضاحت کرنے کے لئے بڑا زور قلم دکھایا ہے - اس فلسفہ پر مفصل بحث کرنا ہمارے موجودہ موضوع سے خارج ہے تاہم مختصر الفاظ میں اس فلسفہ کا لب لباب یوں بیان کیا جا سکتا ہے -

فطرت نے انسان کو جسم کے ساتھ ذہن بھی عطا کیا ہے - اسی عطیہ کی بدولت انسان اشرف المخلوقات ہے- جسمانی قوت سے انسان بے شمار کام لیتا ہے - اپنے اور اپنے عزیزوں کے لئے روزی کماتا ہے - مصائب اور شدائد کو برداشت کرتا ہے - اپنا اور اپنے اعزہ کا دفاع کرتا ہے - دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے - گھر باہر کی حفاظت کرتا ہے - ملک کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے شر سے ملک کو محفوظ رکھتا ہے - پہاڑ کاٹتا ہے ، نہریں نکالتا ہے - دریاؤں کے رخ بدل دیتا ہے - اپنی اور اپنے ہم وطنوں کی جان و مال کی حفاظت کرتا ہے - غرض جسمانی طاقت انسان کے بہت کام آتی ہے -

ذہن سوچنے ، سمجھنے ، غور کرنے ، یاد رکھنے ، کی صلاحیت رکھتا ہے - موجود چیزوں سے نئی اختراعات کرتا ہے - نئے تجربات سے نئے نتائج حاصل کرتا ہے - روزی کمانے ، رہنے سہنے ، ارضی اور سماوی آفات سے محفوظ رہنے کے لئے نئی نئی تدابیر سوچتا ہے - اشیا کا مقابلہ کر کے ان میں تطابق یا تضاد ڈھونڈتا ہے - اشیا کے خواص معلوم کرتا ہے- ہوا سے کام لیتا ہے - پانی سے بجلی پیدا کرتا ہے - ذہن انسانی فطرت کو

مطیع و فرمانبردار بنا لیتا ہے ۔ چاند اور ستاروں پر کمند ڈالتا ہے ۔ غرض ذہن انسانی ایک بہت بڑی طاقت ہے ۔

پھر یہی ذہن انسانی ہے جو انسانی فطرت کا مطالعہ کرتا ہے ۔ انسان کے عدم و وجود پر غور کرتا ہے ۔ کائنات کی تخلیق اور کائنات کے خالق کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کرتا ہے ۔ اس کائنات کا راز دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی شبانہ روز مساعی سے اس راز کے انکشاف میں کسی حد تک کامیاب ہو جاتا ہے ۔

ذہن کئی قوتوں کا منبع ہے ۔ ان قوائے ذہنی میں سے ایک قوت ''انا'' یا ایغو کہلاتی ہے ۔ انا کیا ہے ؟ یہ انسان میں ''میں'' ہے ۔ میں یہ کہتا ہوں ۔ میرا یہ خیال ہے ۔ مجھے دیکھو ۔ میری بات ہی درست ہے وغیرہ ۔ اقبال نے اس "میں" یا "انا" یا ایغو کو خودی کا نام دیا ہے ۔ خودی کا لفظ پہلے سے اردو زبان میں موجود تھا جو تکبر اور غرور کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا ۔ اقبال نے خودی کو نئے معنے عطا کر کے اسے ایک اصطلاح بنا دیا ہے ۔ خودی خود بینی ، جہاں بینی اور خدا بینی ہے ۔ خودی تفکر اور تدبر ہے ۔ خودی انسانی طاقت کا راز ، مرغ تخیل کی پرواز لیس للانسان الا ما سعلی کی آواز ہے ۔

خودی کے اصطلاحی معنے یہ ہیں کہ فرد اپنے آپ کو پہچانے اور اس یقین کو پیدا کرے کہ میں واقعی اشرف المخلوقات ہوں ۔ میری تخلیق اس حکیم مطلق اور حاکم علی الاطلاق نے کی ہے جس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ۔ میری اڑان بہت اونچی ہے اور یہ یقین پیدا کرنے کے بعد ہمیشہ موج بحر کی صورت بیتاب رہے ۔ کہ میں بلند سے بلند

ترین مقام تک پہنچوں اور ارتقا کی منازل طے کرتا ہوا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کی کوشش کرے ۔ کسی ایک منزل پر ، کسی ایک عالم رنگ و بو پر قناعت نہ کرے اور اپنی ذاتی صلاحیت اور خارجی وسائل کے زور پر بحیثیت ایک فرد کے زیادہ سے زیادہ ترقی کرے ۔

''بیخودی،، کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ جس طرح اجزاء سے ایک ''کل،، وجود پاتا ہے ۔ اسی طرح افراد سے ایک معاشرہ ، ایک ملت یا ایک قوم وجود پذیر ہوتی ہے ۔ افراد اپنی اپنی جگہ پر ایک علیحدہ حیثیت اور مقام رکھتے ہیں لیکن ایک ملت میں سب افراد یوں شامل ہوتے ہیں جیسے پانی کے قطرے دریا یا سمندر میں ۔ فرد اور ملت لازم ملزوم ہیں ۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

فلسفہ خودی و بیخودی کا ماحصل یہ ہے کہ فرد اپنی خودی کے ظرف کے مطابق زیادہ سے زیادہ علمی ، سماجی ، اقتصادی ، معاشرتی اور سیاسی ترقی کرے اور پھر ملت کے اندر یوں گم ہو جائے جیسے قطرہ بحر میں ۔ اقبال کے نزدیک دنیا بھر کی اقوام و ملل میں سے صرف ملت اسلامیہ ہی ایک ایسی ملت ہے جو مثالی ہے اور اس قابل ہے کہ ابد تک زندہ و پائندہ رہے ۔ ملت اسلامیہ کے لئے اطاعت خدا ، اطاعت رسول اور اطاعت اولوالامر (اطاعت امیر) لازمی ہے ۔ بیخودی ایک قسم کی اطاعت ہے ۔ بے چون و چرا اطاعت ۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اقبال نے اپنے کلام میں کئی مقامات پر خودی اور بیخودی کے فلسفہ پر توضیحی اشارے کئے ہیں لیکن ہم صرف ایسے اشعار پیش کریں گے جن میں اس مہتم بالشان فلسفہ کی توضیح یا تشریح کے لئے تشبیہات سے کام لیا گیا ہے -

خودی کیا ہے ؟

۱ - یہ موج نفس کیا ہے ؟ تلوار ہے
خودی کیا ہے ؟ تلوار کی دھار ہے

(بال جبریل صفحہ ۱۷۲)

موج نفس (زندگی) کو تلوار سے اور خودی کو تلوار کی دھار سے تشبیہ دی گئی ہے -

۲ - مگر یہ پیکر خالی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زر نگار و بے شمشیر

(ضرب کلیم صفحہ ۲۸)

افرنگ زدہ مسلمان سے مخاطب ہیں کہ تیرا وجود سراپا تجلی افرنگ ہے کہ تو وہاں سے عمارت گروں کی تعمیر ہے لیکن تیرا پیکر خاکی خودی سے خالی ہے اور تو اس زرنگار نیام کی مانند ہے جس میں شمشیر کوئی نہیں -

۳ - کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں
یہ بیرنگ ہے ڈوب کر رنگ میں

(بال جبریل صفحہ ۱۴۳)

خودی کا جوہر انسان کے اندر ایسا ہی ہے جیسے چاند میں کرن یا سنگ میں شرر -

۴ - خودی شیر مولا ، جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید

(بال جبریل صفحہ ۱۷۴)

خودی خدا کا شیر ہے ۔ یہ جہاں یہ زمیں و آسماں اس کا شکار ہیں ۔

۵ - خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں
خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلۂ مرد ہیچکارہ نہیں

(بال جبریل صفحہ ٦٦)

خودی ایک بحر بیکراں کی مانند ہے جس میں باہمت شناور غوطہ زن ہو کر لالی مقاصد حاصل کر لیتے ہیں مگر یہ بات ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ۔

٦ - جوہر زندگی ہے عشق جوہر عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردگی نیام ابھی

(بال جبریل صفحہ ۱۳۸)

۷ - خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

(ضرب کلیم صفحہ ۷)

۸ - چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

(بال جبریل صفحہ ۱۱۱)

خودی تلوار کی مانند ہے - اسے تیز رکھنے کے لئے لا الہ الا اللہ پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور جب اس سان پر چڑھ کر تیغ خودی تیز ہو جاتی ہے تو ایک سپاہی میں کئی سپاہیوں کی طاقت آ جاتی ہے اور اس ایک سپاہی کا وار ایسا کاری ہوتا ہے اور اتنا کام کرتا ہے - گویا ساری فوج کا وار ہو -

نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل
(بال جبریل صفحہ ۹۲)

اس شعر میں بھی خودی کو تیغ ہی سے تشبیہ دی گئی ہے -

۱۰ - زندگانی ہے صدف قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

انسانی زندگی ایک صدف کی مانند ہے اور خودی اس قطرۂ ابر نیساں کی طرح ہے - جو صدف میں تربیت پا کر در شہوار بن جاتا ہے - اس تشبیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی خودی کے بغیر ہیچ ہے - جس طرح موتی کے بغیر صدف ناکارہ ہے -

خودی کا مسکن کہاں ہے ؟

خودی کا نشیمن تیرے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے
(بال جبریل صفحہ ۱۷۳)

خودی کی تربیت :

۱ - ہے ذوق نمود زندگی موت
تعمیر خودی میں ہے خدائی
(بال جبریل صفحہ ۷۹)

وہ زندگی جس میں ذوق نمود نہیں ہے ۔ موت کی مانند ہے ۔ اس لئے خودی کی تعمیر یا تربیت ضروری ہے ۔ اسی میں خدائی مضمر ہے ۔

۲ ۔ خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل

خودی کی تربیت علم سے کی جائے تو یہ انسان کو جبریل کی صفات سے متصف کر دیتی ہے اور اگر اس کی تربیت عشق کی اساس پر کی جائے تو یہ صور سرافیل کی مانند حشر برپا کر دیتی ہے اور انسانی زندگی کو بدل کے رکھ دیتی ہے ۔

خودی کی طاقت :

رائی زور خودی سے پربت
پربت ضعف خودی سے رائی

(بال جبریل صفحہ ۷۹)

خودی میں ایسی طاقت ہے کہ وہ رائی کو پہاڑ کی مانند مضبوط بنا دیتی ہے اور اس کے برعکس اگر پہاڑ میں خودی کی کمزوری ہے تو وہ رائی کے دانے کی مانند ہلکا اور بے زور ہو جاتا ہے ۔

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقام رنگ و بو کا راز پا جا
برنگ بحر ساحل آشنا رہ
کف ساحل سے دامن کھینچتا جا

(بال جبریل صفحہ ۱۲۰)

خودی کے عارف کو سمندر کی مانند ہونا چاہیئے ۔ جو ساحل سے اپنا تعلق بھی قائم رکھتا ہے اور کف ساحل سے اپنا دامن بھی بچائے رکھتا

ہے - یعنی دنیا میں رہو اور دنیا کی آلودگیوں سے اپنا دامن بھی بچائے رکھو -

خودی کے ضعف کے اسباب :

خودی سوال سے کمزور ہو جاتی ہے - جب ہم کسی دوسرے کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں - کسی دوسرے کا سہارا ڈھونڈتے ہیں - اپنی مدد آپ نہیں کر سکتے اور کسی دوسرے کے محتاج ہو جاتے ہیں تو گویا اپنی خودی کا اپنے ہاتھوں گلا گھونٹ دیتے ہیں اور اگر یہ گدائی جاری رہتی ہے تو خودی ضعیف ہوتے ہوتے آخرکار دم توڑ دیتی ہے - بقول شاعر

آنکہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

احتیاج شیروں کو روباہ مزاج بنا دیتی ہے - یعنی مطلب برآری کے لئے خوشامد کرنے والا ، بہانہ ساز ، عیار ، یہی احتیاج ہے - جو خودی کو کمزور کر دیتی ہے - اسی وجہ سے اقبال بار بار یہ نصیحت کرتے ہیں کہ کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرو - کسی سے کچھ نہ مانگو بلکہ دریا کے اندر رہ کر بھی اس کے محتاج نہ بنو -

چنانچہ فرمایا

١ - تو اگر خود دار ہے منت کش ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر
(شمع اور شاعر)

٢ - یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجو رہنا (تصویر درد)

استغنا سے خودی مضبوط رہتی ہے ۔ سوال سے خودی کمزور ہوتی ہے اور بے یقینی سے ، وساوس سے ، اندیشہ ہائے گوناگوں سے خودی مر جاتی ہے ۔

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

(بال جبریل صفحہ ۴۳)

مفلسی ، وفاداری اور اقتصادی بدحالی بھی خودی کی موت کا باعث ہے :

نہ ہے ستارے کی گردش نہ بازی افلاک
خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت و جاہ

(بال جبریل صفحہ ۷۰)

اقوام عالم میں وہ قوم جس کے جوانوں کی خودی فولاد کی مانند ہو سب سے زیادہ ممتاز اور بارعب ہوتی ہے ۔ ہر قوم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہے اور اسے کسی کے خلاف تلوار اٹھانی نہیں پڑتی ۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

(ضرب کلیم صفحہ ۷۰)

د ۔ عشق اور عقل کی تشبیہات :

عشق انتہائی محبت کا نام ہے ۔ عام طور پر اس سے ایک انسان کی دوسرے انسان سے محبت مراد لی جاتی ہے ۔ مجنوں کو لیلیٰ سے یا فرہاد کوہ کن کو شیریں سے عشق تھا ۔ تصوف کے تصرف سے یہ لفظ عبد

اور معبود کی محبت کے معنوں کا بھی حامل ہؤا اور ادب میں عشق مجازی اور عشق حقیقی کی اصطلاحات داخل ہو کر بزم سخن کو گلہائے رنگ رنگ سے سجا گئیں ۔ اقبال نے عشق کے معنوں میں اور وسعت پیدا کی ۔ اقبال کے نزدیک عشق انسانی جذبات میں سے سب سے زیادہ طاقتور جذبہ ہے ۔ جس سے کائنات مسخر کی جا سکتی ہے ۔ جس کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی ۔ عشق صرف ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہی نہیں ہوتا ۔ اپنے کسی مقصد سے یا نصب العین سے بھی عشق ہو سکتا ہے ۔ عشق ایک ایسی دھن یا لگن کا نام ہے کہ جس میں انسان کو اور کچھ نہیں سوجھتا ۔ صرف ایک مقصد ہی ہمیشہ اُس کے پیش نظر رہتا ہے۔ عشق ایک تند و تیز سیلاب کی مانند ہے جو ہر قسم کی رکاوٹوں، کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے ۔ عشق ایک جنون ہے جو انسان کو ایسی طاقت عطا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کسی مخالفت یا ممانعت کو خاطر میں نہیں لاتا ۔ اسی جذبہ سے فرد اپنی تکمیل کرتا ہے ۔ اسی جذبہ سے ملت ایک مقام محمود پر پہنچ سکتی ہے ۔ یہی وہ عقابی روح ہے جو آدم خاکی کو اٹھا کر عرش معلی تک لے جاتی ہے :

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

(بال جبریل صفحہ ۶۲)

عشق کے جنوں پرور ہنگاموں کے مقابلہ میں عقل بہت مصلحت اندیش ہے ۔ عقل کی مصلحت اندیشی بزدلی پیدا کرتی ہے ۔ عقل ہر قدم احتیاط سے اٹھاتی ہے ۔ کہ ع کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے ۔ مگر عشق آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے اور عقل محو

تماشائے لب بام رہ جاتی ہے ۔ اقبال عقل کی مصلحت اندیشی کو بھی ایک خاص حد کے اندر اندر ضروری سمجھتے ہیں لیکن زندگی کے بعض مراحل اس اس کے متقاضی ہوتے ہیں کہ عشق کی ہی ایک جست سے طے کئے جائیں ۔

اقبال نے فلسفۂ خودی کی مانند عشق کے مضمرات و ممکنات کو بھی انداز بیان کے مختلف پیرایوں سے ظاہر کیا ہے لیکن ہم صرف تشبیہ و استعارہ کے پیرایوں کو پیش کریں گے ۔

عشق کیا ہے ؟

ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقل انسانی ہے فانی زندہ جاوید عشق (فلسفہ غم)

ابد کو ایک قدیم کتاب کی مانند ٹھہرایا ہے ۔ عشق گویا اس کتاب کی تمہید ہے ۔ عقل انسانی فانی ہے اور اس کے مقابلے میں عشق ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے ۔

بقول حافظ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

عشق کیا ہے ۔ مزید وضاحت کے لئے ان تشبیہات و استعارات کو دیکھئے :

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ، موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

۱ عشق دم جبرئیل ، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

۲ عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

۳ عشق فقیہ حرم ، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

اے حرم قرطبہ ، عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
(بال جبریل صفحہ ۱۲۸)

عشق اصل حیات ہے ۔ عشق ایک سیل کی مانند ہے ۔ عشق صہبائے خام سے لبریز ایک بڑا پیالہ ہے ۔ جس کی مستی سے یہ پیکر گل (آدم خاکی) تابناک ہے ۔ عشق حرم کا فقیہ ہے ۔ لشکروں کا امیر لشکر ہے ۔ عشق ایک راہرو کی مانند ہے ۔ جس کے ہزاروں مقام ہیں ۔ قرطبہ کی مسجد بھی کسی کے عشق اسلام سے وجود پذیر ہوئی ۔ عشق سراپا دوام ہے ۔ جسے کبھی زوال نہیں آتا ۔

پھر فرمایا کہ عشق ایک چمکدار سچے موتی کی مانند ہے ۔

اے درد عشق ہے گہر آبدار تو
نا محرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تو (درد عشق)

عشق کی تشریح کرتے ہوئے پھر فرمایا ۔ کہ

۱ - عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے
عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے (فلسفہ غم)

۲ - عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات
(بال جبریل صفحہ ۱۵۳)

عشق اور عقل کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا ۔ کہ

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی (غزلیات)

علم اور عشق کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا :-

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات
علم مقام صفات ، عشق تماشائے ذات
(ضرب کلیم صفحہ ۱۳)

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور ، علم سراپا حجاب
(ضرب کلیم صفحہ ۱۳)

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
(بال جبریل صفحہ ۱۷)

دل محل عشق یا منزل عشق ہے ، اس لئے عقل اور دل کا مقابلہ بھی دراصل عقل اور عشق کا مقابلہ ہے۔ مندرجہ ذیل تشبیہات کو دیکھئے عقل کہتی ہے :-

۱ - کام دنیا میں رہبری ہے مرا
مثل خضر خجستہ پا ہوں میں

۲ - ہوں مفسر کتاب ہستی کی
مظہر شان کبریا ہوں میں

۳ - بوند اک خون کی ہے تو لیکن
غیرت لعل بے بہا ہوں میں (عقل و دل)

عقل کہتی ہے کہ میں خضر خجستہ پا کی مانند ہوں ۔ کتاب ہستی کی مفسر ہوں اور لعل بے بہا کے لئے رشک کا باعث ہوں ۔ اس کے جواب میں دل کہتا ہے :-

۱ - علم کی انتہا ہے بے تابی
اس مرض کی مگر دوا ہوں میں

۲ - شمع تو محفل صداقت کی
حسن کی بزم کا دیا ہوں میں

۳ - تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا
طائر سدرہ آشنا ہوں میں

۴ - کس بلندی پہ ہے مقام مرا
عرش رب جلیل کا ہوں میں (عقل و دل)

دل (عشق) بے تابی کے مرض کی دوا ہے ۔ حسن کی محفل میں چراغ کی مانند ہے ۔ اُس طائر کی مانند ہے جو زمان و مکان سے رشتہ توڑ کر یا زمان و مکان کی قید سے نکل کر سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچتا ہے ۔ دل گویا خداوند تعالیٰ کا عرش ہے ۔ اس مقابلے میں بھی دل کو جو عشق کا محل ہے ترجیح دی گئی ہے ۔

عقل اور عشق کا مقابلہ ایک اور استعارہ سے یوں کیا ہے ۔

عقل کی فوج نے ہر جنگ میں منہ کی کھائی
عشق میدان میں آیا تو ظفر یاب آیا (سرود رفتہ)

ر ۔ قوت و شوکت کی تشبیہات :

انیسویں صدی کا نصف آخر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بڑا ہی پرآشوب زمانہ تھا ۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد جب مغل حکومت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل ہو گیا ۔ تو ان کی رہی سہی امید بھی جاتی رہی ۔ انگریز حکمران ان سے بدظن تھے ۔ اس لئے اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند تھے ۔ ان کے ہم وطن ہندو جو انگریزی حکومت کا دم بھرتے تھے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے اور اجتماعی طور پر بھی معاشی اور اقتصادی ترقی کے زینے پر بتدریج بلند ہو رہے تھے اور مسلمانوں کو کمزور سے کمزور تر کرنے کی سازش میں حکومت کا ساتھ دے رہے تھے ۔ اسلام کی کشتی ایک ہولناک گرداب میں گھری ہوئی تھی اور مسلمانوں کو دور دور تک ساحل نجات نظر نہیں آتا تھا ۔

اس مایوسی اور نا امیدی کے دکھ بھرے دور میں مشیت ایزدی نے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے سر سید احمد خاں جیسا مخلص اور ہمدرد رہنما پیدا کر

دیا ۔ سید احمد خاں نے گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اسی بات میں دیکھی کہ وہ مغربی طرز کے اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پائیں ۔ انگریزی زبان سیکھیں اور اس زبان کے ذریعے مغربی علوم کی تحصیل کریں ۔ تاکہ دوسرے ہندوستانی لوگوں کے دوش بدوش کھڑے ہو سکیں چنانچہ سر سید احمد خاں نے اپنی تمام عمر اسی کوشش میں صرف کر دی کہ مسلمان نوجوان ہندو نوجوان کی طرح اعلیٰ مناصب حاصل کریں ۔ انہوں نے علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کھولا جو بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بنا ۔ لیکن ان سہولتوں کے باوجود مسلمان تعلیم جدید کی طرف بہت کم مائل ہوئے ۔

اس دور کے مذہبی رہنماؤں نے بھی انگریزی تعلیم پانے کی مخالفت کی اور بعض علماء نے مخالفت تو نہ کی لیکن مغربی تعلیم کی حمایت بھی نہ کی اور اس طرح مسلمانوں کو ایک تذبذب اور کشمکش کی حالت میں چھوڑ دیا ۔

اس دور کے مسلمانوں کی ذہنی پستی اور تعلیمی پسماندگی کا ایک اور بڑا سبب وہ شاعر بھی تھے جو ہر آفت کو ، ہر بلا کو اور ہر تکلیف کو من جانب اللہ سمجھ کر صبر سے برداشت کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ مسلمان گھرانوں میں فارسی کی تعلیم عام تھی ۔ دینی مدرسوں میں بھی عربی کے ساتھ فارسی پڑھائی جاتی تھی اور فارسی کے اکثر شاعروں نے راضی برضا رہنے اور تن بہ تقدیر ہونے کے فلسفہ کو پیش کیا ہے ۔

سعدی فرماتے ہیں :-

سعدی قلم بہ سختی رفتست و نیک بختی
پس ہرچہ پیشت آید گردن بنہ قضا را

حافظ کہتے ہیں :-

رضا بداده بده و ز جبیں گره بکشای
که بر من و تو در اختیار نکشاد است

بیدل فرماتے ہیں :-

زندگی در گردنم افتاد بیدل چاره نیست
شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

اور رباعی گو شاعروں نے تو بڑے پر زور الفاظ سے یہ ذہن نشین کرا دیا کہ اس دنیا میں انسان بالکل بے بس ہے اور تقدیر کے ہاتھ میں کھلونے کی مانند ہے ۔ عمر خیام کی یہ رباعی دیکھئے :-

از روی حقیقتی نہ از روی مجاز
ما لعبتگانیم و فلک لعبت باز
بازیچہ ہمی کنیم بر نطع وجود
رفتیم بصندوق عدم یک یک باز

اردو کے شاعروں نے بھی زیادہ تر انسان کو ایک مجبور اور بے بس ہستی ہی ظاہر کیا ہے ۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہیں ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا (میر)

ذوق

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

غالب

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

ان حالات میں حالی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی شاعری سے قدیم شاعری کے مسموم اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کی ۔ مثل مشہور ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے ۔ تقدیر پرستی اور انسانی بے بسی کی شاعری کو حالی نے حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کی ۔ سرسید احمد خاں کی تقریروں اور حالی کی مسدس نے کھویا ہوا اعتماد کافی حد تک بحال کر دیا ۔ مسلمان تعلیم جدید کی طرف مائل ہو گئے اور اعلیٰ تعلیم کی بدولت اعلیٰ مناسب بھی حاصل کرنے لگے ۔ مگر اس عرصہ میں ان کے اہل وطن ہندو ہر لحاظ سے (تعلیمی ، اقتصادی ، سیاسی وغیرہ) بہت آگے نکل گئے تھے ۔

اقبال کی شاعری نے شعور کی آنکھ کھولی تو کئی راستے سامنے نظر آئے لیکن اقبال نے حالی کی پیروی کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور مسدس حالی کی تقلید میں "شکوہ" اور "جواب شکوہ" لکھ کر مسلمانوں کو خواب غفلت سے اس طرح جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا کہ اس سے پہلے کسی نے نہ جگایا ہوگا ۔ اقبال نے اپنے سوز یقین سے مسلمانوں کے دل مردہ کو گرمایا اور ان کو سمجھایا کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو تم ہی ہو ۔ " انتم الاعلون و ان کنتم مومنین " پھر ان کے ایمان کو از سر نو تازہ کیا اور مختلف پیرایوں سے ان کے ذہن نشین کیا کہ خلافت ارضی کے قابل اگر کوئی قوم ہے تو وہ تمہاری ہے ۔ یقین کامل پیدا کرو ۔ بے یقینی غلامی سے بھی بدتر ہے اور مرد مومن کا یقین ایسے خدا کے راز

دانوں میں شامل کر دیتا ہے ۔ ان اشعار پر غور کیجئے۔کس قدر امید افزا اور منازل بلند کی طرف رہنما ہیں ۔

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمود سیمیائی (بال جبریل)

ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاک زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں

(بال جبریل صفحہ ۶۳)

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

(بال جبریل صفحہ ۵۵)

پھر ایک مقام پر مسلمانوں کے دلوں کو نور یقیں سے یوں منور کرتے ہیں :-

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے
پرے ہے چرخ نیلم فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی مکیں فانی ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
حنابند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جہان آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جسکو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے (طلوع اسلام)
(بانگ درا صفحہ ۲۷۰)

اقبال مسلمانوں کے دلوں کو نور یقین سے منور کرنے میں کافی کامیاب ہوئے - جب اسلامیان ہند ان کے کلام سے بہرہ اندوز ہو کر اُن کے ہمنوا ہو گئے تو علامہ اقبال نے ان کی مختلف تشبیہات سے ، مختلف تمثیلات سے ، کبھی عام فہم زبان میں اور کبھی استعارہ کی زبان میں "غلامی،، اور "آزادی،، اور قوت و شوکت اور ضعیفی کے نکات سمجھائے اور آزادی اور قوت و شوکت حاصل کرنے کے لئے راہ نمائی کی - قوت و شوکت کے لئے اقبال نے جن چیزوں سے تشبیہات وضع کیں عام طور پر وہ یہ ہیں - بحر ، دریا ، طوفان ، سیل ، سیل تند رو ، کوہ ، پربت ، فولاد ، شمشیر ، تیغ ، خنجر ، ناوک ، شاہین ، شاہین بچہ شہباز ، شیر وغیرہ اس کے مقابلہ میں کمزوری اور ضعف کے لئے مور ناتواں ، کنجشک ، کبوتر ، مولا ، تدرو ، زجاج وغیرہ اور حقارت کی گھناؤنی زندگی کی وضاحت کے لئے زاغ ، کرگس اور روباہ وغیرہ سے تشبیہات پیدا کیں - ان میں سے چند ایک تشبیہات ملاحظہ کیجئے :-

بحر

وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا
ہر قطرہ ہے بحر بے کرانہ
(ضرب کلیم صفحہ ۸۶)

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی
(خضر راہ)

دریا

بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے
(بال جبریل صفحہ ۱۳)

اس چمن کو سبق آئین نمو کا دے کر
قطرۂ شبنم بے مایہ کو دریا کردیں
(عبدالقادر کے نام)

طوفان

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
(ضرب کلیم صفحہ ۵۷)

سیل

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
(بال جبریل صفحہ ۱۲۸)

سیل تندرو

گزر جا بن کے سیل تندرو کوہ و بیاں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا (طلوع اسلام)

کوہ شگاف

کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشاد شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گذر
(بال جبریل صفحہ ۳۶)

پربت

رائی زور خودی سے پربت
پربت ضعف خودی سے رائی
(بال جبریل صفحہ ۷۹)

فولاد

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد
(ضرب کلیم صفحہ ۷۰)

شمشیر

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
(بال جبریل صفحہ ۱۳۶)

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو (جواب خضر)

تیغ

ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
براں صفت تیغ دو پیکر نظر اس کی
(ضرب کلیم صفحہ ۱۷)

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
(ضرب کلیم صفحہ۷)

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
(بال جبریل صفحہ ۱۷)

خنجر

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا (ترانہ ملی)

ناوک

ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سر سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج
(ضرب کلیم صفحہ ۹)

شاہیں

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
(بال جبریل صفحہ ۱۶۳)

شاہیں بچہ

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے .
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا
(بال جبریل صفحہ ۵۰)

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے
(بال جبریل صفحہ ۱۰)

شاہیں اور کرگس -

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی
(بال جبریل صفحہ ۲۷)

شاہیں اور تدرو۔

اے جان پدر! نہیں ہے ممکن
شاہیں سے تدرو کی غلامی

(ضرب کلیم صفحہ ۸۷

شاہیں اور کنجشک۔

گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

(بال جبریل صفحہ ۱۴۹

شاہیں اور کبوتر۔

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

(طلوع اسلا

شہباز اور ممولے۔

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

(بال جبریل صفحہ ۱۶۷

بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

(بال جبریل صفحہ ۷

زاغ و عقاب۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

(بال جبریل صفحہ ۲۰

سنگ و زجاج -

کیوں مسلماں نہ خجل ہو تری سنگینی سے
کہ غلامی سے ہوا مثل زجاج اُس کا وجود

(ضرب کلیم صفحہ ۱۹۳)

جب تک نہ زندگی کے حقایق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ

(ضرب کلیم صفحہ ۲)

قوت و شوکت اور اس کے مقابلہ میں ضعف اور کمزوری کو واضح کرنے والی تشبیہات اور استعاروں کی کلام اقبال میں اور بھی بہت سی مثالیں ہیں مگر ہم بخوف طوالت مضمون انہی مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں -

س - نئی تعلیم اور تہذیب کی توضیح کرنے والی تشبیہات :

اسلام تعلیم کی زیادہ سے زیادہ تحریص و ترغیب دیتا ہے - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم حاصل کرو خواہ اس کی تحصیل کے لئے تمھیں چین جانا پڑے - خدا وند کریم نے اپنے کلام پاک کے ذریعے مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی کہ اے اللہ ! تو ہمارے علم کو زیادہ کر - اسلام نے علم کی مخالفت کبھی نہیں کی - اسی وجہ سے قرون اولی کے مسلماں آسمان علم و ادب پر مہر و ماہ بن کر چمکے ، لیکن ہر کمال کو زوال ہے - آہستہ آہستہ مسلمانوں کے علم و فضل کو زوال آتا گیا اور اقوام یورپ علم و فضل کی بدولت تہذیب و تمدن کے میدان میں ترقی کرنے لگے - اور رفتہ رفتہ مشرق ممالک پر چھا گئے اور ہندوستان کو انگریز نے اپنے قبضہ اقتدار و اختیار میں لے لیا - اور اپنی تعلیم و تہذیب کی سراً یا جہراً اشاعت کرنے لگے -

مسلمانوں کی اکثریت اس جدید تعلیم کے مخالف تھی لیکن مسلمانوں کے مخلص اور ہمدرد رہنما سر سید احمد خاں نے تعلیم جدید کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھا ۔ ۱ اور ان کو اس تعلیم کے حاصل کرنے کا شوق دلایا ۔ اس تعلیم میں ایک بڑی خامی یہ تھی کہ یہ تمام کی تمام مغرب کی داستانوں پر اور مغربی تہذیب و تمدن کی بنا پر تیار کی گئی تھی۔ اور اس کا پیکر مشرقی روح سے خالی تھا ۔ چنانچہ اس وقت کے شاعر حضرت اکبر الہ آبادی نے اپنی طبعی ظرافت کے پردے میں اس تعلیم پر پھبتیاں کہیں اور طنز کے تیر چلائے ۔ بعض اشعار بہت گہری طنز کے حامل ہیں ۔ مثلاً

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

توپ کھسکی ، پروفیسر پہنچے
پہلے رندہ تھا اب بسولا ہے

طفل دل محو طلسم رنگ کالج ہو گیا
ذہن کو تپ آ گئی مذہب کو فالج ہو گیا

پری کی زلف میں الجھا نہ ریش واعظ میں
دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے
خزینہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

---

۱ ۔ اس موضوع پر کئی مفصل مضامین اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں ۔ مثلاً سر سید اور ان کا عہد (ڈاکٹر سید عبداللہ) ۔ حیات جاوید (حالی) ۔ سر سید کے لیکچروں کا مجموعہ مولفہ سید احمد علی وغیرہ وغیرہ ۔ سیر حاصل بحث کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے ۔

اگر صرف حافظہ کو یورپ کی داستانوں کا خزینہ بنایا جاتا تو چنداں مضایقہ نہ تھا لیکن اس تعلیم کا اور تعلیم دینے کا نوجوانوں کے ذہن پر یہ اثر ہوا کہ وہ مذہب سے بدظن ہو گئے اور مشرقی آداب سے بیزار۔ اس اثر کو زائل کرنے کے لئے اقبال نے بڑی بار آور کوشش کی۔ اور ایسے دل نشیں شعر کہے جو تعلیم جدید کے زہر کا تریاق ہیں۔ ہم صرف انہی اشعار کو بطور مثال پیش کریں گے جو تشبیہ و استعارہ یا تمثیل کی صورت رکھتے ہیں:-

۱ - خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

(بانگ درا صفحہ ۲۳۳)

شیریں تعلیم جدید ہے اور تیشۂ فرہاد مغربی الحاد کے اثرات۔

۲ - شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

(بال جبریل صفحہ ۵۰)

۳ - گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

(بال جبریل صفحہ ۶۹)

گلا گھونٹ دینا استعارہ ہے خاموش کر دینے سے ۔ اہل مدرسہ قوم کے نونہالوں کو ایسی تعلیم دے رہےہیں کہ انہیں اللہ اور رسول (صلعم) کی کبھی یاد نہ آسکے ۔

۴ ۔ عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
که میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

(بال جبریل صفحہ ۹۲)

تعلیم جدید (دانش حاضر) آگ کے عذاب کی مانند ہے ۔ میں بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی مانند اس آگ میں ڈالا گیا ۔ لیکن خدا کے فضل سے یہ آگ میرے لئے نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتی لیکن ناپختہ ذہنوں کے لئے یہ آگ بہت مضرت رساں ہے ۔

۵ ۔ اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
اک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

(ضرب کلیم صفحہ ۸۵)

ضرب کلیم (صفحہ ۱۵۶) پر "نصیحت" کے عنوان سے ایک نظم ہے ۔ یہ نصحت ایک فرنگی نے اپنے بیٹے کو کی ۔ ان پانچ اشعار میں تعلیم کے متعلق بڑی عمدہ تشبیہ ہے ۔ دیکھیے :-

اک لرد فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر
بیچارے کے حق میں ہے بڑا سب سے یہی ظلم
برے پہ اگر فاش کریں قاعدۂ شیر
سینے میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اُدھر پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

تعلیم اک ایسا تیزاب ہے جو محکوم کی خودی کو گلا دیتا ہے اور پھر اُس کے ذہن کو جدھر چاہیں موڑا جا سکتا ہے - یہ تیزاب تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے - محکوم اگر اپنی صلاحیت خداداد کے لحاظ سے سونے کے پہاڑ کی مانند بھی ہو تو اُسے مٹی کا ڈھیر بنایا جا سکتا ہے -

تہذیب حاضر :

کلام اقبال میں تہذیب حاضر پر بے شمار اشعار ملتے ہیں - جن میں سے چند اشعار جن میں تشبیہ یا استعارہ کی چاشنی ہے - ملاحظہ فرمائیے :

۱ - حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیب حاضر میں
بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تن خاکی

(بانگ درا صفحہ ۲۵۱)

۲ - ذوق حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمان خلیل
ورنہ خاکستر ہے تیری زندگی کا پیرہن

(کفر و اسلام)

۳ - وہ شعلۂ روشن ترا ظلمت گریزاں جس سے تھی
گھٹ کر ہوا مثل شرر تارے سے بھی کم نور تر

(مسلمان اور تعلیم جدید)

۴ - پانی میں نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
(فردوس میں ایک مکالمہ)

۵ - مثال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود
خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی
(ضرب کلیم صفحہ ۲۷)

۶ - خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے مری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف
(بال جبریل صفحہ ۶۱)

۷ - اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
(بانگ درا صفحہ ۳۳۵)

۸ - گرچہ ہے دلکشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرک بلند بال دانہ و دام سے گذر
(بال جبریل صفحہ ۴۶)

۹ - وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے غمناک نہیں ہے
(بال جبریل صفحہ ۵۲)

۱۰ - پیر میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوان فرنگ
سست بنیاد بھی ہے آئنہ دیوار بھی ہے
(بال جبریل صفحہ ۱۱۹)

۱۱ - نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش
(بال جبریل صفحہ ۱۰۸)

۱۲ - سرور و سوز میں ناپائیدار ہے ورنہ
مئے فرنگ کا تہ جرعہ بھی نہیں نا صاف
(بال جبریل صفحہ ۱۱۲)

۱۳ - شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ
(ضرب کلیم صفحہ ۷۸)

۱۴ - عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش
فیض فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہ خفاش
(ضرب کلیم صفحہ ۸۲)

۱۵ - جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ
(ضرب کلیم صفحہ ٦)

۱٦ - حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ سازوں نے
تن حرم میں چھپا دی ہے روح بت خانہ
(ضرب کلیم صفحہ ۱

۳

۱۷ - مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لا دیں
کنیز اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر

ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر
متاع غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہراول لشکر کلیسیا کے سفیر

(ضرب کلیم صفحہ ۱۵۴)

۱۸ - ممکن ہے کہ یہ داشتۂ پیرک افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

(ضرب کلیم صفحہ ۱۵۸)

۱۹ - امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خاکباز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند
ہمیشہ مور و ملخ پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفت عنکبوت ان کی کمند

(ضرب کلیم صفحہ ۱۶۰)

۲۰ - شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری پاش پاش
ہے یہ مشک آمیز افیوں ہم غلاموں کے لئے
ساحر انگلیس مارا خواجۂ دیگر تراش

(یہ اشعار ایڈورڈ ہشتم کی تخت سے دست برداری
کے موقعہ پر کہے گئے)

ص - مرد مومن تشبیہات کے آئینہ میں :

''مرد مومن،، اقبال کا اہم ترین موضوع ہے اور اس موضوع کی مزید تشریح کے لئے کئی عالموں نے پرمغز مضامین اور بصیرت افروز

کتابیں لکھی ہیں - ہم اس موضوع پر مفصل بحث نہیں کریں گے بلکہ مرد مومن کی صرف اتنی ہی جھلک دکھائیں گے جو تشبیہات کے آئینے میں نظر آتی ہے -

کلام اقبال کے مطالعہ سے یہ بات بھی مبرہن ہو جاتی ہے - کہ مرد مسلماں ، مرد بزرگ ، مرد حق ، مرد درویش ، قلندر وغیرہ سب مرد مومن کے ہی نام ہیں - اس لئے جہاں علامہ اقبال نے مرد مسلماں ، مرد بزرگ ، مرد حق ، مرد درویش یا قلندر کے عنوان سے کچھ کہا ہے- تو وہ گویا مرد مومن سے ہی خطاب کیا ہے یا اُس کی صفات بیان کی ہیں-

یہاں ضمناً یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ فرد اپنی خودی کی تربیت ، تعمیر اور استحکام سے جس بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے یا پہنچ جاتا ہے - وہ مقام محمود مرد مومن کے لئے مخصوص ہے - مرد مومن دنیا کا بندہ نہیں - خدا کا بندہ ہے - بظاہر آبجو ہے لیکن دریائے بیکراں کی وسعت رکھتا ہے - قطرہ ہے لیکن بحر بے کراں کی مانند ہے - بظاہر ذرہ ہے لیکن خورشید دست گاہ ہے -

گرچہ خوردیم نسبتی است بزرگ
ذرۂ آفتاب تا با نیم

اب آپ تشبیہات کے آئینہ میں مرد مومن کی صفات کی جھلک دیکھئے :-

تو بے بصر ہو تو یہ مانع نگاہ بھی ہے
وگرنہ آگ ہے مومن جہاں خس و خاشاک

(بال جبریل صفحہ ۹۷

مومن اللہ کا شیر ہے -

۲ - آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
(بال جبریل صفحہ ۸۳)

۳ - صنمکدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
(بال جبریل صفحہ ۹۹)

۴ - اے حلقۂ درویشاں وہ مرد خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستا خیز
جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز
(بال جبریل صفحہ ۴۲)

۵ - ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندۂ مومن ہوں نہیں دانۂ اسپند
(بال جبریل صفحہ ۸)

۶ - مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ
(بال جبریل صفحہ ۱۳۱)

۷ - ساقیِ اربابِ ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل
(بال جبریل صفحہ ۱۳۱)

۸ - نقطہ پرکار حق مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
(بال جبریل صفحہ ۲

۹ - عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ
(بال جبریل صفحہ ۲۰

۱۰ - مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر
(ضرب کلیم صفحہ ۔

۱۱ - ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
(ضرب کلیم صفحہ ۱

۱۲ - جس بندۂ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے برندہ و براق
(ضرب کلیم صفحہ ۳

۱۳ - خدنگ سینۂ گردوں ہے اس کا فکر بلند
کمند اس کا تخیل ہے مہر و ماہ کے لئے
(ضرب کلیم صفحہ ۳،

۱۴ - انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

مثل خورشید سحر ، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد معانی میں دقیق

(ضرب کلیم صفحہ ۹

۱۵ - کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

(بال جبریل صفحہ د

۱۶ - ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اُس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرود ازلی اُس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن

(ضرب کلیم صفحہ ۵۷

ط ۔ نادر اور فقید المثال تشبیہات :

تشبیہات کی تخلیق اور ان کے حسن و قبح کے متعلق ہم اس کتاب کے ابتدائی تین ابواب میں کافی تفصیل سے بحث کر آئے ہیں ۔ اور بیان کر چکے ہیں کہ کون کونسے عوامل تشبیہات کی تخلیق میں کار فرما ہوتے ہیں اور بعض عمدہ ، نادر اور بے نظیر تشبیہات کی مثالیں بھی پیش کر چکے ہیں لیکن بعض اعلیٰ اور اچھوتی تشبیہات کا کسی بھی عنوان کے تحت ذکر نہیں کیا جا سکا ۔ اس لئے ہم ان تمام تشبیہات کو ، جو ہمارے نزدیک نہایت اعلیٰ ہیں اور جو دوسرے شاعروں کے کمند تخیل یا احاطۂ فکر میں نہیں آ سکیں ، یہاں بیان کریں گے ۔ اس میں بعض تشبیہات کا دوبارہ ذکر آئے گا لیکن اس تکرار میں آپ قند مکرر کی چاشنی پائیں گے ۔

ہلال عید ۔ ماہ نو :

اقبال کی شاعری کی ابتدا ہے اس ابتدائی دور کے ابتدائی کلام میں جہاں اور شاعروں کے کلام سے مشق سخن کی خامیاں مترشح ہوتی ہیں ۔ اقبال کے کلام کی پختگی ہر صاحب نظر سے خراج تحسین وصول کرتی ہے ۔ ”یتیم کا خطاب ہلال عید سے“ اس نظم کی چند ایک نادر تشبیہات دیکھئے:

ہلال عید جامۂ شب عید کا گریبان ہے ۔ سورۂ نور کے رکوع کے نشان کی مانند ہے۔ حلقہ پر طاؤس کی مانند ہے ۔ رکاب کی مانند ہے۔ غزال شادی کو گرفتار کرنے کے لئے کمند کی طرح ہے ۔ نہیں یہ تو بادۂ ملال کا ساغر ہے ۔ یتیموں کا لب مقال ہے یا لب نان مفلسی ہے جو مہینے بھر کے بعد کبھی نظر آتا ہے ۔ یا سینہ کاوی کے لئے ناخن غم ہے ۔

اے گریبان جامۂ شب عید
شاہد عیش کا شباب ہے تو

اے نشان رکوع سورۂ نور
نقشۂ کلک انتخاب ہے تو

ہمائے اے حلقۂ پر طاؤس
قابل ذالک الکتاب ہے تو

طوف منزل گہ زمیں کے لئے
ہمہ تن پائے در رکاب ہے تو

تو کمند غزال شادی ہے
لذت افزائے شور طفلی ہے

جھوٹ ہے عید کا ہلال ہے تو
ساغر بادۂ ملال ہے تو

کبھی سنا قصۂ ستم زدگاں
کہ ہمارا لب مقال ہے تو

گاہے ماہے ہلال آتا ہے
ہو لب نان مفلسی نہ کہیں

ہلال کی شکل ایک قوس سے ملتی ہے۔ اس کے قد میں خمیدگی ہے۔ وہ جھکا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ہلال کے اس جھکاؤ یہے یا اس خم سے شاعروں نے اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق عجیب عجیب توجیہات پیش کی ہیں۔ مثلاً ہلال عبد شاعر کے ممدوح بادشاہ کو سلام کرنے کے

لئے چھکا ہے یا شاعر کے محبوب کو سلام کر رہا ہے لیکن محبوب غرور حسن سے اس کا سلام بھی قبول نہیں کرتا ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

ہاں مہِ نو سنیں ہم اُس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام (غالب)

یا
کھڑا سلام کو ہے جھک کے ماہ نو پر وہ
غرور حسن سے کس کا سلام لیتے ہیں

اقبال یتیم کی حالت راز بیان کر رہے ہیں ۔ ایسے موقع پر انہوں نے ہلال کی خمیدگی سے دو تشبیہیں وضع کی ہیں جو بلاغت کا کمال ہیں ۔ یعنی ہلال عید بام فلک سے جھک کر یتیموں کے نظارہ مصیبت کو دیکھ رہا ہے ۔

کس کے نظارہ مصیبت کو
ماہ بام فلک پہ یوں خم ہے

اور دوسری تشبیہ یہ پیدا کی کہ یتیم کی کمر طفلی میں ہی ہلال کی مانند خم کھا جاتی ہے ۔

عین طفلی میں ہلال آسا کمر خم کھا گئی
صبح پیری کی مگر بن کر یتیمی آ گئی

بانگ درا میں "ماہ نو" کے عنوان سے ایک نظم ہے ۔ وہاں ماہ نو کی تشبیہات مندرجہ بالا تشبیہات سے بھی زیادہ دلکش اور دلنشیں ہیں ۔

"خورشید کی کشتی ٹوٹ کر نیل میں غرق ہو گئی ہے ۔ اب اس کا صرف ایک ٹکڑا سطح آب نیل پر تیرتا پھرتا ہے ۔

نشتر قدرت نے آفتاب کی فصد کھو لی ہے اور اب شفق کا خون ناب طشت گردوں میں ٹپک رہا ہے۔ یا یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماہ نو نہیں بلکہ عروس شام کے کان کی بالی ہے جسے آسمان نے چرا لیا ہے۔ یا نیل کے پانی میں خالص چاندی کی ایک مچھلی تیر رہی ہے۔

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل
طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب

چرخ نے بالی چرا لی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی

انھی تشبیہات کو دیکھ کر رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں :-

"فصد آفتاب ، کشتی خورشید ، طشت گردوں ، شفق کا خون ناب، عروس شام کی بالی، سیم خام کی مچھلی ـــ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی مثال اردو ادب میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی"۔

(اقبال ۔ رئیس احمد جعفری)

انھی تشبیہات کے متعلق مولانا عبدالسلام ندوی فرماتے ہیں :-

"ماہ نو کی تشبیہ سیم خام کی مچھلی سے کس قدر مکمل ہے۔ ماہ نو میں چمک کے ساتھ طول بھی پایا جاتا ہے اور یہ دونو وصف سیم خام کی مچھلی میں موجود ہیں"۔

(اقبال کامل صفحہ ۲۰۹)

اب چند ایسی تشبیہات دیکھئے جو مناظر قدرت یعنی شبنم ، ابر ، برف ، چاند ، ستارے ، آفتاب ، صبح و شام ، رات ، دریا وغیرہ کے متعلق ہیں اور اپنی مثال آپ ہی ہیں :-

ابر -

بائے کیا فرط طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر (ہمالہ)

گھٹا -

اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی
کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی
(عشق اور موت)

شبنم -

✓ رگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن
(بال جبریل صفحہ ۴۸)

✓ ہے رگ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سورج کی کرن شبنم میں الجھی ہے ہوئی
(گورستان شاہی)

برف -

برف نے باندھی ہے دستار فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہ مہر عالمتاب پر (ہمالہ)

پھولوں کو پریوں سے تشبیہ دینا انگریزی ادب میں تو ایک عام بات ہے مگر اردو میں یہ تشبیہ علامہ اقبال کی وساطت سے داخل ہوئی ہے - دیکھئے

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن
(بال جبریل صفحہ ۴۸)

سرخ پوشاک ہے پھولوں کی درختوں کی ہری
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری
(انسان اور بزم قدرت)

گل سے خاموشی اور بو سے پریشانی کی تشبیہ بھی ندرت کی حامل ہے ۔ غالب نے بو کو پریشاں کہا ہے لیکن ایک اور انداز سے :۔

بوئے گل ، نالۂ دل ، دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

اقبال نے کئی مقام پر گل سے خاموشی اور بو سے پریشانی یا آوارگی کی تشبیہ کو مرتب کیا ہے ۔ مثلاً

۱ - کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورت گل ، مانند بو پریشاں

(رات اور شاعر)

۲ - چھوڑ کر تیرا چمن مانند بو جاتا ہوں میں
رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

(رخصت اے بزم جہاں)

۳ - وہ گل رنگیں ترا رخصت مثال بو ہوا
آہ خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا (داغ)

صبح کی آمد کا نقشہ جن تشبیہات و استعارات سے بیان کیا گیا ہے ۔ وہ سب دلکش ہونے کے ساتھ ساتھ ندرت اور جدت کے بھی حامل ہیں :

صبح لیل و نہار کی دختر دوشیزہ ہے جو افق کے دامن سے اب آشکار ہو رہی ہے۔ آسمان نے ستاروں کی فصل کاٹنے سے فرصت پائی ہے اور اب وہ مشرق کی کھیتی میں آئینے بو رہا ہے۔ اس نے سورج کے آنے کی خبر پائی ہے اور اب دوش غبار پر رات کی روانگی کا محمل باندھ رہا ہے۔ دہقان گردوں نے تاروں کے شرار بوئے تھے اور اب اس کھیتی سے شعلۂ خورشید حاصل ہوا ہے۔

صبح کا ستارہ آسمان سے یوں روانہ ہو رہا ہے۔ جیسے کوئی عابد ساری رات عبادت کرنے کے بعد عبادت خانہ سے سب عبادت کرنے والوں کے بعد جائے۔ صبح یوں نمودار ہو رہی ہے جیسے کوئی شخص میان کے تاریک خول سے آہستہ آہستہ تیغ آبدار باہر کھینچ رہا ہو۔ خورشید کے مطلع میں صبح کا مضمون یوں مضمر ہے۔ جیسے صراحی کے اندر شراب خوشگوار جو خلوت گاہ مینا میں روپوش بھی ہے اور ظاہر بھی۔

صبح ہو رہی ہے۔ مندروں سے ناقوس کی اور مسجدوں سے اذان کی آواز اس طرح آ رہی ہے۔ گویا دونوں آوازیں ہمکنار ہوں۔ باغ میں کوئل کی اذان سن کر نغمہ وحدت کو گانے والے پرندے جاگ اٹھے ہیں اور صبح کے باجے کا تار تار بجنے لگا ہے۔ دیکھئے نمود صبح (بانگ درا صفحہ ۱۶۶)

ہو رہی ہے زیر داماں افق سے آشکار
صبح یعنی دختر دوشیزۂ لیل و نہار

پا چکا فرصت ورود فصل انجم سے سپہر
کشت خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار

آسماں نے آمد خورشید کی پا کر خبر
محمل پرواز شب باندھا سر دوش غبار

شعلۂ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دہقان گردوں نے جو تاروں کے شرار

ہے رواں نجم سحر جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جائے کوئی عابد شب زندہ دار

کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغ آبدار

مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوتگاہ مینا میں شراب خوشگوار

ہے تہ دامان بار اختلاط انگیز صبح
شورش ناقوس آواز اذاں سے ہمکنار

جاگے کوئل کی اذاں سے طائران نغمہ سنج
ہے ترنم ریز قانون سحر کا تار تار

شام کے وقت کی تصویر کشی میں بھی تشبیہات سے کام لیا گیا ہے ۔
اور درج ذیل تشبیہات اردو ادب میں اپنی نظیر آپ ہیں ۔

۱ ۔ شراب سرخ سے رنگیں ہوا ہے دامن شام
لئے ہے پیر فلک دست رعشہ دار میں جام

۲ - عدم کو قافلہ روز تیز گام چلا
شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا (کنار راوی)

۳ - سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو
طشت افق سے لے کر لالے کے پھول مارے

۴ - پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے (بزم انجم)

۵ - خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا
قدرت ہے مراقبے میں گویا (ایک شام)

۶ - وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب۔
(بال جبریل صفحہ ۱۳۵)

۷ - کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
مئے گلرنگ خم شام میں تو نے ڈالی
(انسان اور بزم قدرت)

شام اور شفق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں شام کا ذکر آتا ہے وہیں شفق کی سرخی بھی موضوع گفتگو بن جاتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا اشعار میں شام اور شفق کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے۔ پہلی تشبیہ میں آسمان کو ایک بوڑھا شخص فرض کیا ہے جس کے ہاتھوں میں ضعف پیری سے رعشہ ہے۔ اس بوڑھے شخص کے رعشہ دار ہاتھوں میں شراب سرخ کا ایک جام ہے۔ جام پر مرد پیر کی گرفت مضبوط نہیں۔ پیالہ چھلک گیا ہے اور شام کے دامن پر گرا ہے۔ جس سے عروس شام کا دامن

رنگین ہو گیا ہے - دوسری تشبیہ میں شفق کو سورج کے پھول کہا گیا ہے - یہاں پھول سے گل ہی مراد نہیں بلکہ ہندو لوگوں کی ایک رسم کی طرف اشارہ ہے جو مردے کو جلانے کے بعد اُس کی ہڈیاں جمع کر لیتے تھے تاکہ گنگا میں بہا دیں - اُن ہڈیوں کے اکٹھا کرنے کو پھول چننا کہتے تھے - قافلۂ روز تیزگام کا عدم کو جانا ان معنوں کی دلالت کرتا ہے -

پھر سورج کے غروب ہونے اور شفق کی سرخی کو اس تشبیہ سے آراستہ کیا ہے کہ سورج جا رہا تھا کہ شام سیہ قبا کو آتے دیکھا اور چھیڑ خانی کے ارادہ سے آسے طشت افق سے اٹھا کر لالے کے پھول مارنے لگا تاکہ یہ چھیڑ حوداں سے چلی جائے اسد - ڈاکٹر یوسف حسین خاں اپنی فاضل قدر دمنسف "روح اقبال" میں (صفحہ ۹۰) رقمطراز ہیں -

"سورج کا شام کو جو سیہ لباس زیب تن کئے ہوئے ہے طشت افق سے لے کر لالے کے پھول مارنا اور عروس قدرت کا چاندی کا گہنا پاتا اُتار کر سونے کا زیور پہننا کس قدر بلیغ اور لطیف تشبیہیں ہیں جن کی ندرت اور طرفگی پر ذوق ادبی وجد کرتا ہے -"

حسن فطرت کی شام کے وقت خاموشی کو تشبیہاً کہا ہے کہ ع قدرت ہے مراقبے میں گویا - چھٹے شعر میں شفق کی تشبیہ یوں بیان کی ہے کہ آفتاب غروب ہوتے ہوتے لعل بدخشاں کا ڈھیر یہیں چھوڑ گیا ہے - یعنی شفق لعل بدخشاں کے ایک ڈھیر کی مانند ہے اور ساتویں شعر میں شفق کی لالی کو تشبیہ کے پیرایہ میں یوں بیان کیا ہے کہ شام ایک بہت بڑا مٹکا ہے - جس میں مئے گلرنگ بھری ہوئی ہے - یہ تمام تشبیہات اُردو ادب کی شان میں اضافہ کر رہی ہیں -

سورج ، چاند اور ستاروں سے جو تشبیہات اقبال نے وضع کی ہیں ا
میں جدت کی حامل دو تشبیہیں ہیں - پہلی یہ کہ اجرام فلکی جو ازل سے
روانہ ہو کر ابد کی جانب سفر کر رہے ہیں ان تمام کو ''مسافر،، سے
تشبیہ دی ہے - قدماء نے سورج ، چاند اور ستاروں کے چمکنے سے تشبیہات
پیدا کی ہیں اور علامہ اقبال نے بھی اُن کا تتبع کیا ہے - مثلاً

مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں (فلسفہ غم

لیکن اجرام فلکی کی حرکت کو سفر سے کسی نے تشبیہ نہیں دی
اور نہ ہی اُن کو "مسافر،، سے ، مسافر کی تشبیہ غالباً جدید سائنس کے
مطالعہ کا نتیجہ ہے -

۱ - ڈرتے ڈرتے دم سحر سے
تارے کہنے لگے قمر سے
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا چلنا مدام چلنا
رہتے میں ستم کش سفر سب
تارے ، انساں شجر حجر سب (چاند اور تارے

۲ - چمکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی میں (ستارہ

۳ - تاروں کا خموش کارواں ہے
یہ قافلہ بے درا رواں ہے (ایک شام

دوسری تشبیہ اجرام فلکی کی باہمی کشش سے ماخوذ ہے اور وہ بھی تعلیم جدید یا سائنس کی تعلیم کا اثر ہے ۔ مثال دیکھئے :۔

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا

(التجائے مسافر)

بہار و خزاں کی سینکڑوں تشبیہیں فارسی اور اردو شاعری میں ملتی ہیں ۔ لیکن اقبال کی یہ تشبیہ عدیم النظیر اور فقیدالمثال ہے ۔

پتیاں پھولوں کی گرتی ہیں خزاں میں اس طرح
دست طفل خفتہ سے رنگیں کھلونے جس طرح

(گورستان شاہی)

جگنو کی تشبیہات نے ایک عالم سے خراج تحسین وصول کیا ہے ۔ کاشانہ چمن میں جگنو کی روشنی اس طرح دکھائی دیتی ہے ۔ گویا کہ پھولوں کی انجمن میں کوئی شمع جل رہی ہو یا یہ جگنو نہیں بلکہ آسماں سے کوئی ستارہ اڑ کر نیچے آ گیا ہے یا گویا مہتاب کی کرن میں جان پڑ گئی ہو۔ جگنو ایک سفیر کی مانند ہے جو دن کی مملکت سے شب کی سلطنت میں آیا ہے ۔ جگنو مہتاب کی قبا کے ایک تکمہ کی مانند ہے یا سورج کے پیرہن میں کوئی ذرہ نمایاں ہوگیا ہے۔ جگنو ایک چھوٹے سے چاند کی مانند ہے جو کبھی گہن میں آ جاتا ہے اور کبھی گہن سے نکل جاتا ہے ۔ ان اشعار کو دیکھئے :۔ (بانگ درا صفحہ ۸۳)

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں ۔

"برگ حشیش" اور "افیون" کی تشبیہات بھی علامہ اقبال کے توسط سے اردو شاعری میں داخل ہوئی ہیں ۔ اقبال سے پہلے شاعروں نے افیون کا ذکر کیا ہے ۔ تشبیہ کے طور پر نہیں بلکہ اس کی خاصیت کے بیان کرنے کے لئے ۔ مثلاً

ذوق اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

یا نام کو اشیا میں نہ تلخی رہی نہ سمیت
ہو گئی تریاق افیوں ، زہر میٹھا ہو گیا

لیکن افیون کو علامہ اقبال نے حکمرانوں کی ساحری سے مماثل پایا ہے ۔ حکمران (ظاہر ہے کہ حکمران سے غیر ملکی حکمران یعنی انگریز

مراد ہیں) جب دیکھتے ہیں کہ محکوم خواب غفلت سے بیدار ہو رہا ہے۔ اس کا سیاسی شعور جاگ اٹھا ہے تو مختلف حیلوں بہانوں سے اسے پھر اس طرح سلا دیتے ہیں جیسے افیون سے کسی کو بے ہوش کر دیا جائے یہ تشبیہ غور کرنے کے قابل ہے۔

(ایڈورڈ ہشتم کی تخت سے دست برداری کے موقع پر)

شاہ ہے برطانوی مندر میں اک مٹی کا بت
جس کو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری پاش پاش
ہے یہ مشک آمیز افیوں ہم غلاموں کے لئے
ساحر انگلیس! مارا خواجہ دیگر تراش

اور برگ حشیش کی یہ دو تشبیہیں بھی اردو شاعری میں اقبال کی مرہون احسان ہیں۔

۱۔ ساحرالموط نے تجھ کو دیا برگ حشیش
اور تو اے بے خبر سمجھا اسے شاخ نبات (خضر راہ)

۲۔ وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام
(ضرب کلیم صفحہ ۵۳)

اسلامی اور عربی تشبیہات میں مندرجہ ذیل تشبیہات زیادہ دلکش و دلنشیں ہیں اور عمدگی ندرت اور جدت کے لحاظ سے زیادہ نمایاں ہیں۔

۱۔ تیری بنا پایدار تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل
(مسجد قرطبہ، بال جبریل)

۲ - ع اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسبیل (جواب خضر)

۳ - وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل (جواب خضر)

۴ - شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال
دعائے طفلک گفتار آزما کی مثال (فراق)

۵ - چہچہاتے ہیں پرندے پا کے پیغام حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرام حیات (نوید صبح)

ہندوستانی تشبیہات میں سے "اچھوت"، کی تشبیہہ نئی ہے۔ مرغان صحرا کو بھی شاعر نے ذات پات کے لحاظ سے کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ کچھ برہمن ہیں۔ کچھ کھشتری ہیں۔ کچھ ویش ہیں اور کچھ پرندے اپنی ذات یا پیشے کے لحاظ سے اچھوت (شودر) ہیں۔ ان اچھوت پرندوں میں زاغ، کرگس، زغن اور شپر ہیں۔ اب یہ تشبیہہ دیکھئے :-

زاغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز یہ مرغان صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بیخبر

(ضرب کلیم صفحہ ۱۷۲)

"باغی مرید"، (بال جبریل صفحہ ۲۱۹) میں نذرانے وصول کرنے والے اور اپنے مریدوں کو دام تزویر میں پھنسانے والے پیروں کو اقبال

برہمن اور مہاجن سے تشبیہ دیتے ہیں اور پھر ایک بھرپور طنز کے ساتھ کہتے ہیں -

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اس تشبیہ میں بھی زاغ اور عقاب کی ذات پات یا پیشہ کے لحاظ سے وہی تمیز قائم رکھی ہے جو اوپر کی تشبیہ میں ہے - یعنی زاغوں جیسے اچھوت اور دوں مرتبہ لوگ عقابوں جیسے بلند مرتبہ ، آزاد اور خود مختار ، تیز نگاہ اور طاقتور بزرگوں کی مسند ارشاد کے مالک بنے بیٹھے ہیں -

گہوارہ کی بعض تشبیہات تو ایسی ہیں جو پہلے سے اردو شاعری میں موجود نہیں - یعنی

۱ - اے جہان آباد اے گہوارۂ علم و ہنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در (مرزا غالب)

۲ - تمدن آفریں ، خلاق آئین جہانداری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا
(خطاب بہ جوانان اسلام)

۳ - جنبش موج نسیم صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے نشہ ہستی میں ہر گل کی کلی (ہمالہ)

لیکن گہوارہ کی یہ دو تشبیہات جدت کی حامل ہیں :-

۱ - سینۂ دریا شعاعوں کے لئے گہوارہ ہے
کس قدر پیارا لب جو مہر کا نظارہ ہے
(گورستان شاہی)

۲ - جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیرخوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب

(خضر راہ)

زندگی کے متعلق اکثر تشبیہات جدت کی حامل ہیں لیکن ایک تشبیہ جو تشبیہ مرکب ہے - زندگی کے تمام پہلوؤں کی مختصر الفاظ میں عکاسی کرتی ہے :-

زندگی انساں کی ہے مانند مرغ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا ، اڑ گیا

(گورستان شاہی)

عشق کی بے شمار تشبیہات کا ذکر پہلے آ چکا ہے - عشق ایک طوفان کی مانند ہے - عشق ایک سیلاب ہے جو سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے - عشق آگ کی مانند ہے جو ماسوائے اللہ کے سب کچھ جلا دیتا ہے - عشق کے مقابلہ میں عقل ہیچ ہے - عقل سوچتی ہی رہ جاتی ہے - اور عشق خطرات کی آگ میں بے تامل کود پڑتا ہے - وغیرہ وغیرہ - ان تشبیہات میں سے اکثر قدماء نے بھی استعمال کی ہیں لیکن درج ذیل تشبیہ کہ عشق کا انسان پہ کیا اثر ہوتا ہے - نہایت بلیغ ہے :-

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

(بال جبریل صفحہ ۵۱)

"حسن و عشق" (بانگ درا صفحہ ۱۲۱) کی تشبیہات دو لحاظ سے جدت، اور ندرت رکھتی ہیں - اول یہ کہ یہ تشبیہات جدید اور نادر ہیں - دوم یہ کہ ان کا پیرایہ اظہار منفرد اور جدا گانہ ہے :-

جس طرح نور خورشید کے طوفان میں صبح کے وقت چاند کی کشتیٔ سیمیں ڈوب جاتی ہے۔ جیسے چاندنی رات میں مہتاب کا ہمرنگ کنول کا پھول نور کے آنچل میں گم ہو جاتا ہے۔ جس طرح جلوۂ طور میں ید بیضائے کلیم گم ہو جاتا ہے یا گلزار کے مختلف پھولوں کی خوشبو میں ایک غنچے کی خوشبو مدغم ہو جاتی ہے۔ تیری محبت کے سیلاب میں میرے دل کی بالکل یہی حالت ہے۔

اب ساری نظم پر ایک بار پھر غور کیجئے اور تشبیہات کے حسن کی داد دیجئے :-

جس طرح ڈوبتی ہے کشتیٔ سیمین قمر
نور خورشید کے طوفان میں ہنگام سحر

جیسے ہو جاتا ہے گم نور کا لے کر آنچل
چاندنی رات میں مہتاب کا ہمرنگ کنول

جلوۂ طور میں جیسے ید بیضائے کلیم
موجۂ نگہت گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سیل محبت میں یونہی دل میرا

تو جو محفل ہے تو ہنگامۂ محفل ہوں میں
حسن کی برق ہے تو عشق کا حاصل ہوں میں

تو سحر ہے تو مرے اشک ہیں شبنم تیری
شام غربت ہوں اگر میں تو شفق تو میری

میرے دل میں تری زلفوں کی پریشانی ہے
تری تصویر سے پیدا مری حیرانی ہے

حسن کامل ہے ترا عشق ہے کامل میرا

ہے مرے باغ سخن کے لئے تو باد بہار
میرے بیتاب تخیل کو دیا تو نے قرار

جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں
نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں

حسن سے عشق کی فطرت کو ہے تحریک کمال
تجھ سے سر سبز ہوئے میری امیدوں کے نہال

قافلہ ہو گیا آسودۂ منزل میرا

تعلیم جدید ، تہذیب نو اور سیاست حاضرہ کے متعلق اقبال نے بہت کچھ کہا ہے اور بعض تشبیہات بڑی موزوں ہیں ۔ اسی طرح اخلاقیات ، نفسیات اور مذہب کے متعلق بھی بعض تشبیہات و استعارات نہایت صحیح و بلیغ ہیں لیکن اقبال کی تشبیہات و استعارات ایک بحر بیکراں ہیں ۔ یا ایک طویل و عریض گلزار کی مانند ہیں ، جس میں ہر رنگ کی تشبیہات کے پھول کھلے ہیں جن میں سے ہم نے اپنے دامن کی وسعت کے مطابق کچھ پھول چن کر چند گلدستے تیار کئے ہیں اور ارباب ذوق کی خدمت میں اس اعتذار کے ساتھ پیش کئے ہیں کہ اقبال کے بحر خیالات میں غواصی کرنے والوں کے لئے ابھی اس بحر میں لاکھوں لوٗلوئے لالا باقی ہیں ۔

داماں نگاہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

آٹھواں باب

(اشاریہ)

یہ باب ایک لحاظ سے "تشبیہات اقبال" کا ضمیمہ ہے جن تشبیہات، تمثیلات یا استعارات کا اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب میں ان کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دے کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے اور حوالہ کی سہولت کی غرض سے ہر شعر کے ساتھ اصل ماخذ (یعنی بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز) کا عنوان یا صفحہ نمبر بھی درج کیا گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اقبالیات میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے یہ ضمیمہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

تشبیہات کی ترتیب میں قدماء کے مروجہ اصول کے مطابق مشبہ کی بجائے مشبہ‌بہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً

برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

اس شعر میں قطرۂ شبنم کو موتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ شبنم مشبہ ہے اور موتی مشبہ‌بہ۔ اس تشبیہ کا اندراج "موتی" کے تحت کیا گیا ہے۔

بعض اشعار میں دو یا دو سے زیادہ تشبیہات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

پہلے مصرع میں جگنو کو ستارہ سے اور دوسرے مصرع میں مہتاب کی (جاندار) کرن سے تشبیہ دی گئی ہے ۔ یہ شعر دو جگہ درج کیا گ ہے ۔ ایک لفظ "ستارہ" کے تحت اور دوسری جگہ لفظ "کرن" کے تحت علی ہذا القیاس اگر کسی شعر میں تین تشبیہات ہیں تو اس شعر کا اندرا تین مختلف مشبہ بہ کے ماتحت ضروری سمجھا گیا ہے ۔

جیسا کہ اس کتاب کے پیش لفظ میں وضاحت کی گئی ہے ۔ اس کتاب کا اصل موضوع تشبیہات و تمثیلات ہے لیکن بعض ایسے استعارات کا ذکر بھی ناگزیر خیال کیا گیا جن میں وجہ جامع (وجہ تشبیہ) بہت واضح ہے ۔ چنانچہ اس ضمیمہ میں تشبیہات کے ساتھ ان کو بھی اس اندا سے جمع کیا گیا ہے کہ قارئین کے لئے ان کو سمجھنا آسان ہو اور و ان سے لطف اندوز ہو سکیں ۔ مثلاً

پاسبان (تشبیہ)

اپنے سکان کہن کی خاک کا دلدادہ ہے
کوہ کے سر پر مثال پاسبان استادہ ہے
(گورستان شاہی)

پاسبان (استعارہ)

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے (غزلیات)

یا

فردوس (تشبیہ)

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند
(بال جبریل صفحہ ۳۴

فردوس (استعارہ)

تیرے فردوس تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے آگتے ہیں عالم سبزہ وار (مرزا غالب)

آب

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز (طلوع اسلام)

آبجو

تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بیکنار کر
(بال جبریل صفحہ ۸)

آب کوثر

آب کوثر تشنہ کامان محبت کا ہے تو
جس کے ہر قطرے میں سو موتی ہوں وہ دریا ہے تو (نالۂ یتیم)

ابد

میں باغباں ہوں محبت بہار ہے اس کی
بنا مثال ابد پائیدار ہے اس کی (اختر صبح)

ابر رحمت

ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب
جل گئی مزرعۂ ہستی تو اگا دانۂ دل (دل)

ابر آذاری

آہ مسلم بھی زمانے سے یونہی رخصت ہوا
آسماں سے ابر آذاری اٹھا ، برسا ، گیا
(گورستان شاہی)

ابراہیم

بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بتگر ہیں
تھا ابراہیم پدر اور پسر آذر میں (جواب شکوہ)

توڑ دیتا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستیٔ تسنیم عشق
(سوامی رام تیرتھ)

ابلیس

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک
(بال جبریل صفحہ ۲۱۵)

ابو لہب

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفےٰ، عقل تمام بو لہب
(بال جبریل صفحہ ۱۵۵)

آتش

مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارہ
(عشق اور موت)

آتش قبا

لالۂ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زباں طائر کو سرمست نوا کرتی ہے یہ
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

اچھوت

زاغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پر
شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز! یہ مرغان صحرا کے اچھوت
ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بے خبر
(ضرب کلیم صفحہ ۱۷۲)

احرام

چہچہاتے ہیں پرندے پا کے پیغام حیات
باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرام حیات (نوید صبح)

اختر

جس سے تاج عرش کو زینت ہو وہ گوہر ہے تو
از پئے تقدیر عالم صورت اختر ہے تو (نالۂ یتیم)

اخگر

بجھائے خوب کے پانی نے اخگر اس کی آنکھوں کے
نظر شرما گئی ظالم کی درد انگیز منظر سے
(غلام قادر روہیلہ)

اذاں

جگے کوئل کی اذاں سے طائران نغمہ سنج
ہے ترنم ریز قانون سحر کا تار تار (نمود صبح)

آذر

بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بتگر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں (جواب شکوہ)

آذر

اٹھیں گے آذر ہزاروں شعر کے بتخانے سے
مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے (داغ)

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور (وطنیت)

ارم

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار

(بال جبریل صفحہ ۱۶۶)

ارمغاں

جہان آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں ہے تو (طلوع اسلام)

آرسی

رنگیں کیا سحر کو بانکی دولہن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی (جگنو)

آ میں تجھے دکھاؤں رخسار روشن اُس کا
نہروں کے آئنے میں شبنم کی آرسی میں (چاند)

حسن ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں
جس طرح عکس گل ہو شبنم کی آرسی میں (بزم انجم)

اشہب

ہے دوڑتا اشہب زمانہ
کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

(چاند اور تارے)

اعضا

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم (شاعر)

افشاں

اجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشاں کا
نسیم زندگی پیغام لائی صبح خنداں کا (پیام صبح)

اندھیرا

زمیں میں ہے گو خاکیوں کی برات
نہیں اس اندھیرے میں آب حیات

امتحاں

تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے (طلوع اسلام)

آہو

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے (دعا)

آئینہ

آنکھ تیری صفت آئنہ حیران ہے کیا
نور آگاہی سے روشن تری پہچان ہے کیا
(... کی گود میں بلی دیکھ کر)

شفق صبح کو دریا کا خرام آئینہ
نغمۂ شام کو خاموشی شام آئینہ

برگ گل آئنۂ عارض زیبائے بہار
شاہد مے کے لئے حجلۂ شام آئینہ
حسن آئینۂ حق اور دل آئینہ حسن
دل انساں کو ترا حسن کلام آئینہ (شیکسپیئر)

چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیال ہے
دامن موج ہوا جس کے لئے رومال ہے (ہمالہ)

ایوان سحر

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو تیرا
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

باجا

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہے میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو (ایک آرزو)

باد بہار

ہے مرے باغ سخن کے لئے تو باد بہار
میرے بیتاب تخیل کو دیا تونے قرار
(حسن و عشق)

باد بہاری

خروش آموز بلبل ہو گرہ غنچے کی وا کر دے
کہ تو اس گلستاں کے واسطے باد بہاری ہے (طلوع اسلام)

باد سحر

ہمیشہ صورت باد سحر آوارہ رہتا ہوں
محبت میں ہے منزل سے بھی خوشتر جادہ پیمائی
(تضمین بر شعر انیسی شاملو)

بازیگاہ

اے ہمالہ کوئی بازیگاہ ہے تو بھی جسے
دست قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لئے (ہمالہ)

تھا یہاں ہنگامہ آن صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازیگاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی (صقلیہ)

بانگ درا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا (ترانۂ ملی)

نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگ درا اٹھتی ہے (نوائے غم)

بالی

چرخ نے بالی چرالی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی (ماہ نو)

بالیاں

سیر کرتا ہوا جس دم لب جو آتا ہوں
بالیاں نہر کو گرداب کی پہناتا ہوں (ابر کوہسار)

بت

توڑ دیتا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستی تسنیم عشق

(سوامی رام تیرتھ)

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے (وطنیت)

شہری ہو دہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن

(بال جبریل صفحہ ۲۲۰)

بت خانہ

یہ عالم یہ بت خانہ رنگ و صوت .
یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت
یہ عالم یہ بت خانۂ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
خودی کی ہے یہ منزل اولیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

(بال جبریل صفحہ ۱۷۳)

بتان عصر حاضر

یہ بتان عصر حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ ، نہ تراش آذرانہ

(بال جبریل صفحہ ۲۳)

بجلی

گری اس تبسم کی بجلی قضا پر
اندھیرے کا ہو نور میں کیا گذارا

(عشق اور موت)

اے حلقۂ درویشاں وہ مرد خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستاخیز
جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز

(بال جبریل صفحہ ۳۲)

بحر

وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا
ہر قطرہ ہے بحر بے کرانہ

(ضرب کلیم صفحہ ۸۶)

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

(ضرب کلیم صفحہ ۸۱)

بحر بیکراں

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی (زندگی)

بحر بے پایاں

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے

(شمع اور شاعر)

بحر خشک

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور
(ایک حاجی مدینے کے راستے میں)

بربط

نغمۂ امید تیری بربط دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیرے محمل میں نہیں (مسلم)

بربط کون و مکاں جس کی خموشی پہ نثار
جس کے ہر تار میں ہیں سینکڑوں نغموں کے مزار (نوائے غم)

برق

تو جو محفل ہے تو ہنگامۂ محفل ہوں میں
حسن کی برق ہے تو عشق کا حاصل ہوں میں
(حسن و عشق)

ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرام ناز
مانند برق تیز ، مثال ہوا خموش (سوٹر)

ہاں نمایاں ہو کے برق دیدۂ خفاش ہو
اے دل کون و مکاں کے راز مضمر فاش ہو (نوید صبح

صفت برق چمکتا ہے مرا فکر بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمت شب میں راہی
(بال جبریل صفحہ ۹۰

برگ

میری صورت بھی تو اک برگ ریاض طور ہے
میں چمن سے دور ہوں تو بھی چمن سے دور ہے (گل رنگین)

برگ حشیش

وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام
(ضرب کلیم صفحہ ۵۳)

برہ معصوم

غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر گرگ کو ہے برۂ معصوم کی تلاش
(ضرب کلیم صفحہ ۱۴۷)

بزم

یوں تو اے بزم جہاں دلکش تھے ہنگامے ترے
اک ذرا افسردگی تیرے تماشاؤں میں تھی (غزلیات)

بستی

اے تارو نہ پوچھو چمنستان جہاں کی
گلشن نہیں اک بستی ہے وہ آہ و فغاں کی
(شبنم اور ستارے)

منظر حرماں نصیبی کا تماشائی ہوں میں
ہم نشین خفتگان کنج تنہائی ہوں میں
تھم ذرا بیتابی دل بیٹھ جانے دے مجھے
اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے
(خفتگان خاک سے استفسار)

بلبل

میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے (دعا)

مضطرب ہے اب دل نالاں بیاباں کے لئے
جس طرح بلبل تڑپتا ہے گلستاں کے لئے (نالۂ یتیم)

قوم آوارہ عناں‌تاب ہے پھر سوئے حجاز
لے اڑا بلبل بے پر کو مذاق پرواز (شکوہ)

عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن
اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پرداز چمن
ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم ابتک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم ابتک (شکوہ)

بو

مطمئن ہے تو پریشاں مثل بو رہتا ہوں میں
زخمی شمشیر ذوق جستجو رہتا ہوں میں
وہ گل رنگیں ترا رخصت مثال بو ہوا
آہ خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا (داغ)

کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورت گل ، مانند بو پریشاں
(رات اور شاعر)

بوند

بوند اک خون کی ہے تو لیکن
غیرت لعل بے بہا ہوں میں (عقل و دل)

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند
(بال جبریل صفحہ ۱۷۲)

بہشت

ہے تخت لعل شفق پر جلوس اختر شام
بہشت دیدۂ بینا ہے حسن منظر شام (فراق)

پارا

مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
وہ آتش ہے میں سامنے اس کے پارہ
(عشق اور موت)

پاسباں

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا ، وہ پاسباں ہمارا (ترانہ ہندی)

امتحان دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو
پاسباں اپنا ہے تو دیوار ہندوستاں ہے تو (ہمالہ)

اے شب کے پاسبانو ، اے آسماں کے تارو
تابندہ قوم ساری گردوں نشیں تمہاری (بزم انجم)

اپنے سکان کہن کی خاک کا دلدادہ ہے
کوہ کے سر پر مثال پاسباں استادہ ہے
(گورستان شاہی)

یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے (طلوع اسلام)

پاسبان عقل

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے (غزلیات)

پروانہ

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب (بچے کی دعا)

پری

سرخ پوشاک ہے پھولوں کی درختوں کی پری
تیری محفل میں کوئی سبز کوئی لال پری
(انسان اور بزم قدرت)

پریاں

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے ، نیلے نیلے ، پیلے پیلے پیرہن
(بال جبریل صفحہ ۳۸

پرنیاں

گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں
(بال جبریل صفحہ ۱۵

پھول

عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا
شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا (کنار ا

تابندہ گہر

جس معنی پیچیدہ کی تصدیق کرے دل
قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گہر سے

(ضرب کلیم صفحہ ۳۷)

تارا

یا تو مری جبیں کا تارا گرا ہوا ہے
رفعت کو چھوڑ کر جو پستی میں آ بسا ہے

(رات اور شاعر)

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

(بال جبریل صفحہ ۱۴)

شرر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
وہ ہے نور مطلق کی آنکھوں کا تارا

(عشق اور موت)

تار سیم

ہجر ان قطروں کو لیکن وصل کی تعلیم ہے
دو قدم پر پھر وہی جو مثل تار سیم ہے (فلسفۂ غم)

تارے

مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں (فلسفۂ غم)

تازیانہ

ابر کے ہاتھوں میں رہوار ہوا کے واسطے
تازیانہ دے دیا برق سر کوہسار نے (ہمالہ)

تجارت

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کو خسارا (ارمغان حجاز)

تخت

ہے تخت لعل شفق پر جلوس اختر شام
بہشت دیدۂ بینا ہے حسن منظر شام (فراق)

تخم

نہ تخم لا الہ تیری زمین شور سے پھوٹا
زمانے بھر میں رسوا ہے تری فطرت کی نازائی
(تضمین برشعر انیسی شاملو)

تسبیح

رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے
(شمع اور شاعر)

تصویر

میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو
خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو
(گل پژ مردہ)

تصویر خانہ

ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شب دراز عدم کا فسانہ ہے دنیا

تصویر اور تحریر

اور بلبل مطرب رنگیں نوائے گلستاں
جس کے دم سے زندہ ہے گویا ہوائے گلستاں
عشق کے ہنگاموں کی اڑتی ہوئی تصویر ہے
خامۂ قدرت کی کیسی شوخ یہ تحریر ہے
(گورستان شاہی)

تعمیر

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
(ضرب کلیم صفحہ ۲۸)

تفسیر

دم کے بدلے سینے میں میرے دم شمشیر ہے
زندگی اپنی کتاب موت کی تفسیر ہے (نالہ یتیم)

تکمہ

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں (جگنو)

تلوار

یہ موج نفس کیا ہے تلوار ہے
خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے
(بال جبریل صفحہ ۱۷۲)

تمہید

تیری پیشانی پہ تحریر پیام عید ہے
شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تمہید ہے (غرہ شوال)

ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقل انسانی ہے فانی زندۂ جاوید عشق (فلسفۂ غم)

تیر

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
(بال جبریل صفحہ ۱۳۴)

تیزاب

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر
(ضرب کلیم صفحہ ۱۵۶)

تیغ

نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل
(بال جبریل صفحہ ۹۲)

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
(بال جبریل صفحہ ۱۷)

کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشاد شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے گذر
(بال جبریل صفحہ ۴۶)

جادہ

یا رب اس ساغر لبریز کی مے کیا ہوگی
جادۂ ملک بقا ہے خط پیمانۂ دل (دل)

جام

خالی شراب عشق سے لالے کا جام ہو
پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو (درد عشق)

جام تہی

ابر نیساں یہ تنک بخشیٔ شبنم کب تک
مرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی (غزلیات)

جام جم

ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم
شیشہ دل ہو اگر تیرا مثال جام جم
(سید کی لوح تربت)

جام دل

جس کا جام دل شکست غم سے ہے ناآشنا
جو سدا مست شراب عیش و عشرت ہی رہا
کلفت غم گرچہ اُس کے روز و شب سے دور ہے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے (فلسفۂ غم)

جامۂ حرف

حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
(بال جبریل صفحہ ۱۷۴)

جامۂ عقل

ہے مری جرأت سے مشت خاک میں ذوق نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
(بال جبریل صفحہ ۱۹۳)

جبرئیل

بزم عالم میں طراز مسند عظمت ہے تو
پھر انساں جبرئیل آیۂ رحمت ہے تو (نالۂ یتیم)

جبین جبرئیل

وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل (خضر راہ)

جرس

جرس ہوں ، نالہ خوابیدہ ہے میری ہر رگ و پے میں
یہ خاموشی مری وقت رحیل کارواں تک ہے (غزلیات)

جزر و مد

ہے قیام بحر ہستی جزر و مد امید کا
گاہے گاہے آ نکلتی ہے مسرت کی ہوا (نالہ یتیم)

جناں

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا (ترانہ ہندی)

جنت

رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے
(ہندوستانی بچوں کا قومی گیت)

جو

رہزن ہمت ہوا ذوق تن آسانی ترا
بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں مثل جو ہوا
(شمع اور شاعر)

گلشن دہر میں اگر جوئے مئے سخن نہ ہو
پھول نہ ہو کلی نہ ہو سبزہ نہ ہو چمن نہ ہو (شاعر)

جوئے خوں

شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوع فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ
(بال جبریل صفحہ ۱۷۶)

جوئے شیر

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی (جواب خضر)

جوہری

تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو
(رات اور شاعر)

جہاز

جہاز زندگی آدمی رواں ہے یونہیں
ابد کے بحر میں پیدا یونہیں نہاں ہے یونہیں (کنار راوی)

جہاں

تھے دیار نو زمین و آسماں میرے لئے
وسعت آغوش مادر اک جہاں میرے لئے (عہد طفلی)

چاند

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں (جگنو)

چاندی کے گہنے

پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے (بزم انجم)

چراغ

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی (ہمایوں)

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے
(بال جبریل صفحہ ۱۱۹)

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ
(ضرب کلیم صفحہ ۸۶)

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ
(ضرب کلیم صفحہ ۸۴)

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ رہگزر ہے
(بال جبریل صفحہ ۲۰۱

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن
(بال جبریل صفحہ ۱

چراغ سحر

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہل محفل
چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں (غزلیات)

چشم

دریا کی تہ میں چشم گرداب سو گئی ہے
ساحل سے لگ کے موج بیتاب سو گئی ہے
(رات اور شاعر)

چنگاری

آہ سیماب پریشاں ، انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

چنگیز

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز
(ضرب کلیم صفحہ ۵۱)

حاصل

تو جو محفل ہے تو ہنگامۂ محفل ہوں میں
حسن کی برق ہے تو عشق کا حاصل ہوں میں
(حسن و عشق)

شعلہ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دہقان گردوں نے جو تاروں کے شرار (نمود صبح)

حباب

یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
تجھے بھی چاہئے مثل حباب آبجو رہنا (تصویر درد)

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانہ میں تیرا امتحاں ہے زندگی (خضر راہ)

بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی
نفس حباب کا ، تابندگی شرارے کی (اختر صبح)

موج غم پر رقص کرتا ہے حباب زندگی
ہے الم کا سورہ بھی جزو کتاب زندگی (فلسفہٗ غم)

حرم

پیام سجدہ کا یہ زیر و بم ہوا مجھ کو
جہاں تمام سواد حرم ہوا مجھ کو (کنار راوی

حریر

خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیان و حریر
(ضرب کلیم صفحہ ۷۵

حسین

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو (ایک آرز

حقیقت اور مجاز

سفر زندگی کے لئے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز
(بال جبریل صفحہ ۱۰

وجود افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زن طلسم مجاز ہوجا (پیام ع

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہے حیات
پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں
(شفاخانہ حجاز)

حنا

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام
(جنگ یرموک کا ایک واقعہ)

حور

اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی
کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی
(عشق اور موت)

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حور ہے تو
(بال جبریل صفحہ ۱۳۸)

خاک حرم

صورت خاک حرم یہ سر زمیں بھی پاک ہے
آستان مسند آرائے شہ لولاک ہے (بلاد اسلامیہ)

خدنگ

خدنگ سینۂ گردوں ہے اس کا فکر بلند
کمند اس کا تخیل ہے مہر و مہ کے لئے
(ضرب کلیم صفحہ ۸۳

خرقہ

آسماں بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے
کچھ مکدر سا جبین ماہ کا آئینہ ہے
(گورستان شاہی

خزف چیں

علم کے دریا سے نکلے غوطہ زن گوہر بدست
وائے ناکامی خزف چین لب ساحل ہوں میں (غزلیات)

خس

اے ہوس خوں روکہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تبسم یہ خس آتش سوار
(گوستان شاہی)

خضر

کام دنیا میں رہبری ہے مرا
مثل خضر خجستہ پا ہوں میں (عقل و دل)

خضر ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشہ گیر
فکر جب عاجز ہو اور خاموش آواز ضمیر (فلسفۂ غم)

رہنما ہے وادی عالم میں تو مثل خضر
تو تو ہے اک مظہر شان کریمی سر بسر (نالۂ یتیم)

خفاش

فیض فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہ خفاش
(ضرب کلیم صفحہ ۸۳)

خلوتگاہ مینا

مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوتگاہ مینا میں شراب خوشگوار (نمود صبح)

خلیل

عذاب دانش حاضر سے با خبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

(بال جبریل صفحہ ۹۲)

یقیں مثل خلیل آتش نشینی
یقیں اللہ مستی خود گزینی

(بال جبریل صفحہ ۱۱۲)

خم

کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
مئے گلرنگ خم شام میں تو نے ڈالی

(انسان اور بزم قدرت)

خنجر

کھینچ کر خنجر کرن کا پھر ہو سر گرم ستیز
پھر سکھا تاریکی باطل کو آداب گریز (نوید صبح)

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا (ترانہ ملی)

خواب

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے غفلت ہے سرمستی ہے بے ہوشی ہے یہ

خورشید

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ، ادھر ڈوبے ادھر نکلے (طلوع اسلام)

میرے خورشید کبھی تو بھی اٹھا اپنی نقاب
بہر نظارہ تڑپتی ہے نگاہ بے تاب (کلی)

اپنے خورشید کا نظارہ کروں دور سے میں
صفت غنچہ ہم آغوش رہوں نور سے میں (کلی)

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد معانی میں دقیق
(ضرب کلیم صفحہ ۱۲۹)

خوشہ چیں

کہنے لگا چاند، ہم نشینو
اے مزرع شب کے خوشہ چینو
(چاند اور تارے)

خیمہ

عجیب خیمہ ہے کہسار کے نہالوں کا
یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا (ابر)

ہے ترے خیمۂ گردوں کی طلائی جھالر
بدلیاں لال سی آتی ہیں افق پہ جو نظر
(انسان اور بزم قدرت)

خیمہ زن

تیری عمر رفتہ کی اک آن ہے عہد کہن
وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خیمہ زن (ہمالہ)

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار
(بال جبریل صفحہ ۱۶۶)

داشتہ

ممکن ہے کہ یہ داشتہ پیرک افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے
(ضرب کلیم صفحہ ۱۵۸ - جمعیت اقوام)

دام

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے (دل)

دام سیمین تخیل ہے مرا آفاق گیر
کر لیا ہے جس میں تیری یادکو میں نے اسیر
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

دانہ

دانۂ خرمن نما ہے شاعر معجز بیاں
ہو نہ خرمن ہی تو اس دانے کی ہستی پھر کہاں (صدائے درد)

دانہ اشک

اشک کے دانے زمین شعر میں بوتا ہوں میں
تو بھی رو اے خاک دلی داغ کو روتا ہوں میں (داغ)

دانہ تسبیح

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑنگا
(تصویر درد)

رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے
(شمع اور شاعر)

دانہ سپند

بزم جہاں میں میں بھی ہوں اے شمع دردمند
فریاد درگرہ صفت دانۂ سپند (شمع)

دختر

ہو رہی ہے زیر داماں افق سے آشکار
صبح یعنی دختر دوشیزۂ لیل و نہار (نمود صبح)

زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

در تابندہ

اے در تابندہ اے پروردہ آغوش موج
لذت طوفاں سے ہے ناآشنا دریا ترا
(شمع اور شاعر)

درد

لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی
تھی تہ میں کہیں درد خیال ہمہ دانی
(زہد اور رندی)

درخت صحرا

نظر ہے ابر کرم پر درخت صحرا ہوں
کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھ کو
(التجائے مسافر)

دریا

نفی ہستی اک کرشمہ ہے دل آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا
(سوامی رام تیرتھ)

بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے
(بال جبریل صفحہ ۱۳)

دست رعشہ دار

شراب سرخ سے رنگین ہوا ہے دامن شام
لئے ہے پیر فلک دست رعشہ دار میں جام (کنار راوی)

دستار

برف نے باندھی ہے دستار فضیلت تیرے سر
خندہ زن ہے جو کلاہ مہر عالمتاب پر (ہمالہ)

درویش

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ
(بال جبریل صفحہ ۲۱۹)

دعا

شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کہاں
دعائے طفلک گفتار آزما کی مثال (فراق)

دلہن

رنگیں کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی (جگنو)

سہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو (ایک آرزو)

دہقان

شعلۂ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دہقان گردوں نے جو تاروں کے شرار (نمود صبح)

دیا

اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا (ہمدردی)

شمع تو محفل صداقت کی
حسن کی بزم کا دیا ہوں میں (عقل و دل)

دیدۂ بینا

محفل نظم حکومت چہرۂ بینائے قوم
شاعر رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم (شاعر)

دیو

ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد
فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر
(ضرب کلیم صفحہ ۱۵۴)

دیوان

مطلع اول فلک جس کا ہو وہ دیوان ہے تو
سوئے خلوتگاہ دل دامن کش انساں ہے تو (ہمالہ)

باندھا مجھے جو اس نے تو چاہی مری نمود
تحریر کر دیا سر دیوان ہست و بود (شمع)

راکھ

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے
(بال جبریل صفحہ ۱٦٨)

رباب

زندگانی ہے مری مثل رباب خاموش
جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش (نوائے غم)

رخت

رخت ہستی خاک غم کی شعلہ افشانی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

رخسار

آئنہ روشن ہے اس کا صورت رخسار حور
گر کے وادی کی چٹانوں میں یہ ہو جاتا ہے چور (فلسفہ غم)

رستخیز

دل نہیں شاعر کا ہے کیفیتوں کا رستخیز
کیا خبر تجھ کو درون سینہ کیا رکھتا ہوں میں
(عاشق ہرجائی)

رستاخیز

کسے خبر ہے کہ ہنگامہ‌ٔ نشور ہے کیا
تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز
(بال جبریل صفحہ ۲۵)

روباہی

یہ نکتہ پیر دانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا
کہ ہے ضبط فغاں شیری، فغاں روباہی و میشی
(ضرب کلیم صفحہ ۱۳۴)

روح و بدن

شعر سے روشن ہے جان جبرئیل و اہر من
رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرور انجمن
فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرار فن
شعر گویا روح موسیقی ہے رقص اس کا بدن
(ضرب کلیم صفحہ ۱۳۴)

روح و پیکر

تھا سراپا روح تو بزم سخن پیکر ترا
زیب محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا (مرزا غالب)

رومال

چشمہ‌ٔ دامن ترا آئینہ‌ٔ سیال ہے
دامن موج ہوا جس کے لئے رومال ہے (ہمالہ)

رہنما

آہ اے سسلی سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو (صقلیہ)

رہوار

ابر کے ہاتھوں میں رہوار ہوا کے واسطے
تازیانہ دے دیا برق سر کہسار نے (ہمالہ)

ریاض

ٹپک بلندی گردوں سے ہمرہ شبنم
مرے ریاض سخن کی فضا ہے جاں پرور (اختر صبح)

زباں

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے (طلوع اسلام)

زجاج

کیوں مسلماں نہ خجل ہو تری سنگینی سے
کہ غلامی سے ہوا مثل زجاج اس کا وجود
(ضرب کلیم صفحہ ۱۰۳)

زجاج گر

زجاج گر کی دکاں شاعری و ملائی
ستم ہے خوار پھرے دشت و در میں دیوانہ
(ضرب کلیم صفحہ ۱۰۰)

زخمہ

مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی
دیں زخمہ ہے جمعیت ملت ہے اگر ساز
(فردوس میں ایک مکالمہ)

زکوۃ

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات (خضر راہ)

زلف ایاز

در حکام بھی ہے تجھ کو مقام محمود
پالیسی بھی تری پیچیدہ تر از زلف ایاز (نصیحت)

زمرد

زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے
دئے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
(ماں کا خواب)

زنجیر

نہنگ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد
نہنگ مردہ کو موج سراب بھی زنجیر
(ضرب کلیم صفحہ ۷۵)

زنگ

حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
(بال جبریل صفحہ ۱۷۴)

زہر

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مئے حیات
کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات
(بال جبریل صفحہ ۱۵۲)

زیور

ہو در گوش عروس صبح وہ گوہر ہے تو
جس پہ سیمائے افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو (آفتاب صبح)

کہا یہ میں نے کہ اے زیور جبین سحر
غم فنا ہے تجھے گنبد فلک سے اتر (اختر صبح

پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور
قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے (بزم انجم

ساز

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری (جواب خضر

زندگانی ہے مری مثل رباب خاموش
جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش
آہ امید محبت کی بر آئی نہ کبھی
چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی (نوائے غم

ساحر

کر رہا ہے آسماں جادو لب گفتار پر
ساحر شب کی نظر ہے دیدۂ بیدار پر
(خفتگان خاک سے استفسار

ساحل

جانب منزل رواں بے نقش پا مانند موج
اور پھر افتادہ مثل ساحل دریا بھی ہے
(عاشق ہرجائی

ساغر

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا مجھ کو گویا جہاں نما ہو (ایک آرزو

شورش میخانہ عالم سے بالاتر ہے تو
زینت بزم فلک جس سے ہو وہ ساغر ہے تو (آفتاب صبح)

یا رب اس ساغر لبریز کی مے کیا ہو گی
جادۂ ملک بقا ہے خط پیمانۂ دل (دل)

ساقی

میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقیٔ موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا
(صبح کا ستارہ)

میں ہوں نومید تیرے ساقیان سامری فن سے
کہ بزم خاوراں میں آئے لے کر سانگیں خالی
(ضرب کلیم صفحہ ۶۹)

سپند

ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط
اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں
(عبدالقادر کے نام)

ستارہ

گرچہ تھا تیرا تن خاکی نزار و دردمند
تھی ستارے کی طرح روشن تری طبع بلند (ہمایوں)

روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
(بال جبریل صفحہ ۱۳۰)

وہ بزم عیش ہے مہماں یک نفس دو نفس
چمک رہے ہیں مثال ستارہ جس کے ایاغ
(ضرب کلیم صفحہ ۸۵)

آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں (جگنو)

سحاب

مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز
جہاں میں ہوں میں مثال سحاب دریا باش
(ایک خط کے جواب میں)

سحر

لیکن یہ سنا اپنے مریدوں سے ہے میں نے
بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی
(زہد اور رندی)

مانند سحر صحن گلستاں میں قدم رکھ
آئے تہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے
(ضرب کلیم صفحہ ۱۱۸)

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب (خضر راہ)

سرمہ

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف
(بال جبریل صفحہ ۶۱)

سرمایہ دار

محفل ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوت کوہسار (مرزا غال

سرو

وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھکر بہرہ مند
(والدہ مرحومہ کی یاد م

سفیر

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں (جگ

سلسبیل

اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسبیل (خضر ر

سلیماں

جس سے تیرے حلقۂ خاتم میں تھا گردوں اسیر
اے سلیماں ، تیری غفلت نے گنوایا وہ نگیں
(تضمین بر شعر ابوطالب کا

سوداگر

نہیں جنس ثواب آخرت کی آرزو مجھ کو
وہ سوداگر ہوں میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں (غزلیاد

سورۂ رحمٰن

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن
(ضرب کلیم صفحہ ۸

سیل

سادہ و پرسوز ہے دختر دہقاں کا گیت
کشتی دل کے لئے سیل ہے عہد شباب
(بال جبریل صفحہ ۱۳۵)

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
(بال جبریل صفحہ ۱۲۸)

سیماب

میں جوش اضطراب سے سیماب وار بھی
آگاہ اضطراب دل بے قرار بھی (شمع)

سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے
آداب عشق تو نے سکھائے ہیں کیا اسے
(شمع و پروانہ)

مضطرب رکھتا ہے میرا دل بیتاب مجھے
عین ہستی ہے تڑپ صورت سیماب مجھے (موج دریا)

میرے پہلو میں دل مضطر نہ تھا سیماب تھا
ارتکاب جرم الفت کے لئے بیتاب تھا (وصال)

آہ سیماب پریشاں ، انجم گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں ممنون شب ہے جن کا سوز
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

سیم سیال

پرتو مہر کے دم سے اُجالا تیرا
سیم سیال ہے پانی ترے دریاؤں کا
(انسان اور بزم قدرت)

سینا

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا
نوح نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے
(ہندوستانی بچوں کا قومی گیت)

شام

صبح عشرت بھی ہماری غیرت صد شام ہے
ہستی انساں غبار خاطر آرام ہے (نالۂ یتیم)

شانہ

دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جسکا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
(التجائے مسافر)

بن کے گیسو رخ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں
شانۂ موجۂ صر صر سے سنور جاتا ہوں (ابر کوہسار)

شاہد

شاہد قدرت کا آئینہ ہو میرا دل نہ ہو
سر میں جز ہمدردی انساں کوئی سودا نہ ہو (آفتاب صبح)

شاہد مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی گل شیراز پر (مرزا غالب)

پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلیٰ دے (دعا)

شاہین

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
(بال جبریل صفحہ ۱٦۳)

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صید زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہین شہ لولاک ہے تو
(بال جبریل صفحہ ۱۱۹)

اسی اقبال کی کرتا رہا میں جستجو برسوں
بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیر دام آیا
(بال جبریل صفحہ ۸۵)

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
(بال جبریل صفحہ ۹۰)

پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا
(بال جبریل صفحہ ۲۱۸)

فقیران حرم کے ہاتھ اقبال آ گیا کیونکر
میسر میر و سلطاں کو نہیں شاہین کا فوری
(بال جبریل صفحہ ۸۸)

شاہیں بچہ

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

(بال جبریل صفحہ ۱۱)

شکایت ہے خداوندان مکتب سے مجھے یا رب
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

(بال جبریل صفحہ ۵۰)

شبستان

فیض سے میرے نمونے ہیں شبستانوں کے
جھونپڑے دامن کہسار میں دہقانوں کے (ابر کوہسار)

شبنم

شبنم کی طرح پھولوں پہ رو اور چمن سے چل
اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے (غزلیات)

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا
ہے نہاں تیری اداسی میں دل ویراں مرا

(گل پژ مردہ)

فیض ساقی شبنم آسا ظرف دل دریا طلب
تشنۂ دائم ہوں آتش زیر پا رکھتا ہوں میں

(عاشق ہرجائی)

گریہ ساماں میں کہ میرے دل میں ہے طوفان اشک
شبنم افشاں تو کہ بزم گل میں ہو چرچا ترا

(شمع اور شاعر

برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

(بال جبریل صفحہ ۴۸)

مانند سحر صحن گلستاں میں قدم رکھ
آئے تہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے

(ضرب کلیم صفحہ ۱۱۸)

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

(ضرب کلیم صفحہ ۵۷)

شجر

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو (تصویر درد)

شرار

آیا ہے تو جہاں میں مثال شرار دیکھ
دم دے نہ جائے ہستی بے اعتبار دیکھ (غزلیات)

شرارا

اڑاتی ہوں میں رخت ہستی کے پرزے
بجھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا

(عشق اور موت)

شراب

مطلع خورشیدمیں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوت گاہ مینا میں شراب خوشگوار (نمود صبح)

شراب علم

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

(التجائے مسافر)

شراب عشق

خالی شراب عشق سے لالے کا جام ہو
پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو (درد عشق)

شرارا

مجھے پھونکا ہے سوز قطرۂ اشک محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے شرارے میں (غزلیات)

شرر

نگاہ موت پہ رکھتا ہے مرد دانشمند
حیات ہے شب تاریک میں شرر کی نمود

(ضرب کلیم صفحہ ٦٦)

اے کہ ہے زیر فلک مثل شرر تیری نمود
کون سمجھائے تجھے کیا ہیں مقامات وجود

(ضرب کلیم صفحہ ٢١١)

شعلہ

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمن باطل جلا دے شعلۂ آواز سے

(سید کی لوح تربت)

عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھالے میرے
کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے (وصال)

شمشیر

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو (جواب خضر)

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحرخیزی
(بال جبریل صفحہ ۶۱)

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
(بال جبریل صفحہ ۱۳۶)

شمع

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری (بچے کی دعا)

شمع ہو محفل صداقت کی
حسن کی بزم کا دیا ہوں میں (عقل و دل)

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں (جگنو)

گئے وہ ایام اب زمانہ نہیں ہے صحرا نوردیوں کا
جہاں میں مانند شمع سوزاں میان محفل گداز ہوجا (پیام عشق)

آج لیکن ہمنوا سارا چمن ماتم میں ہے
شمع روشن بجھ گئی بزم سخن ماتم میں ہے (داغ)

شمع کی طرح جیئں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کر بینا کر دیں

(عبدالقادر کے نا

جو مثال شمع روشن محفل قدرت میں ہے
آسماں اک نقطہ جسکی وسعت فطرت میں ہے

(والدہ مرحومہ کی یاد میں

شمع طور

ہے زمیں قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور

(بلاد اسلا

شمع لحد

صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری
آہ اے رات بڑی دور ہے منزل میری

(رات اور ش

شمع محفل

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

(ضرب کلیم صفحہ

شمع مزار

ملا محبت کا سوز مجھ کو تو بولے صبح ازل فرشتے
مثال شمع مزار ہے تو تری کوئی انجمن نہیں ہے (ش

شہپر

طائر دل کے لئے غم شہپر پرواز ہے
راز ہے انساں کا دل غم انکشاف راز ہے (فلس

یر

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی
(بال جبریل صفحہ ۸۳)

خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
(بال جبریل صفحہ ۱۷۴)

یرازہ بند

اے آفتاب روح روان جہاں ہے تو
شیرازہ بند دفتر کون و مکاں ہے تو (آفتاب)

اعقہ طور

لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات
گرما کے مثل صاعقۂ طور ہو گیا
(محاصرہ ادرنہ)

صبا

ہے پا شکستہ شیوۂ فریاد سے جرس
نکہت کا کارواں ہے مثال صبا خموش (موٹر)

بے نیازی سے ہے پیدا میری فطرت کا نیاز
سوز و ساز جستجو مثل صبا رکھتا ہوں میں
(عاشق ہرجائی)

سایۂ رحمت ہے تو اے ظل داماں پدر
غنچہ طفلی پہ ہے مثل صبا تیرا گذر (نالہ یتیم)

صحرا

عشق کی آشفتگی نے کر دیا صحرا جسے
مشت خاک ایسی نہاں زیر قبا رکھتا ہوں میں
(عاشق ہرجائی)

اس ذرے کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم
یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا صحرا ہے (انسان)

صدف

ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی
(ضرب کلیم صفحہ ۱۰)

صنمکدہ

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے
صنمکدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
(ضوب کلیم صفحہ ۷

صید

آہ مکتب کا جوان گرم خوں
ساحر افرنگ کا صید زبوں

صیاد

چیتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
(ضرب کلیم صفحہ

اثر

اے کہ تیرا مرغ جاں تار نفس میں ہے اسیر
اے کہ تیری روح کا طائر قفس میں ہے اسیر
(سید کی لوح تربت)

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہمزبانوں میں (تصویر درد)

طائر دیں

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
(فردوس میں ایک مکالمہ)

طاہر لاہوتی

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
(بال جبریل صفحہ ۸۳)

طائرک بہار

نغمۂ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
اس دم نیم سوز کو طائرک بہار کر
(بال جبریل صفحہ ۸)

طائرک بلند بام

گرچہ ہے دلکشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرک بلند بام دانہ و دام سے گذر
(بال جبریل صفحہ ۴۶)

طبلہ

تیرے احساں کا نسیم صبح کو اقرار تھا
باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطار تھا (گل پژمردہ)

طشت

طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب (ماہ نو)

سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو
طشت افق سے لے کے لالے کے پھول مارے (بزم انجم)

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے طغول و سنجر سے کم شکوہ فقیر
(ضرب کلیم صفحہ ۷۵)

طلائی جھالر

ہے ترے خیمۂ گردوں کی طلائی جھالر
بدلیاں لال سی آتی ہیں افق پہ جو نظر
(انسان اور بزم قدرت)

طلسم

کھلا یہ مر کر کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہوس سراپا
جسے سمجھتے تھے جسم خاکی غبار تھا کوئے آرزو کا (غزلیات)

طور

کچھ اس میں جوش عاشق حسن قدیم ہے
چھوٹا سا طور تو یہ ذرا سا کلیم ہے
(شمع و پروانہ)

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
تیرے لئے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا (بلال)

لباس نور میں مستور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں
(ایک پرندہ اور جگنو)

طوفان

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
(ضرب کلیم صفحہ ۵۷)

طیلسان

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب
کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلسان
(بال جبریل صفحہ ۱۵۱)

ظلمت خانہ

ابھی امکاں کے ظلمت خانہ سے ابھری ہی تھی دنیا
مذاق زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے (محبت)

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں (غزلیات)

عابد

خورشید وہ عابد سحر خیز
لانے والا پیام بر خیز (انسان)

ہے رواں نجم سحر جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جائے کوئی عابد شب زندہ دار (نمود صبح)

عالم لاہوت

مشرق نہیں گو لذت نظارہ سے محروم
لیکن صفت عالم لاہوت ہے خاموش
(ضرب کلیم صفحہ ۱۰۶)

عاشق

یک بیں تری نظر صفت عاشقان راز
میری نگاہ مایہ آشوب امتیاز (شمع)

عرش

کس بلندی پہ ہے مقام مرا
عرش رب جلیل کا ہوں میں (عقل و دل)

عرش کا ہے کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی مرا کاشانہ دل (دل)

عروس

محمل میں خامشی کے لیلائے ظلمت آئی
چمکے عروس شب کے موتی وہ پیارے پیارے (بزم انجم)

سفر عروس قمر کا عماری شب میں
طلوع مہر و سکوت سپہر مینائی
(ضرب کلیم صفحہ ۱۰۲

عصا

تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دست ارباب سیاست کا عصا
(سید کی لوح تربت

مفور — ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل
شاہیں گدائے دانۂ عصفور ہو گیا
(محاصرہ ادرنہ)

رت گر — شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روح انسانی
(بال جبریل صفحہ ۲۱۷)

دلیب — کہا حضور نے اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمی نوا سے گداز
(حضور رسالت مآب میں)

نکبوت — ہمیشہ مور و ملخ پر نگاہ ہے ان کی
جہاں میں ہے صفت عنکبوت ان کی کمند
(ضرب کلیم صفحہ ۱۶۰)

ازہ — کانپتا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر
(ہمالہ)

حادثات غم سے ہے انساں کی فطرت کو کمال
غازہ ہے آئینۂ دل کے لئے گرد ملال
(فلسفہ غم)

غازۂ الفت سے یہ خاک سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکس ہمدم دیرینہ ہے
(وصال)

غزال — آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دلنشیں
(بال جبریل صفحہ ۱۳۴)

مری فطرت آئینہ روزگار
غزالان افکار کا مرغزار
(بال جبریل صفحہ ۱۶۹)

غنیم
رعب فغفوری ہو دنیا میں کہ شان قیصری
ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش گری
(گورستان شاہی)

فردوس
فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند
(بال جبریل صفحہ ۴۳)

ہیرے فردوس تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشت فکر سے آگتے ہیں عالم سبزہ دار (مرزا غالب)

فساں
خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
(ضرب کلیم صفحہ ۷

فسوں
کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی (غزلیات

فصد
طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب (ماہ نو

سیل	اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستاں چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں	(ہمالہ)
ک	خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے	(بال جبریل صفحہ ۱۷۳)
ولاد	اُس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد	(ضرب کلیم صفحہ ۷۰)
قاروں	قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا	(بال جبریل صفحہ ۵۰)
قافلہ	اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو	(ایک آرزو)
قانون	جاگے کوئل کی اذاں سے طائران نغمہ سنج ہے ترنم ریز قانون سحر کا تار تار	(نمود صبح)
قبا	مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو	(ایک آرزو)
	چمن میں حکم نشاط مدام لائی ہے قبائے گل میں گہر ٹانکنے کو لائی ہے	(ابر)

پہناتا ہوں اطلس کی قبا لالہ و گل کو
کرتا ہوں سر خار کو سوزن کی طرح تیز

(بال جبریل صفحہ ۱۷۹)

قبا پوش

ارتباط حرف و معنی اختلاط جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے

(ضرب کلیم صفحہ ۵۲)

قرآن

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

(ضرب کلیم صفحہ ۵۷)

قرطاس

بنیاد ہے کاشانۂ عالم کی ہوا پر
فریاد کی تصویر ہے قرطاس فضا پر

(شبنم اور تارے)

قطرہ

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بیتاب تو
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نایاب تو

(سوامی رام تیرتھ)

قلزم

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانہ میں تیرا امتحاں ہے زندگی (خضر راہ)

قمری

حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا
اقبال کہ ہے قمری شمشاد معانی
پابندی احکام شریعت میں ہے کیسا
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہمدانی

(زہد اور رندی)

قندیل — اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لئے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل
(بال جبریل صفحہ ۹۳)

کہاں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی (طلوع اسلام)

قیس — دیکھ آ کر کوچۂ چاک گریباں میں کبھی
قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو محمل بھی تو
(شمع اور شاعر)

ترا اے قیس کیونکر ہوگیا سوز دروں ٹھنڈا
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی انداز لیلائی

رہتی ہے قیس روز کو لیلیٰ شام کی ہوس
اختر صبح مضطرب تاب دوام کے لئے
(کوشش ناتمام)

کارواں — تاروں کا خموش کارواں ہے
یہ قافلہ بے درا رواں ہے (ایک شام)

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے (طلوع اسلام)

کرگس — یورپ کے کرگسوں کو نہیں ہے ابھی خبر
ہے کتنی زہر ناک ابی سینیا کی لاش
(ضرب کلیم صفحہ ۱۴۷)

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر ہے کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی
(بال جبریل صفحہ ۲۷)

کسوت دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں
کسوت مینا میں مے مستور بھی عریاں بھی ہے
(شمع اور شاعر)

کشت نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
(بال جبریل صفحہ ۱۶)

کشت خاور پا چکا فرصت ورود فصل انجم سے سپہر
کشت خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینۂ کار (نمود صبح)

کشتی ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل (ماہ نو)

جس طرح ڈوبتی ہے کشتی سمین قمر
نور خورشید کے طوفان میں ہنگام سحر
(حسن و عشق)

کعبہ یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

کلیم پابندی احکام شریعت میں ہے کیسا
گو شعر میں ہے رشک کلیم ہمدانی
(زہد اور رندی)

تجھے نظارے کا مثل کلیم سودا تھا
اویس طاقت دیدار کو ترستا تھا (بلال)

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا
نوح نبی کا آکر ٹھہرا جہاں سفینا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے
(ہندوستانی بچوں کا قومی گیت)

کھلونے پتیاں پھولوں کی گرتی ہیں خزاں میں اس طرح
دست طفل خفتہ سے رنگیں کھلونے جس طرح
(گورستان شاہی)

کنشتی ساز تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے
کنشتی ساز معمور نواہائے کلیسائی
(تضمین بر شعر انیسی شاملو)

کنیز مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لا دیں
کنیز اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر
(ضرب کلیم صفحہ ۱۵۴)

کنجشک گر ماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
(بال جبریل صفحہ ۱۴۹)

کوثر دلربائی میں مثال خندۂ مادر ہے تو
مثل آواز پدر شیریں تر از کوثر ہے تو (نالۂ یتیم)

کھیتی میں ترے چاند کی کھیتی میں گہر بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے مانند سحر روتا ہوں
(رات اور شاعر)

مرے سخن سے دلوں کی ہیں کھیتیاں سرسبز
جہاں میں ہوں میں مثال سحاب دریا پاش
(ایک خط کے جواب میں)

گاز حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز (خضر راہ)

گرد درد اپنا مجھ سے کہہ میں بھی سراپا درد ہوں
جس کی تو منزل تھا میں اُس کارواں کی گرد ہوں (صقلیہ)

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
(طلوعِ اسلام)

گل ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جان جاں مجکو

(التجائے مسافر)

کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورت گل، مانند بو پریشاں
(رات اور شاعر

گوہر جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے
مثال گوہر وطن کی فرقت کمال ہے میری آبرو کا
(غزلیات

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

جب تلک باقی ہے تو باقی جہاں میں ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں
(بلاد اسلامیہ)

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں (غزلیات)

گہر
اے درد عشق ہے گہر آبدار تو
نا محرموں میں دیکھ نہ ہو آشکار تو (درد عشق)

چمن میں حکم نشاط مدام لائی ہے
قبائے گل میں گہر ٹانکنے کو لائی ہے (ابر)

گہوارہ
ہے جہاں آباد ، اے گہوارۂ علم و ہنر
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در (مرزا غالب)

جنبش موج نسیم صبح گہوارہ بنی
جھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گل کی کلی (ہمالہ)

تھی کبھی موج صبا گہوارۂ جنباں ترا
نام تھا صحن گلستاں میں گل خنداں ترا (گل پژمردہ)

سینۂ دریا شعاعوں کے لئے گہوارہ ہے
کس قدر پیارا لب جو مہر کا نظارہ ہے
(گورستان شاہی)

جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں محو خواب (خضر راہ)

گیسو
مہر روشن چھپ گیا اُٹھی نقاب روئے شام
شانۂ ہستی پہ ہے بکھرا ہوا گیسوئے شام
(خفتگان خاک سے استفسار)

گیسوئے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دلسوزیٔ پروانہ ہے (مرزا غالب)

لالہ
یوں تو روشن ہے مگر سوز دروں رکھتا نہیں
شعلہ ہے مثل چراغ لالۂ صحرا ترا
(شمع اور شاعر)

سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو
طشت افق سے لے کر لالے کے پھول مارے (بزم انجم

لعل
بوند اک خون کی ہے تو لیکن
غیرت لعل بے بہا ہوں میں (عقل و دل

لعل بدخشاں
وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا ہے آفتاب
(بال جبریل صفحہ ۵۰

لیلی
لیلی شب کھولتی ہے آ کے جب زلف رسا
دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا (ا

لیلی معنی
تھی زباں داغ پر ہر آرزو جو دل میں تھی
لیلی معنی وہاں بے پردہ یاں محمل میں تھی

لیلائے ظلمت — محمل میں خامشی کے لیلائے ظلمت آئی
چمکے عروس شب کے موتی وہ پیارے پیارے (بزم انجم)

مادر ایام — زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

مادر گیتی — ہے نگین دہر کی زینت ہمیشہ نام نو
مادر گیتی رہی آبستن اقوام نو
(گورستان شاہی)

ماہ — زمیں سے دور دیا آسماں نے گھر تجھ کو
مثال ماہ اڑھائی قبائے زر تجھ کو (ستارہ)

ماہی — ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی (وطنیت)

ماہی بے آب — حسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ بیتاب ہے
زندگی اس کی مثال ماہی بے آب ہے
(بچہ اور شمع)

مٹی کا ڈھیر — تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر
(ضرب کلیم صفحہ ۱۵۶)

مچھلی — چرخ نے بالی چرا لی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی (ماہ نو)

تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو
(رات اور شاعر)

محمل
خفتہ خاک پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا
عارضی محمل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
(والدہ مرحومہ کی یاد میں)

محمل میں خامشی کے لیلائے ظلمت آئی
چمکے عروس شب کے موتی وہ پیارے پیارے (بزم انجم)

مخمل
کسی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو
سبزۂ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھ کو
(ابر کوہسار)

مداری
گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا
(بال جبریل صفحہ ۱۶۷)

مد و جزر
تو معنی والنجم۔ نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد و جزر ابھی چاند کا محتاج
(ضرب کلیم صفحہ ۹)

مردہ
گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے
مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس
دہقاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ
بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمیں ہے
(ضرب کلیم صفحہ ۱۷۳)

غ خوشنوا زندگی انساں کی ہے مانند مرغ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا
(گورستان شاہی)

اقبہ خاموش ہیں کوہ و دشت و دریا
قدرت ہے مراقبے میں گویا (ایک شام)

ار رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونبانہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار (صقلیہ)

سلسلہ ہستی کا ہے اک بحر نا پیدا کنار
اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں مزار
(گورستان شاہی)

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرف آرزو کا
(غزلیات)

زرع کہنے لگا چاند ، ہم نشینو
اے مزرع شب کے خوشہ چینو
(چاند اور تارے)

ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یا رب
جل گئی مزرع ہستی تو اگا دانۂ دل (دل)

شاعر دلنواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرع زندگی ہری (شاعر)

مسافر

ابر کے روزن سے وہ بالائے بام آسماں
ناظر عالم ہے نجم سبز فام آسماں
ہے ازل سے یہ مسافر سوئے منزل جا رہا
آسماں سے انقلابوں کا تماشا دیکھتا
(گورستان شاہی)

آتی ہے ندی فراز کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
چھیڑتی جا اس عراق دلنشیں کے ساز کو
اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو (ہمالہ)

مشعل

تری منقار کو گانا سکھایا
مجھے گلزار کی مشعل بنایا
(ایک پرندہ اور جگنو)

مضراب

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطف خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے (فلسفہ غم

زندگانی ہے مری مثل رباب خاموش
جسکی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش
آہ امید محبت کی بر آئی نہ کبھی
چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی (نوائے غم

مضمون

مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح
جیسے خلوتگاہ مینا میں شراب خوشگوار (نمود صبح

جو تیری قوم کا دشمن ہو اس زمانے میں
اسے بھی باندھ لے اقبال صورت مضمون (سرود رفتہ

مضموں فراق کا ہوں ثریا نشاں ہوں میں
آہنگ طبع ناظم کون و مکاں ہوں میں (شمع)

گوہر کو مشت خاک میں رہنا پسند ہے
بندش اگرچہ سست ہے مضموں بلند ہے

معانی کہتے تھے کہ پنہاں ہے تصوف میں شریعت
جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں معانی
(زہد اور رندی)

معمار حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر ترا
تری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے (طلوع اسلام)

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے (غزلیات)

ملک‌الموت عصر حاضر ملک‌الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش
(ضرب کلیم صفحہ ۸۲)

منصور رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی
(زہد اور رندی)

موج جانب منزل رواں بے نقش پا مانند موج
اور پھر افتادہ مثل ساحل دریا بھی ہے
(عاشق ہرجائی)

موج بحر — مدتوں تیرے خود آراؤں سے ہم صحبت رہا
مدتوں بیتاب موج بحر کی صورت رہا
(رخصت اے بزم جہاں)

مؤذن — پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو (ایک آرزو)

پکاری اس طرح دیوار گلشن پر کھڑے ہو کر
چٹک او غنچۂ گل تو مؤذن ہے گلستاں کا (پیام صبح)

موتی — برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن
(بال جبریل صفحہ ۴۸)

موتی کی لڑی — ہے رگ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سورج کی کرن شبنم میں ہے الجھی ہوئی
(گورستان شاہی)

مہاجن — نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن
(بال جبریل صفحہ ۲۲۰

مہماں — وہ بزم عیش ہے مہماں یک نفس دو نفس
چمک رہے ہیں مثال ستارہ جس کے ایاغ
(ضرب کلیم صفحہ ۵

جوانی ہے تو ذوق دید بھی لطف تمنا بھی
ہمارے گھر کی آبادی قیام مہماں تک (غزلیہ

مہر فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
(التجائے مسافر)

مے شیشۂ دہر میں مانند مئے ناب ہے عشق
روح خورشید ہے خون رگ مہتاب ہے عشق
محبت کے لئے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں (غزلیات)

,, ضمیر لالہ مئے لعل سے ہوا لبریز
اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
(بال جبریل صفحہ ۲۵)

,, مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الہ الا ھو
(بال جبریل صفحہ ۹۱)

میخانہ اُٹھ گئے ساقی جو تھے میخانہ خالی رہ گیا
یادگار بزم دلی ایک حالی رہ گیا (داغ)

میکدہ گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے یہ گھٹا
عجیب میکدۂ بے خروش ہے یہ گھٹا (ابر)

,, جوئے سرود آفریں آتی ہے کوہسار سے
پی کے شراب لالہ گوں میکدۂ بہار سے (شاعر)

مینا میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
(بال جبریل صفحہ ۱۷)

نخل طور — اپنی وادی سے دور ہوں میں
میرے لئے نخل طور ہے تو
(بال جبریل صفحہ ۱۳۸)

نخیل — تیری بنا پائیدار تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل
(بال جبریل صفحہ ۱۳۰)

نسیم سحر — عروس لالہ مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیم سحر کے سوا کچھ اور نہیں
(بال جبریل صفحہ ۷۱)

" — فطرت مری مانند نسیم سحری ہے
رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
(بال جبریل صفحہ ۱۷۹)

نشیمن — میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن
(بال جبریل صفحہ ۲۲۰)

نظام مہر — ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
(التجائے مسافر

نغمۂ خاموش غم نہیں غم، روح کا اک نغمۂ خاموش ہے
جو سرودِ بربطِ ہستی سے ہم آغوش ہے (فلسفۂ غم

نقاب — مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقاب روئے شام
شانۂ ہستی پہ ہے بکھرا ہوا گیسوئے شام
(خفتگان خاک سے استفسا

نقش باطل — صفحۂ ایام سے داغ مداد شب مٹا
آسماں سے نقش باطل کی طرح کوکب مٹا (آفتاب صبح)

نقش پا — کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تونے
گذاری عمر پستی میں مثال نقش پا تونے (تصویر درد)

نقطۂ جاذب — آہ یثرب دیس مسلم کا ہے تو ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
(بلاد اسلامیہ)

نگار خانہ — چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
(التجائے مسافر)

نگاہ — سبک روی میں ہے مثل نگاہ یہ کشتی
نکل کے حلقۂ حد نظر سے دور گئی (کنار راوی)

نکہت — چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل
ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
(التجائے مسافر)

نگہ حور — اک شوخ کرن، شوخ مثال نگہِ حور
آرام سے فارغ صفت جوہر سیماب
(ضرب کلیم صفحہ ۱۰۶)

نگین — خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
(بلاد اسلامیہ)

نم — آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم
(بال جبریل صفحہ ۵۱

نماز — گرنا تیرے حضور میں اس کی نماز ہے
ننھے سے دل میں لذت سوز و گداز ہے
(شمع و پروانہ

نور دیدہ — ہے زمین قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
ظلمت مغرب میں جو روشن تھی مثل شمع طور
(بلاد اسلامیہ

نور نگاہ — غرہ شوال ، اے نور نگاہ روز دار
آ کہ تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار (غرہ شوال

نہر رواں — ایک اصلیت میں ہے نہر رواں زندگی
گر کے رفعت سے ہجوم نوع انساں بن گئی (فلسفۂ غم

نیام — مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زرنگار و بے شمشیر
(ضرب کلیم صفحہ ۲۸

نیشتر — اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا
ہے خون فاسد کے لئے تعلیم مثل نیشتر
(مسلمان اور تعلیم جدید

وضو — تھمے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم با وضو رہنا (تصویر در

„ پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ مری دعا ہو (ایک آرزو)

اول متاع غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اس کی
تو ہیں ہراول لشکر کلیسیا کے سفیر
(ضرب کلیم صفحہ ۱۵۴)

دل عین طفلی میں ہلال آسا کمر خم کھا گئی
صبح پیری کی مگر بن کر یتیمی آ گئی (نالہ یتیم)

ل عید خنجر رہزن اسے گویا ہلال عید تھا
"ہائے یثرب" دل میں لب پر نعرہ توحید تھا
(ایک حاجی مدینے کے راستے میں)

ہے شہنشاہی جو طفلی تو ہما تاثیر ہے
تو نہ ہو تو زندگی اک قید بے زنجیر ہے (نالہ یتیم)

گامہ تو جو محفل ہے تو ہنگامۂ محفل ہوں میں
حسن کی برق ہے تو عشق کا حاصل ہوں میں
(حسن و عشق)

ا آب میں مثل ہوا جاتا ہے تو سن میرا
خار ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا (موج دریا)

ا ہیں ہزاروں اس کے پہلو رنگ ہر پہلو کا اور
سینے میں ہیرا کوئی ترشا ہوا رکھتا ہوں میں
(ہرجائی عاشق)

ید بیضا	جلوۂ طور میں جیسے ید بیضائے کلیم موجۂ نکہت گلزار میں غنچے کی شمیم ہے ترے سیل محبت میں یونہی دل میرا

(حسن و عشق)

یزداں	ہے محفل وجود کا ساماں طراز تو یزدان ساکنان نشیب و فراز تو (آفتاب)

یوسف	پاک ہے گرد وطن سے سرِ داماں تیرا تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

(جواب شکوہ)

تشبیہات اقبال

(غلط نامہ)

نمبر شمار	صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱	٦	٦	ذایقہ	ذائقہ
۲	۱۴	۳	کیا چیز کیا ؟	کیا چیز ہے ؟
۳	۲۳	۱۷	اس شعر میں مشبہ	اس شعر میں چار مشبہ
۴	۲۴	۴	گا رنگ	گلرنگ
۵	۲۴	۷	محذوف	محذوف
٦	۲۴	۱۸	صرف	حرف
۷	۲۵	۲	صرف	حرف
۸	۲۵	٦	موذّن مشبہ	موذّن مشبہ بہ
۹	۲۵	۱۲	وجہ مشبہ	وجہ شبہ
۱۰	۲۵	۱۴	پتکنوں	پتنگوں
۱۱	۲٦	۲	مذکور	مذکور نہیں
۱۲	۳۲	۱۲، ۱۳	جبیں	جبین
۱۳	۳۸	۱۸	وں	یوں
۱۴	۴۳	۱۵	د -- یوار	دیوار
۱۵	۴۸	۴	نقظہ	نقطہ
۱٦	۴۸	۴، ۵	انعکاس پذیر کو	انعکاس پذیر ہو کر

نمبر شمار	صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۷	۴۸	٦	کی جائیں	کی جائیں وہ نقطہ جاذب کہلاتا ہے
۱۸	۴۹	۱۱	نطم	نظم
۱۹	۵۰	۱۵	غوو	غور
۲۰	۵۱	۱۱	پاٹ	باٹ
۲۱	۵۲	۷	خار و حسن	خار و خس
۲۲	۵۲	۲۰ (آخری لفظ)	کسی	کسی وصف
۲۳	۵۴	۷	سرور	سرود
۲۴	۵۵	۱۷	یاد مجھے	یاد نے مجھے
۲۵	۵۵	۲۰	رات طوالت	رات کی طوالت
۲٦	۵۵	۲۱	مشاعروں	شاعروں
۲۷	۵٦	۱۷	نظروں	قطروں
۲۸	٦۱	۷	تجربہ	تجرید
۲۹	٦۱	۷	قصہ	قصد
۳۰	۷۰	۱۴	استعارلہ	مستعارلہ
۳۱	۷۰	۱۹	(ایک آنسو)	(ایک آرزو)
۳۲	۷۱	۱	او	اور
۳۳	۷۱	۲	نالہ دعا	نالہ اور دعا
۳۴	۷۲	۳	سنخگو	سخنگو
۳۵	۷۸	۱۸	طائیر دیں	طائر دیں

نمبر شمار	صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۳۶	۷۹	۳	ہوس	ہوش
۳۷	۸۰	۲	اضافت و استعارہ	اضافت استعارہ
۳۸	۸۰	۳	قبح	قبیح
۳۹	۸۰	۱۵	ہر کروسہ	ہرکر و سہ
۴۰	۸۱	۵	حسی	اچھی
۴۱	۸۹	۷	حلیم	تعلیم
۴۲	۹۹	۱۷	فرب	قرب
۴۳	۱۰۳	۱۱	شاہجان	شاہجہان
۴۴	۱۰۴	۶	غادشاہ	بادشاہ
۴۵	۱۰۴	۱۶	درسوخت	واسوخت
۴۶	۱۱۰	۱۲	بر	بتر
۴۷	۱۱۷	۴	فارسی صرف	فارسی کا صرف
۴۸	۱۱۹	۴	سرور	سردر
۴۹	۱۲۶	۳	اندیشہ	اندیشد
۵۰	۱۲۷	۲	بتاب	بتاب
۵۱	۱۲۷	۷	وہاں	دہاں
۵۲	۱۳۵	۵	بچوش	بجوش
۵۳	۱۳۰	۳	کلاء	کلام
۵۴	۱۳۶	۱۲	انتخب	انتخاب
۵۵	۱۳۹	۹	لعل	نعل
۵۶	۱۳۹	۱۹	رے صنم	اے صنم

شمار	نمبر	نمبر		صحیح
۵۷	۱۵۳	۱۶	وضح	وضع
۵۸	۱۵۶	۱۳	گورا	گوارا
۵۹	۱۵۶	۱۷	خوداری	خود داری
۶۰	۱۵۸	۲۰	کانٹے کانٹے	کانٹے ہی کانٹے
۶۱	۱۷۳	۱۰	ساعدہ ساق	ساعد و ساق
۶۲	۱۷۳	۱۵	ماہ پارا	ماہ پارہ
۶۳	۱۸۱	۱۵	ہے زندگی	ہے یہ زندگی
۶۴	۲۰۱	۱۰	حو	حور
۶۵	۲۰۷	۵	تھوڑا تصرف	تھوڑا سا تصرف
۶۶	۲۲۹	۷	حزوی	جزوی
۶۷	۲۳۰	۹	کھنچا	کھینچا
۶۸	۲۳۳	۱۲	رنگین دہر	نگین دہر
۶۹	۲۳۵	۹	بر	پر
۷۰	۲۳۷	۲۱	نل	مثل
۷۱	۲۶۲	۱۵	ساں	سان
۷۲	۲۷۱	۱۸	الیل الاقیلاہ	اللیل الاّ قلیلا ۔
۷۳	۲۷۳	۱۱	پھول	پھل
۷۴	۲۷۴	۱۰	قرفہ	فرقہ
۷۵	۲۷۸	۷	تحمین	تخمین
۷۶	۲۸۴	۶	پھو	پھر
۷۷	۳۰۰	۱۷	جبت	جنت

نمبر شمار	صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۷۸	۳۰۲	۱۳	تیری	تری
۷۹	۳۰۶	۳،۴	ایک ایک	ایک
۸۰	۳۱۷	۸	حسن	خس
۸۱	۳۱۹	۱۶	پروانہ	پرواز
۸۲	۳۳۶	آخری سطر	بلند	ہند
۸۳	۳۴۰	۷	نہ پا	تہِ پا
۸۴	۳۴۳	۴	تفریف	تعریف
۸۵	۳۴۳	۸	صداقت و شہادت	صداقت کی شہادت
۸۶	۳۴۴	۵	اظہا	اظہار
۸۷	۳۶۷	۱۶	قیور	قیود
۸۸	۳۸۵	۱۱	بگدز	بگذر
۸۹	۳۸۹	۱۲	کو ہندی	کو ۔ اور اپنے ہندی
۹۰	۳۹۳	۱۶	متبنہ	متنبہ
۹۱	۳۹۴	۴	وطن ہیں	وطن ہے
۹۲	۴۰۳	۱	قوتِ مشہدہ	قوتِ مشاہدہ
۹۳	۴۱۴	۱۰	برکساں	برگساں
۹۴	۴۱۸	۶	حھوٹے	جھوٹے
۹۵	۴۲۰	آخری سطر	آمائے	آبائے
۹۶	۴۲۶	۳	مارا	تارا

نمبر شمار	صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۹۷	۳۴۳	۲۲	بر	ہر
۹۸	۳۵۲	۱۳	سفر واقعی سفر	سفر واقعی سقر
۹۹	۳۵۸	۸	لـاب	لباب
۱۰۰	۳۶۲	۱۳	حوہر	جوہر
۱۰۱	۳۷۰	۳	شروع	شرع
۱۰۲	۳۷۸	۲۰	کوہ و بیاں	کوہ و بیاباں
۱۰۳	۳۸۳	۸	پھبیاں	پھبتیاں
۱۰۴	۳۸۴	۷	رکتھے	رکھتے
۱۰۵	۳۸۷	۱	پانی میں نہ ملا	پانی نہ ملا
۱۰۶	۳۹۰	۱۱	محصوص	مخصوص
۱۰۷	۳۹۲	۱۲	ججنے نہیں کنحشک	جچتے نہیں کنجشک
۱۰۸	۳۹۳	۵	مون	مومن
۱۰۹	۳۹۶	۷	حالتِ راز	حالتِ زار
۱۱۰	۳۹۹	۹	دُور	دُود
۱۱۱	۵۰۳	۱۸	میں	ہے
۱۱۲	۵۲۳	۱	بسم	تبسم
۱۱۳	۵۲۸	۱	پاسباں	پاسبان
۱۱۴	۵۳۷	۲۰	کھبی	کھیتی
۱۱۵	۵۶۳	۱	تیر	شیر
۱۱۶	۵۶۸	۱۹	عضا	عصا
۱۱۷	۵۷۰	۱۰	نخیل	تخّیل

تشبیہات اقبال

انڈکس

(ا) اشخاص

ب ۔ کتب

اقبال (رئیس احمد جعفری) ۴۹۷

اقبال کامل ۔ ۴۹۷

اقبال نامہ ۔ ۴۲۲

آب حیات ۔ ۱۰۳ ، ۱۱۲ ، ۱۳۹

بحر الفصاحت ۔ ۱۱ ، ۶۳ ، ۹۰

تاریخ ادب انگلستان (کامپٹن رکٹ) ۔ ۹۵

تشبیہات اور آن کا استعمال (انگریزی) ۔ ۹۲

تلمیحات اقبال ۔ ۳۵۹

روداد انجمن حمایت اسلام سال ۱۹۰۰ء ۔ ۱۴۴

شعر اقبال ۔ ۱۷۲

شعر العجم ۔ ۶۲ ، ۸۴

علیگڑھ میگزین (اقبال نمبر) ۱۹۶ ، ۲۱۳

کنز البلاغت ۔ ۶۳

لغات تشبیہات (انگریزی) ۔ ۹۰

مخزن ۔ ۱۴۵

مرآۃ الشعر ۔ ۴۴۶

مسدس حالی ۔ ۱۷۸ ، ۱۷۹

مقدمہ شعر و شاعری ۔ ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۴۴۵

موازنہ انیس و دبیر ۔ ۸۱